

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

حیات پاک ماہنامہ سوسائٹی ڈاکٹر کام

www.paksociety.com

آئینہ

108	حافظ محمد بابر یونس	بہترین سودا	23
110	لبنی فیصل	مسیحائی ہیں یا قصائی ہیں	24
113	بنت حافظ عبدالواجد	ماں	25
115	سدرہ پرویز	مس کال	26
117	ثانیہ ساجد	بچت	27
123	بنت اعظم	ڈوبتے کو خدا ہی بچاتا ہے	28
128	غزالہ خالد	آنکھ نہ تاک بہو گیندی	29
131	سمیرا مسکین	اسلام اور اخلاق	30
144	خضاء	کنکھن مرحلہ	31
146	عمارہ جمیل	کامیاب زندگی کیسے گزاری جائے؟؟	32
149	عفراء محمد	عزل کا اصول موتی	33
154	فرزانہ چیمہ	علم و عمل میں یکتا، ایک سچی عاشق رسول	34
163	سین انجم	اف یہ گاڑیاں	35
173	ادارہ	گھر کہانی	36
176	مفتی محمد ساجد	آپ کے مسائل کا حل	37
180	مولانا عبداللہ صفدر	خوابوں کی تعبیر	38
182	محمود عباسی	تبسم	39
184	خولہ بنت سلیمان	روشن چراغ	40
189	زوجہ محمد اصغر نعمانی	سہانا بچپن	41
191	ادارہ	میری پسند	42
201	ادارہ	باورچی خانہ	43
205	ادارہ	گلدستہ حیا	44
215	ادارہ	حیا کی محفل	45

آئینہ

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
1	فداک انبی و امی یا رسول اللہ	راشد ارشد حسین	11
2	نفقوش و تاثرات	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب	21
3	حفاظت کا خاص عمل	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	26
4	خواتین اور دین کی خدمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	30
5	سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا	اہلیہ مفتی محمد محبوب	35
6	حضرت ابوسفیان بن حارث	محمد سعید علوی	38
7	انبیاء کے دیس میں	بنت حضرت مولانا عبدالحمید	44
8	منکرین ختم نبوت کو غیر مسلم	مولانا مجاہد الحسنی	53
9	”عورت“ اقبال کے کلام میں	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	58
10	پیوستہ رہ شجر سے.....	مولانا زاہد	61
11	اماں جی	مولانا عبد الباقیوم حقانی	64
12	تیرے عشق کی انتہا چاہئے	مریم غازی	69
13	4 ستمبر..... عالمی یوم حجاب	عالیہ منصور	78
14	”اسلام“ سارے مسائل کا حل	ف بنت سید زاہد حسین	81
15	ایک فرانسیسی دوشیزہ کا قصہ	بشری امیر	83
16	دل کے دروازے پر یہ دستک کیسی؟	تبسم محسن علوی	85
17	کیا آپ کی ماں زندہ ہے؟	عبدالرشید شاہد	88
18	تعزیت کا جوڑا	نسیم انجم	91
19	زوال امت کا سبب	محمد اقبال	94
20	اجتماعیت کی اہمیت	اختر حافظ ابوبکر صدیق معاویہ	98
21	مسکرانا منع ہے	بنت یوسف	102
22	پچھتاوا	ٹی۔ جمال	105

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَرَغَاتُ الْإِلهِي

ذکر اللہ کی اہمیت

دین کو ہلکا سمجھنے پر تنبیہ:..... ایک اللہ والے ایک دفعہ حسب معمول تہجد کے وقت اٹھے اور نوافل پڑھنے کے بعد تسبیحات میں ”اللہ اللہ“ (ذکر) کرنا چاہا۔ ”اللہ اللہ“ کرنا چاہا لیکن زبان سے لفظ ”اللہ“ نہیں نکل رہا تھا۔ اب انہیں سے پوچھو، جن پر پڑی ہے، ہم آپ نہ تو ذکر کے عادی ہیں، نہ ذکر سے مناسبت ہے، نہ ذکر کرتے ہیں، ہمیں کیا پتہ! ان پر کیا گزرتی ہے؟ جنہوں نے دل کا باغ آباد کیا ہوا ہوتا ہے، اگر ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے تو ان پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وہ رونے لگے، گڑگڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: یا اللہ! ضرور مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے، مہربانی فرما کر میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، مجھے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرما دیجئے، رورہے ہیں، گڑگڑا رہے ہیں، عاجزی کر رہے ہیں، آہ وزاری کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی:..... اللہ تعالیٰ جل شانہ نے الہام فرمایا (یعنی دل میں ڈالا کہ) آج سے اتنا عرصہ پہلے تم نے ایک بات کی تھی جس سے دین کا استخفاف (معمولی پن ظاہر) ہوتا تھا، دین کا ہلکا ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ اس کے لئے ہم نے تم کو مہلت دی تھی آج توبہ کرلو..... آج توبہ کرلو۔ اتنا عرصہ گزر گیا لیکن تم نے توبہ نہیں کی۔ آج اس کی پاداش میں ہم نے تمہیں پکڑ لیا ہے، تمہاری زبان بند کر دی ہے۔ توبہ کرنے کے بعد یہ گناہ معاف ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لینے کی توفیق ہوئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نُورِ نَبَوِّی

کفار سے قتال کا بہتر وقت

کفار سے قتال کا بہتر وقت:..... لڑائی شروع کرنے کا وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا تھا؟ اصل تو یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی دن کے شروع میں فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی عذر پیش آ جاتا جس کی وجہ سے شروع دن میں جہاد شروع کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہ جاتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال سے پہلے نو دس بجے کے قریب جہاد شروع نہ فرماتے تھے، بلکہ زوال کا انتظار فرماتے تھے۔

پہلی وجہ:..... یہ تھی کہ زوال کے وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی امداد نازل ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ خصوصی امداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل جائے اور جہاد میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کا انتظار فرماتے تھے۔

دوسری وجہ:..... یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ظہر کی نماز پڑھنے کا موقع مل جائے تاکہ ظہر کی نماز پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کی دعا فرما سکیں، کیوں کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ کامیابی کی دعا کرنے کے بعد جہاد شروع کرنا بہت مناسب ہے تاکہ فتح کی امید قوی ہو جائے اور پوری امید کے ساتھ جہاد شروع ہو۔

تیسری وجہ:..... یہ بیان کی گئی ہے کہ لڑائی میں بہت بھاگنا دوڑنا ہوتا ہے، زوال سے گرمی کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور بھاگنا دوڑنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کا انتظار فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائیں۔ آمین

آوازِ حیا

”موبائل“ آج ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، کیا امیر کیا غریب..... کیا مرد کیا عورتیں..... کیا جوان، کیا بچے؟..... سب اس وبا میں بری طرح مبتلا ہیں اور بجائے ایک کے اکثر کے پاس دو موبائل ہیں، روزانہ مارکیٹ میں نت نئے موبائل اضافی خوبیوں کے ساتھ ستے داموں پیش کئے جا رہے ہیں، دوسری طرف موبائل کمپنیاں نت نئے کال پیکیجز اور ایس ایم ایس پیکیجز کے ذریعے گاہکوں کو لبھانے میں سرگرم ہیں، جس میں مبتلا ہو کر ہزاروں لوگ اپنے قیمتی کو بھی ضائع کرتے ہیں اور دوسرے کی مصروفیت کا بھی خیال نہیں رکھتے۔

ہم مانتے ہیں، موبائل ایک ضرورت ہے اور اس کے فوائد بھی ہیں، لیکن ذرا غور کیا جائے تو موبائل ضرورت سے زیادہ بہت ساری فضول اور لغو چیزوں کا مجموعہ بن گیا ہے..... اس کے نقصانات، اس کے فوائد سے زیادہ ہیں، دور حاضر کی یہ ضرورت سماج اور معاشرے کی تباہی اور بربادی اور دین سے دوری کا سبب بن رہی ہے، موبائل کی ضرورت ایک عام اور سیدھے سادے موبائل سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن آج مارکیٹ میں موجود موبائل صرف موبائل نہیں بلکہ ٹی وی، ریڈیو، کیمرہ، مووی اور انٹرنیٹ کی سہولیات سے آراستہ معاصر اور فحاشی کا ایک بڑا آلہ ہے، ایسی ایسی معصیتیں اور منکرات، جن کے کرنے کا ایک عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اس موبائل کی بدولت کھلے عام انجام پا رہی ہیں..... ایسے گھرانے جہاں کسی اجنبی کا داخلہ بھی ممکن نہ تھا آج اس موبائل کی بدولت ہر گھر میں اجنبی کا وجود موجود ہے..... ایک مومن اور

آوازِ حیا

مسلمان جس کا ہر ہر لمحہ قیمتی ہے، اس چھوٹے سے شیطانی آلہ کی بدولت، پانی کی طرح ضائع ہو رہا ہے، ایک مومن و مسلمان جس کے کان تلاوت اور ذکر اللہ کو سن کر لذت حاصل کرتے ہیں، اب ان کانوں میں ہیڈفون لگا کر گانے سن جاتے ہیں اور نامحرموں سے دل لگی کی باتیں کی جاتی ہیں، جو زبان ذکر اللہ اور تلاوت کلام پاک سے تر رہتی تھی اب اس زبان پر گانے کے بول جاری ہوتے ہیں..... جو ہاتھ نیک اعمال میں استعمال ہوتے تھے، اب وہ بے ہودہ اور فحش میسجز لکھنے میں مصروف رہتے ہیں..... ایک مومن و مسلمان جو رات کو جلد سو کر صبح جلدی اٹھتا تھا آج ان موبائل پیکیجز سے فائدہ اٹھانے کے لیے رات بھر جاگ کر باتوں میں لگن رہتا ہے اور پھر دیر تک سو کر اٹھتا ہے..... وہ مومن و مسلمان جن کی راتیں بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوتی تھیں اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز میں بسر ہوتی تھیں آج کے مسلمان کی رات محبوب مجازی سے گپ شپ میں بسر ہوتی ہے.....

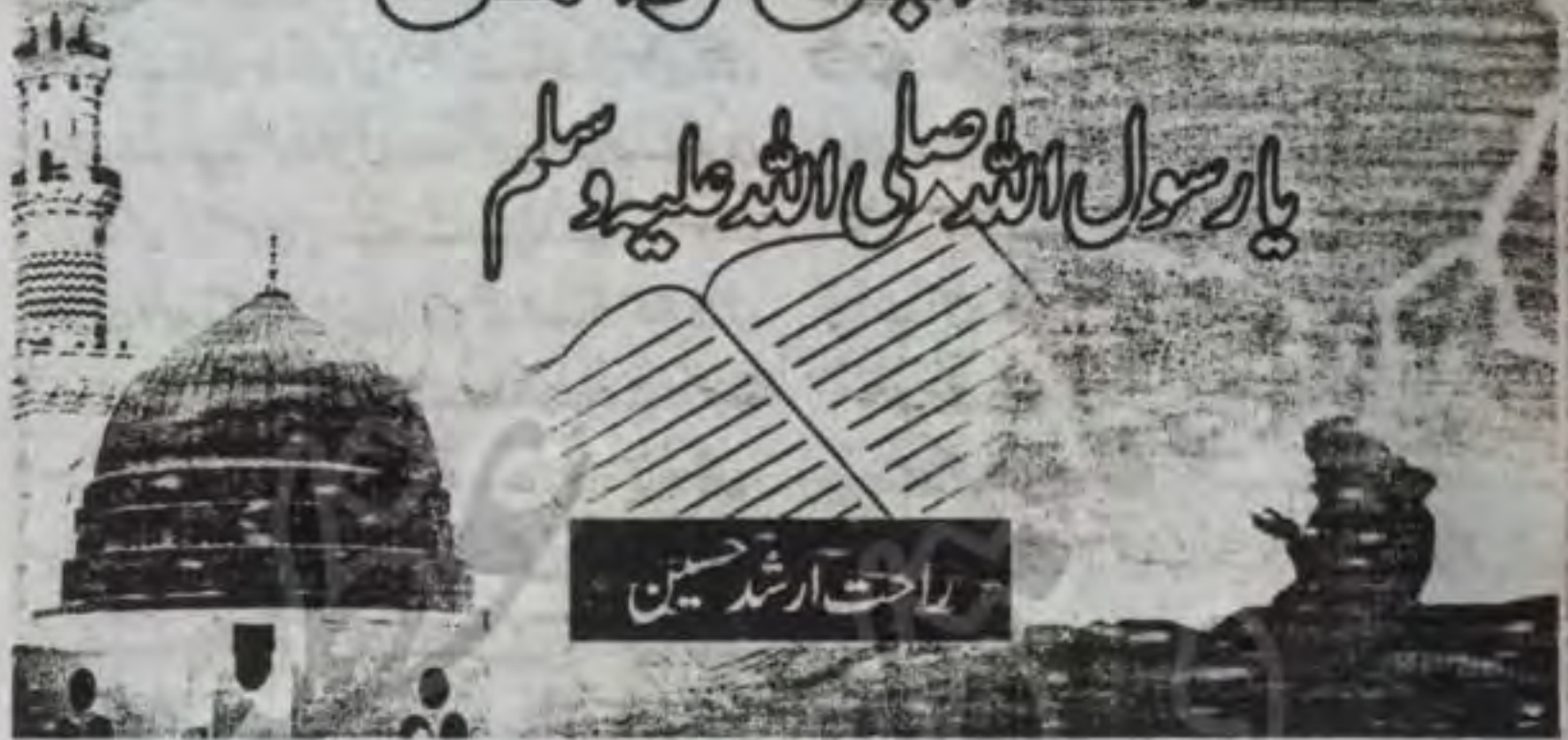
ہائے افسوس!!! یہ ہمارے معاشرے کو کیا ہو گیا ہے..... ہم مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟..... اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو بخوشی یہ فتنہ لا کر دے رہے ہیں اور ان کی اور اپنی دنیا و آخرت برباد کر رہے ہیں..... خدارا! اپنے گھر والوں اور بچوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور ان کو اس شیطانی آلہ سے دور رکھیں، بدرجہ مجبوری دلانا بھی پڑے، تب بھی ہر وقت ان پر نظر رکھیں..... کہیں ایسا نہ ہو پانی سر سے گزر جائے اور ہم کفِ افسوس ملتے رہ جائیں..... خدارا سوچئے ضرور سوچئے

آپ کی مدیرہ

دراحت ارشد حسین

فداک ابی وادی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



راحت ارشد حسین

عبداللہ بن رواحہ نے یہ تمام اشعار پڑھے اور پھر فوراً ہی گھوڑے سے اتر گئے، ان کے چچا زاد بھائی نے آگے بڑھ کر ان کو گوشت کی ایک ہڈی دی کہ اس کو چوس کر کچھ قوت حاصل کریں، کیونکہ ان پر کئی دن کے فاقے گزر چکے تھے، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ہڈی لے کر ایک بار ہی چوسی تھی کہ یہ کہہ کر اس کو پھینک دیا کہ ”اے نفس لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے۔“ اس کے بعد تلوار لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، جس وقت پرچم اسلام ان کے ہاتھ سے گرا تو ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اسے فوراً ہی اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اے گروہ مسلمین، اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امیر بنالو۔“

لوگوں نے ان کی بات سن کر کہا:

”آپ ہی ہمارے امیر ہیں، ہم آپ کے امیر ہونے پر راضی ہیں۔“

ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ کہہ کر کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا، پرچم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ آپ جنگ سے خوب واقف

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کر کے لایا گیا تو ان کے جسم پر تیر اور تلوار کے نوے سے زیادہ زخم تھے اور یہ سب سامنے تھے، پیچھے کی طرف کوئی زخم نہ تھا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے، چند لمحوں کے لئے انہیں کچھ تردد ہوا تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ ہے:

”اے نفس تجھ کو قسم ہے کہ تو گھوڑے سے اتر کر ضرور ہی اللہ کے دشمنوں سے قتال کر۔ ناگواری سے اتر یا خوشی اور رغبت کے ساتھ۔ اگر لوگ چیخ پکار کر رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ تجھ کو دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے، پیش قدمی میں سستی کرنا گویا کہ جنت کو ناپسند کرتا ہے، تو بسا اوقات مطمئن رہا ہے، اس وقت تجھ کو کیا ہوا، تیری حقیقت کیا ہے، تو رحم مادر میں ایک نطفہ ہی تھا، اس بے حقیقت نطفہ کے لئے اللہ کی راہ میں پس و پیش کر رہا ہے۔ جس چیز کی تو نے تمنا کی تھی، وہ تجھ کو مل گئی، اگر تو نے زید اور جعفر جیسا کام کیا تو ہدایت پائے گا۔“

ہیں۔ جس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں لے کر اونچا کیا تو لڑائی کا پانسہ دشمن کے حق میں تھا اور اسلامی لشکر کی حالت خراب سے خراب ہوتی جا رہی تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو تیزی سے منظم کیا اور بھوکے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر لپکے، حملے کی شدت اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ذاتی شجاعت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ خود انہیں سے روایت ہے کہ غزوہ موتہ میں لڑتے لڑتے میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، صرف ایک یعنی تلوار میرے ہاتھ میں رہی، لڑائی کی شدت کے دوران مسلم فوج کے دائیں بازو کے سالار قطبہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے سپہ سالار مالک کو قتل کر دیا، مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے اور اپنے سپہ سالار کے قتل ہو جانے پر دشمن کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک حقیقت پسند اور موقع کی باریکیوں کو سمجھنے والے فطری قائد تھے، ان کی عقابانی نظروں نے بھانپ لیا کہ ان کی فوج اب تھک چکی ہے اور وہ اب مزید لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اس لئے انہوں نے اپنی فوج کو رومیوں کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔ دوسرے دن جب رومی میدان جنگ میں صف آراء ہونے لگے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی پوزیشن بدل دی، مقدمہ آگیش یعنی سب سے آگے جانے والے سپاہیوں کو ساتھ میں یعنی وہ سپاہی جو اس وقت لشکر کی فرنٹ لائن میں ہوتے تھے اور میمنہ یعنی کہ سیکنڈ لائن کو میسرہ یعنی سب سے آخری صف کر دیا، دشمن لشکر کی اس بدلی ہوئی ترتیب سے یہ سمجھے کہ مسلمانوں کے لئے نئی ٹمک آگئی ہے اور وہ مرعوب ہو کر آہستہ آہستہ میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہونے لگے، اس طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اس دانشمندانہ تدبیر نے ایک قلیل مسلمان فوج کو شکست سے بچا کر

بڑے منظم طریقے سے مدینہ پہنچا دیا، موتہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی شجاعت اور حکمت و تدبیر نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک اعلیٰ پائے کے جرنیل تھے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب مدینہ پہنچے تو کچھ لوگوں نے ان کے اس طرح لشکر کو واپس لے آنے پر اعتراض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جب یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اعلان فرمایا کہ ”خالد سیف اللہ ہیں۔“

بھائیو! سیف اللہ کا مطلب ہے، اللہ کی تلوار، خالد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفر کو اکھاڑنے کے لئے چن لیا تھا۔ اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے جن کے نام بھی آپ کو بتا دیتا ہوں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن اسود رضی اللہ عنہ، وہب بن سعد رضی اللہ عنہ، عباد بن قیس رضی اللہ عنہ، حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ، سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، ابولکبیب بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ، جابر بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ، عمرو بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ، عامر بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ۔

جس دن اور جس وقت موتہ میں لشکر اسلام کے سالاروں کی شہادت کا واقعہ پیش آ رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سرزمین شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موتہ کے میدان کارزار کو اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے کے لئے منادی کرادی اور جب سب اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور میدان موتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے

ارشاد فرمایا:

”زید نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا، یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوا، زید کے بعد جعفر نے پرچم اسلام ہاتھ میں لیا اور اللہ کے دشمنوں سے خوب لڑا، یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا، وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے، اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اسلام سنبھالا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر تک سکوت کا عالم طاری رہا۔ صحابہ یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور ان کے چہروں پر پریشانی چھانے لگی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بھی کافروں کے ساتھ خوب جہاد و قتال کیا، یہاں تک کہ شہید ہوئے اور یہ تینوں جنت میں اٹھائے گئے اور تخت زرین پر ہیں لیکن میں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت کچھ ہلے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے تو مجھ کو یہ بتلایا گیا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقابلے کے وقت تھوڑا سا تر دو ہوا اور تھوڑی سی پس و پیش کے بعد آگے بڑھے اور زید اور جعفر بلا کسی تردد کے آگے بڑھے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

”پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور شہید ہوئے اور جنت میں کچھ رکتے رکتے داخل ہوئے، یہ سن کر انصاریوں کو رنج ہوا تو کسی نے پوچھا۔ ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا سبب کیا ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو میدان کارزار میں زخم لگے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے سست ہو گئے اور پیش قدمی میں پس و پیش کرنے لگے، پھر انہوں نے اپنے نفس کو ملامت کی اور ہمت و شجاعت سے کام لیا، لڑ کر شہید ہوئے اور جنت میں داخل

ہو گئے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اب ان کے بعد اللہ کی تلوار، میں سے ایک تلوار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام کا پرچم سنبھالا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے اللہ خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، پس تو ہی اس کی مدد فرمائے گا۔“

موتہ کے میدان کارزار کا یہ دل گداز واقعہ بیان فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جعفر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے، ان کے بچوں کو بلایا اور ان کے سروں پر اپنے دست مبارک پھیرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس سمجھ گئیں اور عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کیوں روئے، کیا جعفر اور ان کے رفقاء کے متعلق آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں، آج وہ شہید ہو گئے۔“

اسماء بنت عمیس کہتی تھیں: ”یہ سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس صدمہ کا بہت اثر تھا، اسی غم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے۔

حضرت خالد ولید رضی اللہ عنہ جب لشکر اسلام کو لے کر موتہ سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر ان کا استقبال کیا۔

بھائیو! یہ تھا غزوہ موت پر بیان، میرا خیال ہے کہ اب وقت بہت ہو گیا ہے، اس لئے اب میں آپ سب سے اجازت چاہوں گا، ان شاء اللہ اب اگلے ہفتے جب آپ سب سے ملاقات ہوگی تو کڑیاں وہیں سے ملائی جائیں گی جہاں سے چھوڑی جارہی ہیں۔

☆.....☆.....☆

ہماری گاؤں سے واپسی بالکل خاموشی سے ہوئی، پورے راستے سب اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے، مجھے تو بار بار ڈیڈی اور بڑے حضرت کا غیض و غضب میں بھرا ہوا جملہ ”اپنی خیر مناؤ، خیر ہی یاد آتا رہا، میں گھر پہنچتے پہنچتے ایک بار پھر اسی خوف کا شکار ہو گیا، جس سے میں سالوں گزر جانے کے بعد بھی نہیں نکل سکا تھا، ڈیڈی، جمشید بھائی اور ان کے بڑے حضرت کو دیکھتے ہی ڈر کے مارے میری حالت غیر ہونے لگتی، سلمان بھائی، سرفراز بھائی اور اب ظفر چچا ساتھ ہوتے تو میں پھر بھی کچھ سنبھلا رہتا، مگر مجھے تو یہ سوچ کر ہی نجانے کیا ہونے لگا کہ اگر کبھی میرا ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے بھی اکیلے میں سامنا ہو گیا تو میں کیا کروں گا، میں نے آہستہ سے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ظفر چچا کا کندھا بلایا، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے میرے اس طرح سے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے انداز نے انہیں چونکا دیا۔

”کیا بات ہے فرحان بیٹے؟“ ظفر چچا نے آہستہ سے مجھ سے پوچھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر انہیں اپنی ساری کیفیت بتائی، انہوں نے پوری توجہ سے میری باتیں سنیں۔

”انسان بہت کمزور اور ضعیف ہے بیٹے، یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مضبوط اعصاب عطا کئے اور کسی کو کمزور، کوئی خود پر ہر قسم کے حالات میں قابو رکھتا اور کوئی خوفزدہ ہو جاتا ہے، میں تمہیں ایک کام کی بات بتاتا ہوں کہ سامنے والا کوئی بھی ہو تم کتنا ہی اس سے ڈر رہے ہو،

بس کبھی اپنا خوف، اپنا ڈر اس پر ظاہر نہیں ہونے دینا، ورنہ وہ اور شیر ہو جائے گا، یہ کہنا آسان مگر کرنا مشکل تو ضرور ہے مگر ناممکن نہیں، میں تمہیں ایک دعا بتاتا ہوں، وہ یاد کر لو، بلکہ ہم سب کو یاد کر لینی چاہئے اور جب بھی ہم خوفزدہ ہوں، ان شاء اللہ ہمارا خوف اطمینان میں بدل جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ دعا اس وقت سکھائی جب غزوہ خندق کے موقع پر حصار کی تختی اور شدت کی وجہ سے صحابہ پر اتنا سخت وقت تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا:

”یاد کرو اس وقت کو کہ جب دشمن تمہارے سر پر آ پہنچے، اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی جانب سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور کیلجے منہ کو آنے لگے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب ہلائے گئے۔“

آزمائش اور امتلا کے اس موقع پر انسان ہونے کے ناطے صحابہ پر بھی خوف طاری ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ یہ دعا مانگو:

”اللھم استر عورتنا و آمن روعاتنا“

اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان میں بدل دے۔

ظفر چچا تسلی کے ان الفاظ نے میرے دل پر جیسے ایک مرہم لگا دیا، میں خود کو کافی بہتر محسوس کرنے لگا، میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک خاموش دعا کی کہ یا اللہ میری کمزوری کو کبھی ڈیڈی جمشید بھائی اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر نہ ظاہر ہونے دینا۔

☆.....☆.....☆

ہمیشہ کی طرح اتوار آیا تو میں نے فجر کے بعد سے ہی سب ساتھیوں کا انتظار کرنا شروع کر دیا، میرے لئے وقت گزارنا مشکل ہو گیا، مجھے ظفر چچا اور ہاشم بھائی سے ملنے کی ایسی بے چینی تھی کہ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں

ان کے گھر جا کر انہیں لے آؤں، مجھے ظفر چچا سے اتنا دلی لگاؤ محسوس ہونے لگا تھا جیسے کہ وہ میرے والد ہوں۔

والد.....

ڈیڈی.....

میں نے ڈیڈی کو کبھی والد کے زاویے سے نہیں دیکھا اور سوچا تھا۔ کیا والد اور ڈیڈی میں فرق ہوتا ہے؟ میں ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے اپنی ان ابھی ہوئی سوچوں پر مسکرانے لگا، پھر میرے ذہن میں ایک دم ہی ممی کا خیال آیا۔

ممی.....

ماں.....

ممی کیوں اتنی سخت اور پتھر دل ہو گئی تھیں، کیا ایک ماں ایسی ہو سکتی ہے کہ سالوں گزر جائیں اور وہ پلٹ کر بیٹوں کی خبر بھی نہ لے، اس خیال کے آتے ہی میرے اوپر ایک گہری اداسی چھا گئی، میرا دل چاہنے لگا کہ میں بھاگ کر گھر جاؤں اور اپنے بچپن کی طرح ان کی گود میں سر چھپا لوں، میں بے ساختہ ہی بیٹھے سے کھڑا ہو گیا اور میرے قدم دروازے کی طرف بڑھنے لگے، ابھی میں دو قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ فرحان بھائی کمرے میں داخل ہوئے، میں ان کو دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا، وہ بھی مجھے اس طرح ڈرائنگ روم کے عین بیچ میں اس طرح کھڑا دیکھ کر کچھ گھبرا سے گئے، شاید میرے چہرے سے انہوں نے میری اداسی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

”کیا ہوا فرحان، خیریت تو ہے بھائی، یہ تم ایسے کیوں کھڑے ہو؟“ انہوں نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر مجھے قریبی صوفے پر بٹھایا اور خود میرے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ میں نے سلمان بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک ہی رونا شروع کر دیا، سلمان بھائی نے کچھ دیر تو مجھے رونے دیا، پھر بڑی محبت سے بولے۔

”تو آج ہمارے چھوٹے صاحب کو پھر گھر والے یاد آ رہے ہیں۔“ میں اپنا رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگا۔

”آپ کو کیسے پتہ چلا سلمان بھائی؟“ میں نے حیرت سے ان سے پوچھا۔

”ظاہر ہے بھائی، والدین اور بہن بھائیوں کو کون بھول سکتا ہے، یہ قدرتی بات ہے۔“ سلمان بھائی کچھ اداسی سے بولے۔

”سلمان بھائی آج تو میرا بڑا دل چاہ رہا ہے کہ میں کسی طرح ممی سے ملوں، نہ جانے آج مجھے ممی اتنی کیوں یاد آرہی ہیں۔“ سلمان بھائی نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔

”کیسے مل سکتے ہیں یار، ان کے اور ہمارے راستے سالوں پہلے ہی الگ ہو گئے تھے، وہ تو خود ہم سے نہیں ملیں گی، دیکھا نہیں کہ ڈیڈی ہمیں کس طرح غصے سے گھورتے ہیں، جیسے اپنی نظروں سے یا تو ہمیں قتل کر دیں یا کچا چبا جائیں۔“ سلمان بھائی کی یہ بات سن کر میں سمجھ گیا کہ انہیں بھی سب یاد تو آتے مگر وہ اپنے جذبات کو اپنے اندر ہی رکھتے ہیں کہ کہیں میں ہر وقت ہی پریشان نہ رہنے لگوں۔

”سلمان بھائی اگر وہ سب بھی اسلام قبول کر لیں، کلمہ پڑھ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر دل سے ایمان لے آئیں تو پھر ہم ان سے مل بھی سکتے ہیں، وہاں گھر بھی جاسکتے ہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے۔“ میں نے اچانک ہی بڑے جوش سے ان سے پوچھا۔

”کیا کہہ سکتے ہیں بھائی، کوشش تو میں نے بہت کی، یاد ہے کہ میں نے بہت عرصہ قبل تمہیں بتایا تھا کہ میں انہیں ختم نبوت کے عقیدے کی طرف ای میل کے ذریعے مستقل بلاتا تھا اور اب بھی انہیں دعوت دیتا رہتا ہوں، مگر ان میں سے کسی نے مجھے کبھی جواب نہیں دیا، ان سب کی ہدایت کے لئے دعا کرنا بھی میں کبھی نہیں بھولتا، بس یا اللہ ہی سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے، صراط مستقیم پر لا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرنے والا بھی وہی ہے،

سپتمبر 2013ء

مجھے تو ہر وقت اپنی اور تمہاری ہی فکر رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی جو دولت دی ہے، اس پر استقامت دے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ بالآخر کرے۔ آمین..... چلو اب اٹھو، کافی وقت ہو گیا ہے، آنے والوں کے استقبال کی تیاری کرتے ہیں اور ہاں، میں جمشید کو بھی کبھی نہیں بھولتا، اس کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔“ سلمان بھائی کی باتوں نے مجھے پرسکون کر دیا، آج تو انہوں نے اتنا کہہ بھی دیا، ورنہ تو وہ بچپن ہی سے خاموش مزاج تھے، میرے دل میں ان کی محبت اور عقیدت اور بڑھ گئی، پھر مجھے اپنے اوپر شرم آنے لگی، میں نے تو شاید ہی کبھی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے لئے دعا کی ہو، رہے جمشید بھائی..... ان سے تو مجھے ویسے ہی اتنی سخت چڑھتی کہ میں نے تو کبھی اس بات کے بارے میں سوچا تک نہیں کہ ان کے لئے بھی دعا کی جائے۔

☆.....☆.....☆

میں نے سلمان بھائی کے ساتھ مل کر ڈرائنگ روم سیٹ کیا، خورشید نے بھی ہماری پوری مدد کی، سلمان بھائی نے سوائے دو کرسیوں کے پورے ڈرائنگ روم کا فرنیچر لاؤنج میں رکھوا دیا، کمرہ بہت بڑا اور کھلا لگنے لگا۔ عصر کے فوراً بعد ہی سب آنے لگے، ڈرائیو میں کمرہ بھر گیا، ہاشم بھائی، ظفر بھائی اور سرفراز بھائی کے ساتھ آئے، انہیں دیکھ کر میں جلدی سے ان سب کی طرف لپکا۔

”السلام علیکم ظفر چچا، ہاشم بھائی اور سرفراز بھائی، کیسے ہیں آپ سب، میں تو گاؤں سے واپس آنے کی وقت سے ہی آپ سب کا انتظار کر رہا ہوں۔“ میں نے جلدی جلدی ان سے ہاتھ ملائے، ظفر چچا نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگایا، پھر بڑی محبت سے میرا ہاتھ چوما، میری آنکھیں دیکھ کر سرفراز بھائی نے آگے بڑھ کر میرا کندھا تھپتھپایا، پھر فوراً ہی میرا دھیان بٹانے کے لئے اپنے پیچھے آنے والے چند بزرگوں اور اپنے ہم عمر

ساتھیوں سے میرا تعارف بڑے شگفتہ انداز میں کروایا۔ ”علیکم السلام..... حضرات ان سے ملے، یہ ہیں ہمارے چڑیا کا سادل مگر شیر کا سا جگر رکھنے والے ہمارے فرحان میاں..... آپ ان کی ظاہری حالت پر مت جائیں، یہ چٹان کی طرح سخت اور لوہے کی طرح مضبوط ہیں، ایمان قبول کرنے کے بعد انہوں نے جس طرح ثابت قدمی دکھائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اور ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ایمان پر ہی ہم سب کا خاتمہ بالآخر کرے، آمین، تو آگے بڑھئے اور ہمارے اصول بھائی فرحان سے گلے مل کر ثواب دارین حاصل کیجئے۔“ سرفراز بھائی کی چھوٹی سی شگفتہ مگر اخلاص سے بھری ہوئی تقریر سن کر ان کے اور ظفر چچا کے سب ساتھی بڑی محبت سے مجھ سے ملے، ہمیشہ کی طرح سرفراز بھائی نے میرا دل پھر جیت لیا، میرے پاس کہنے کے لئے کوئی الفاظ ہی نہیں رہے، میں کہتا بھی کیا، بس مسکرا کر رہ گیا۔

”چلیں آئیں انگڑ اور دوستوں..... وہ دیکھئے ہاشم بھائی نے مائیک سنبھال لیا ہے، آئیے آگے بیٹھ کر انہیں سنتے ہیں۔“ سرفراز بھائی نے یہ کہا اور سب کو لئے ہوئے آگے جا کر بیٹھ گئے۔

”السلام علیکم بھائیو..... ساتھیو اور میرے قابل احترام بزرگوں..... آج مجھے یقین ہے کہ یہاں موجود سب ہی ساتھیوں کو یہ سن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ آج ہمارے درمیان ظفر چچا کے مسجد کے کئی ساتھی اور سرفراز بھائی کے چند نئے دوست موجود ہیں، میں ان سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی آتے رہیں گے، آئیے اب پیچھے ہٹتے جہاں بیان ختم ہوا تھا، وہیں سے کڑیاں ملا کر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ سب نے غزوہ موتہ کے بیان میں سنا تھا کہ غزوہ موتہ میں گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شش نفیس خود شرکت نہیں فرمائی تھی، مگر اس جنگ کو غزوہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے موتہ کے مقام کو اس طرح آپ کے

سامنے کر دیا کہ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا میدان کارزار آگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بعد ایک امر لشکر کی شہادت کا پورا حال صحابہ کرامؓ سے بیان فرما دیا۔ جیسا کہ آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ غزوہ موتہ جمادی الاول ۸ھ میں پیش آیا، اس غزوہ سے مسلمان واپس لوٹ کر مدینہ منورہ پہنچے تو ان کی واپسی کے ایک ماہ بعد جمادی الثانی ۸ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وادی القرئی، جس کا فاصلہ اس وقت دس دن میں طے کیا جاتا تھا، میں بنوقضاء کے کچھ لوگ فتنہ پھیلانے کے لئے جمع ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر پر حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو صحابہؓ کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھجوایا کہ قبائلیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے کمک بھیجی جائے، یعنی کہ کچھ اور صحابہؓ کو ہماری مدد کے لئے بھیجیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو دو سو آدمی دے کر حضرت عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا، وادی القرئی پہنچ کر پورے لشکر نے ایک ساتھ قبیلہ بنی قضاء پر حملہ کیا، کفار اس حملے سے مرعوب ہو کر بھاگ نکلے اور منتشر ہو گئے، عمرو بن العاصؓ نے عوف بن مالک انجلیؓ کو کفار کے میدان چھوڑ کر پسپا ہوجانے کی خبر دے کر مدینہ بھیجا اور خود کچھ دن وہاں قیام کر کے مختلف جوانب میں سواروں کو بھیجتے رہے، کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی قضاء کے لوگوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑ سکیں اور بھاگنے کی تمام راہیں بند ہو جائیں مگر اس انتظام کے باوجود بھی وہ مسلمانوں سے پہلے ہی ہلے میں ایسے خوفزدہ ہوئے کہ تھوڑی ہی دیر میں راہ فرار اختیار کر لی، عربی میں ”سلاسل“ زنجیروں کو کہتے ہیں، اسی لئے اس سریہ کو ذات السلاسل یعنی زنجیروں والی لڑائی کہتے ہیں۔

سرایہ ذات السلاسل کے بعد رجب ۸ھ میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو تین سو آدمیوں کا سالار بنا کر ساحل بحر کی طرف بھیجا جہاں سے قبیلہ جہینہ کی شرارتوں کی اطلاعات آرہی تھیں، اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطابؓ اور جابر بن عبد اللہؓ بھی تھے، جس وقت لشکر روانہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجوروں کا تھیلہ اعنایت فرمایا، پورا لشکر کھجوریں کھا کر گزارہ کرتا رہا، جس وقت یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو وہ درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر پانی میں تر کر کے کھانے لگے۔ جب یہ لوگ دریا کے کنارے پہنچے تو بھوک سے بہت بے چین تھے، اچانک ہی اللہ کی طرف سے ایک غیبی آئی اور دریا نے اپنے اندر سے ایک اتنی بڑی مچھلی نکال کر پھینک دی کہ پورا لشکر اسے اٹھا رہے دن تک کھاتا رہا، اسی دوران لشکر نے قبیلہ جہینہ کا رخ کیا مگر کفار انہیں دیکھ کر بھاگ گئے، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ جب اپنے لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مچھلی، جس کا نام غبر تھا، کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”یہ اللہ کی طرف سے رزق تھا، جو اس نے تمہارے لئے بھیجا تھا، اگر اس میں کا کچھ گوشت باقی ہو تو لاؤ۔“ صحابہؓ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غبر کا گوشت لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ نوش بھی فرمایا۔

”بھائیو اور بزرگو..... یہاں میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ سیرت کی کچھ کتابوں میں آپ کو اس سریہ کا نام سریہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے بجائے سریہ الخط بھی ملے گا، وہ اس لئے کہ جب کھجوریں ختم ہو گئیں اور صحابہ کرامؓ نے بھوک مٹانے کے لئے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھائے تو عربی میں کیونکہ درختوں پر سے پتے جھاڑنے کو خط کہتے ہیں، اسی لئے اس مہم کو سریہ الخط بھی کہا جاتا ہے۔“ ہاشم بھائی اتنا کہہ کر رے کے اور اپنے قریب رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا، ایک لمحے کے لئے انہوں نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں، پھر پانی پی کر دوبارہ شروع ہو گئے۔“

”بھائیو، ساتھیوں اور بزرگو..... یہ تھا سر یہ عمرو بن العاص اور سر یہ ابوعبیدہ بن جراح کا مختصر حال، اب آتے ہیں مسلمانوں کی اس عظیم فتح کی طرف، فتح الاعظم یعنی فتح مکہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے غزوہ بدر میں مٹھی بھر نبتے مسلمانوں کو مشرکین مکہ پر جو فتح عطا کی اور اصحاب بدر نے اللہ کی راہ میں ایسی جانبازی اور سرفروشی دکھائی کہ حاملین عرش یعنی فرشتے بھی ان پر عرش عرش کر اٹھے، یہاں تک کہ اسلام کے اس اولین غزوہ میں جو بھی ان کے سامنے آیا، خواہ باپ تھا یا بیٹا، بھائی تھا یا رشتہ دار، دوست تھا یا پڑوسی، بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقابلہ کیا اور اس کی گردن اڑانے میں ایک لمحہ کی دیر نہ کی، اس عظیم الشان کارنامے کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان سرفروشوں اور جانبازوں کو ”رضی اللہ عنہم ورضوانہ“ اور ”اولشک کتب فی قلوبہم الایمان“ کا زرین تمغہ ملا۔ اس اولین غزوہ میں فتح و نصرت نے مجاہدین اسلام میں ایک ایسی ایمانی روح پھونکی جو مکہ فتح ہونے کی بنیاد ثابت ہوئی۔ جس وقت قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں معاہدہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں، چنانچہ بنو بکر قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ رسول اللہ کے ساتھ ہو گئے، ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے ہی ان بن چلی آئی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ بنو بکر کا مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کی سر زمین میں داخل ہو گیا تو خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلے میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا، اس واقعے سے بنو خزاعہ میں سخت اشتعال پھیل گیا اور انہوں نے بنو بکر کے تین سرداروں ذویب، سلمیٰ اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے

قریب قتل کر ڈالا۔ حدیبیہ میں معاہدہ طے پا جانے پر فریقین ایک دوسرے سے بے خوف ہو گئے کہ اب قتل کا یہ سلسلہ مزید آگے نہیں بڑھے گا، مگر بنو بکر نے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ چکانے کے لئے یہ موقع غنیمت سمجھا اور ایک رات جب بنو خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمے و تیر پر سو رہے تھے تو بنی بکر نے ان پر اچانک شب خون مارا، یہ حملہ نوفل بن معاویہ دہلی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا، قریش میں سے ابن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمر، حویب بن عبد العزیٰ اور مرکز بن حفص نے خفیہ طریقے سے بنو بکر کی مدد کی، بنو خزاعہ کے لوگوں نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو وہاں بھی قتل کیا گیا، قریش نے اس حملے کے لئے بنو بکر کو نرنے کے لئے آدمی اور ہتھیار بھی دیئے، پھر انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ جب بنو خزاعہ کے لوگوں نے مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں پناہ لی تو بنو بکر اور قریش کے لوگوں نے انہیں یہاں بھی نہ چھوڑا اور گھر کے اندر داخل ہو کر انہیں مارا اور لوٹا، اس تمام قتل و غارت گری کے باوجود بنو بکر اور قریش یہی سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام واقعے کی اطلاع نہ ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوگی اور وہ یہ سمجھ گئے کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اس معاہدہ کو توڑا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا، ادھر عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے، عمرو بن سالم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر یہ عرض کیا۔ ”اے اللہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔“

”بھائیو، ساتھیو اور بزرگو..... عمرو بن سالم خزاعی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ہم آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حریف ہیں، اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ دادا کے حلیف تھے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بنو خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے، پھر آگے عمرو بن سالم خزاعی نے کہا۔ ”قریش نے آپ سے وعدہ خلائی کی اور آپ کے پختہ عہد اور بیان کو توڑ ڈالا، ان لوگوں نے چشمہ و تیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا اور مقام کراء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلا دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کے لئے نہ بلاؤں گا۔“

اور جب وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے، اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلہ خزاعہ کی تھی، اس تعلق کی بناء پر ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے، ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے، اس لئے آپ سے امید ہے کہ اپنے جانثاروں کی اور وفا شعاروں کی مدد فرمائیں گے۔ پس ہماری فوری مدد فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے کہ وہ ضرور ہماری مدد کو آئیں اور جب عباد اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کے لئے تیار ہو اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو۔“ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعات و اشعار سن کر فرمایا۔

”نصرت یا عمرو بن سالم“ اس کے بعد عمرو بن سالم سے دریافت فرمایا۔ ”کیا کل بنی بکر اس میں شریک تھے۔“ عمرو بن سالم نے کہا۔ ”نہیں، سب نہیں، بنو بکر میں سے صرف بنو نفاثہ اور ان کا سردار اس میں شریک تھے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا جس کے بعد یہ

وفد مکہ واپس ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ فرمایا، جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لیں۔

☆..... مقتولین خزاعہ کی دیت دی جائے۔
☆..... بنو نفاثہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔
☆..... معاہدہ حدیبیہ ختم کرنے کا اعلان کر دیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے جب قریش کو یہ پیغام پہنچایا تو ان کی طرف سے قرطعہ بن عمرو نے یہ جواب دیا۔

”نہ ہم مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ نفاثہ سے اپنے تعلقات منقطع کریں گے، ہاں معاہدہ حدیبیہ ختم کرنے پر ہم راضی ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد جیسے ہی قریش کا یہ جواب لے کر واپس ہوا تو ان کو اس بات کی ندامت ہوئی اور انہوں نے ابوسفیان کو فوراً تجدید معاہدہ اور صلح کی مدت کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ ادھر تو ابوسفیان تجدید معاہدہ کے لئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ خبر دی۔
”ابوسفیان مکہ سے صلح کی مدت کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے آ رہا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جب ابوسفیان مدینہ پہنچا تو سب سے پہلے وہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے ملاقات کرنے ان کے گھر گیا۔ ام المومنین ام حبیبہؓ سے مل کر جیسے ہی اس نے قریب پہنچے ہوئے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے فوراً بستر لپیٹ دیا اور ابوسفیان کو اس پر بیٹھنے سے منع کر دیا، ابوسفیان نے کچھ تعجب سے ان سے کہا۔
”اے بیٹی تو نے بستر کو لپیٹ دیا، کیا بستر کو میرے قابل نہ سمجھایا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟“
حضرت ام حبیبہؓ نے باپ کی بات سن کر یہ جواب دیا۔

نقوش و تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

پھر کر نہیں آتا جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے
جس کو انسان وطن اصلی سمجھتا ہے وہ درحقیقت وطن
اصلی کی طرف سفر کی ایک منزل ہے:..... آج کا انسان
وطن پرستی میں مبتلا ہے، اپنے گاؤں، اپنے شہر، اپنے ملک
کو وطن سمجھتا ہے، جب وہاں رہتا ہے تو اپنے آپ کو مقيم
اور اس سے باہر جاتا ہے تو مسافر کہتا ہے، لیکن اس مسکین
کو یہ خبر نہیں کہ دنیا کا وطن اصلی بھی سفر کی ایک منزل سے
زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، اس کا وطن اصلی کہیں اور ہے جس
کی طرف سے ہر وقت، ہر حال میں شعوری یا غیر شعوری
طور پر سفر کر رہا ہے۔

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے
انسان نے اپنی زندگی کے ہر دور میں مختلف جگہوں کو
اپنا وطن سمجھا ہے، مگر جب حالات بدلے تو معلوم ہوا کہ وہ
وطن نہیں تھا بلکہ وطن کی طرف سفر کی ایک منزل تھی۔
سب سے پہلے ماں کے پیٹ کو اس نے وطن سمجھا،
جہاں بطن مادر کی تین اندھیریوں میں اس کا مسکن تھا،

انقلابات جہاں، واعظ رب ہیں دیکھو!
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فاضل فاضل!
ہر انسان ہر وقت حرکت میں ہے:..... انسان بلکہ
پورا جہاں ہر وقت ایک حرکت میں ہے، جو چیز کی وقت
ساکن بھی نظر آتی ہے، غور سے دیکھو تو وہ اس وقت بھی
ایک خاص حرکت میں ہوتی ہے، حالات بدلتے ہیں،
صفات بدلتی ہیں، انسان اپنے سونے اور آرام کے وقت،
اپنے گھر میں قیام کے وقت اپنے آپ کو ساکن سمجھتا ہے
مگر درحقیقت وہ اس وقت بھی حرکت میں ہے۔
”حرکت“ اس کے وجود کا لازم ماہیت ہے۔

ہر انسان اپنا وطن اور گھر چھوڑنے کے بعد اپنے
آپ کو مسافر کہتا ہے، لیکن ذرا غور کرے تو یہ حقیقت اس
کے سامنے آجائے کہ وہ گھر میں بیٹھا ہوا بھی سفر ہی میں
ہے، زندگی کا ہر انسان اس کے سفر کا ایک قدم ہے، جو
برابر مسافت طے کر رہا ہے۔

نفس کی آمد و شد کہہ رہی ہیں غفلت کیش
کہ مثل برف ترا بہہ رہا ہے راس المال
اکبر مرحوم نے خوب فرمایا:
دل سے طاقت، بدن سے کس جاتا ہے

پر یہ فرمایا: ”اور تو میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، صرف اتنا کہتا
ہوں کہا گرتو اس کو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھ تو کر لے،
وہ یہ کہ مسجد میں جا کر پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی
تجدید اور صلح کی مدت کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں، یہ کہہ
کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔“

ابوسفیان حضرت علیؑ کا کہا ہوا سن کر مسجد میں آیا اور
بلند آواز میں پکار کر اتنا کہا کہ ”میں عہد کی تجدید اور صلح کی
مدت بڑھاتا ہوں۔“ اور وہاں سے مکہ کی طرف چلا گیا۔
ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور قریش سے سارا واقعہ
بیان کیا تو قریش نے اس سے پوچھا: ”کیا محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا۔“
ابوسفیان کے انکار پر قریش مزید بولے۔

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا مندی اور
اجازت کے بغیر تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گے تو نہ تو صلح
کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر
لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔“

ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کے سفر کی تیاری، سامان
سفر اور جنگ درست کرنے کا حکم دیا اور اس پاس کے
قبائل کو بھی کہلا بھیجا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔
اسی دوران حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اہل مکہ کے نام ایک
خط لکھا اور خفیہ طریقے سے ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو
مکہ روانہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی
کے ذریعے اس بات کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت علیؑ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو مکہ کی
طرف روانہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا۔

”تم برابر چلتے جاؤ، یہاں تک کہ روضہٴ خاخ میں تم
کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی، اس کے پاس
مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے وہ
اس سے لے آؤ۔“

(جاری ہے)۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اس پر ایک مشرک جو
شُرک کی نجاست سے آلودہ اور نجس ہو، وہ نہیں بیٹھ سکتا۔“
نبیؐ کی یہ بات سن کر ابوسفیان خاموشی سے وہاں
سے اٹھ کر مسجد نبویؐ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں عرض کیا۔

”میں قریش کی طرف سے معاہدہ کی تجدید کرنے
اور صلح کی مدت کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بات کا کوئی
جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ بارگاہ رسالت سے
جواب نہ ملنے پر ابوسفیان وہاں سے اٹھا اور حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے کہا کہ وہ اس کی
سفارش کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس
کی بات پر فرمایا: ”میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

اس کے بعد ابوسفیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے
پاس پہنچا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: ”اللہ اکبر میں
تیری سفارش کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوں؟ اگر دنیا میں مجھے کوئی بھی ساتھی
میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔“ یہ سن کر
ابوسفیان بالکل خاموش ہو گیا، اب وہ حضرت علیؑ کے پاس
پہنچا اور ان سے کہا: ”اے ابوالحسن آپ ہم سے قربت
میں سب سے قریب ہیں، میں ایک شدید ضرورت سے
آیا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ جاؤں، لہذا آپ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش فرما دیجئے۔“
حضرت علیؑ نے ابوسفیان کی بات سنی اور اس سے فرمایا:
”اللہ کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں
کچھ ارادہ فرمایا ہے، اس لئے اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ
اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ سکے۔“
ابوسفیان حضرت علیؑ سے یہ سن کر کچھ دیر تو خاموش رہا پھر
ان سے بولا: ”معاہدہ سخت ہو گیا ہے، مجھ کو کوئی تدبیر
بتلائیے۔“ حضرت علیؑ نے ابوسفیان کے اس طرح کہنے

جہاں ہوا کا اچھا انتظام، نہ روشنی کا ذکر، گند خون ان کی بہترین غذا، ورا یک گندی جھلی عمدہ لباس تھا، کچھ دنوں کے بعد جب قدرت نے وہاں سے نکالا تو صاحبزادے ترک وطن کے صدمے میں روتے ہوئے اس جہاں میں تشریف لائے۔

ایک نیا جہان سامنے آیا، وسیع فضائی، روشنی اور ہوا ملی، خون کے بجائے دودھ ملا، عمدہ کپڑے ملے، راضی ہو گئے اور اب اس کو اپنا وطن کہنے لگے، یہاں سے کہیں جانے کے لئے تیار نہیں۔

کچھ اور وقت گزرا، گھر سے باہر نکلے، دوسرے مکانات اور طرح طرح کے سامان دیکھے تو گھر سے زیادہ دلچسپی ان چیزوں کے ساتھ ہونے لگی۔

اسی طرح جوں جوں زندگی کے مختلف ادوار میں گزرتا رہا، اس کی ہر منزل کو اپنا وطن مألوف سمجھتا رہا اور پہلے وطن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا، شاید ایسے ہی حالات سے متاثر ہو کر حماسہ کے شعراء میں سے ایک شاعر نے کہا ہے۔

لا یمنعک خفض العیش فی دعة
نزوع نفس اهل و اوطان
تجد بکل بلاد ان حلت بها
اهلا باهل و جیرانا بجیران
مگر اس ابھی ہوئی ڈور کا سرا اس کو بھی ہاتھ نہ آیا کہ حقیقت تک پہنچتا، اور ادوار زندگی کے انقلاب کی تہہ میں یہ دیکھ لیتا کہ اس ساری نقل و حرکت کی ڈور کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے، وہی اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جا رہی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے "لنربکین طبعا عن طبق" کے ایک جملہ میں اشارہ فرما دیا ہے، جس میں قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ انسان ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف ترقی کرتا رہے گا، قرآنی حقائق سے غفلت برتنے والے نا حقیقت شناس انسان کی

ساری زندگی کا حاصل یہ رہتا ہے کہ مسافر ہوں، کہاں جانا ہے، نا واقف ہوں منزل سے ازل سے پھرتے پھرتے گورتے پہنچا ہوں مشکل سے عقل کی بات یہ ہے کہ یہ ہمہ وقت متحرک اور مسافر انسان اس حقیقت پر غور و فکر میں اپنی پوری توانائی صرف کرے کہ

کس کا خیال، کون سی منزل نظر میں ہے؟ صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے! اس وقت اس کو معلوم ہوگا کہ ہم جن جن مقامات کو وطن سمجھتے اور ان کے لئے لڑتے بھڑتے آئے ہیں، وہ سب کے سب ہمارے سفر کی مختلف منزلیں تھیں، نہ ہم اس ملک کے باشندے (نیٹل) ہیں، نہ یہاں ہمیں ہمیشہ کے لئے رہنے دیا جائے گا، مختلف مدتوں کے ویز مختلف لوگوں کو ملے ہوئے ہیں، ان کے ختم ہوتے ہی بلا ایک منٹ کی تاخیر کے ان کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ اذاجاء اجلهم لا یستأخرون ساعة ولا یستقدمون۔

یعنی جب ان کا وقت معین آپہنچے گا تو ان کو لحد بھر کے لئے نہ مقدم کیا جائے گا اور نہ موخر، اور ہر شخص ارادی یا غیر ارادی طور پر اپنے وطن اصلی میں پہنچا دیا جائے گا جس کا قرآنی نام "دارالآخرۃ" ہے۔

اس وقت معلوم ہوگا کہ اس وطن اصلی سے اس کو سفر اس لئے کرایا گیا تھا کہ دوسرے ملک سے اپنی دائمی زندگی کا سامان جمع کر لائے، جس کے طریقے کا بھی اسی دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے، آسمانی کتابوں سے، انبیاء علیہم السلام کے نائب علماء و مشائخ سے کھول کھول کر اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہاں سے سامان منتقل کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہوگا کہ کھانے پینے کی چیزیں، اوڑھنے بچانے کا سامان گٹھڑیاں باندھ کر لے جاؤ، بلکہ روحانی اسٹیٹ بینک کے ذریعے دوسرے ملک کا نقد (آکھنچ) حاصل کرو، اس کے ذریعے اپنے اصلی وطن

میں سارے سامان مہیا ہوں گے، جس کی پوری پوری ذمہ داری سب اسٹیٹ (حکومت) پر ہوگی۔

وطن کی تین قسمیں:..... یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز وطن پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

☆..... ہر شخص کے تین وطن ہیں، ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی

☆..... وطن جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔

☆..... وطن ایمانی مومن کا مدینہ طیبہ ہے، جہاں سے اس کو نور ایمانی ملا۔

☆..... وطن روحانی جنت ہے، جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا اور پھر پھر اکرو ہیں جانا ہے۔

اس تمہید طولانی کا حاصل اپنے نفس غفلت کیش کو تنبیہ اور طالبین حق کے لئے نصیحت و عبرت کا ایک پہلو سامنے لانا تھا۔

بات کہیں سے کہیں چلی گئی، زیر نظر تحریر کا مقصد اپنے وطن اصلی دیوبند کو ترک کرنے کے تیرہ سال بعد پھر وطن کی طرف ایک سفر کا سفر نامہ لکھنا تھا، جو میرے لئے اپنے ادوار زندگی کی چلتی پھرتی تصویروں کا البم یا عبرتوں کا مرقع ہے، شاید دوسرے دیکھنے سننے والوں کے لئے بھی مفید ثابت ہو، سنئے!

قصہ دیوبند اور دارالعلوم کے مختصر حالات دیوبند؟ دیوبند کیا ہے؟ ایک چھوٹا سا قصبہ ضلع سہارنپور کا جس کو نہ جغرافیائی اور عمرانی حیثیت سے کوئی خاص شہرت حاصل ہے، نہ تجارتی یا صنعتی اعتبار سے، ہاں! اس خوش نصیب خطہ زمین میں علوم اسلامیہ کا ایک عظیم الشان دارالعلوم ہے جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد علوم اسلامیہ کو اپنی اصل صورت میں باقی رکھنے کے لئے ایک گوشہ خمول کی حیثیت میں قائم کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن قبول عطا فرمایا اور مرکز علوم بنا دیا،

اور اس سے پیدا ہونے والے رجال اللہ اس آخری صدی کے مجدد و ثابت ہوئے، اس طرح دیوبند اس دور انحطاط میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک پناہ گاہ بن گیا۔

دیوبند کا نام اس دارالعلوم سے چمکا اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچا، یہ ادارہ دن میں علوم اسلامیہ کی ایک درس گاہ تھی اور رات میں ذکر و شغل حضرات کی خانقاہ۔

میرے والد ماجد مرحوم جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی ان کا سن ولادت اور دارالعلوم کا سن تعمیر ایک تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جبکہ اس کے دربان سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔ احقر نے اسی مبارک سرزمین پر آنکھ کھولی۔

بلاد بہا حل الشباب تمیمی
واول ارض مس جلدی ترابھا
(یہ شہر ہے جس میں شباب نے میرے گلے کے تعویذ کھولے، اور پہلی زمین ہے جس کی مٹی میرے بدن کو لگی۔)

اسی میں بچپن سے بچپن تک کے تمام ادوار زندگی طے کئے، میرا وطن کہنے کو تو دیوبند تھا، لیکن درحقیقت اس کا بھی ایک گوشہ یعنی دارالعلوم تھا، اسی میں طفلانہ کھیل کود کا وقت گزرا، اسی میں سولہ سال تعلیم پائی، اسی میں چھبیس سال تعلیم اور فتوے کی خدمت انجام دی۔

ترک وطن کا سبب تحریک پاکستان:..... عمر کا بہت بڑا حصہ اسی بسم اللہ کے گنبد میں گزارنے کے بعد ملک کی تحریک آزادی نے ایک نیا رخ بدلا، مسلم لیگ نے پاکستان کی تجویز کو آگے بڑھایا، میں اس سے پہلے ملکی سیاسیات سے اس لئے مجتنب تھا کہ ہندو مسلمان کی مشترک حکومت کا انجام صحیح سمجھ میں نہ آتا تھا، مسلمانوں کی مستقل حکومت کا نعرہ سن کر اصول فکر صحیح نظر آیا، گورجال کار سے اختلاف مذاق بھی تھا، کچھ عرصہ غور و فکر کے بعد سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے

مشورے اور ایماء سے اس میں حصہ لینا اور مقدور بھر کوشش کرنا طے کر لیا۔ اس کے نتیجے میں دارالعلوم کے اندر کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاست نگرانی، دارالعلوم کا وجود و بقاء و استحکام سب کے لئے واجب التقدیم تھا جو باہمی اختلافات کی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا تھا، اس لئے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی معیت میں دارالعلوم سے مستعفی ہو گیا اور اب وقت فارغ ملا۔ ۱۹۳۶ء و ۱۹۳۷ء تک تحریک پاکستان کی جدوجہد میں مدراس سے لے کر پشاور تک اور دوسری طرف کراچی تک ملک کا گوشہ گوشہ چھان مارا، بالآخر پاکستان وجود میں آیا تو اس کی محبت اور اس میں پیش آنے والی دینی اور علمی ضرورتوں کے تصور نے ترک وطن کے جذبات دل میں پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

دیوبند جو میرے لئے صرف وطن جسمانی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے لائے ہوئے علوم کے ایک مرکز کی حیثیت سے وطن ایمانی بھی تھا، اس وقت عمر عزیز کے تریپن سال اسی میں گزرے، اسی میں بال سفید ہوئے، کبھی ایک مہینے سے زائد اس سے غیر حاضر نہ رہا، صرف ۱۳۳۶ھ کے پہلے حج میں ڈھائی ماہ دیوبند سے باہر رہنے کی نوبت آئی تھی اور وہ بھی میرے لئے انتہائی مجاہدہ تھا، اس کی فطری محبت کا یہ عالم کہ جب کبھی وطن سے سفر ہوتا تو مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا تھا۔

تلفت نحو الحی حتی وجدتنی
وجعت من الاصفاء لیتا واخذعا
ترجمہ:..... میں نے وطن کی طرف مڑ مڑ کر اتنا دیکھا کہ میری گردن کی رگیں دکھنے لگیں۔

ایک طرف وطن مالوف کی محبت کا گہرا نقش، عیال کی کثرت، مالی وسائل کا فقدان زنجیر پابنے ہوئے ملنے کی اجازت نہیں دیتے، دوسری طرف یہ نیا ملک پاکستان جو مدتوں کی تمنا اور ہزاروں کوششوں اور محنتوں کے بعد وجود میں آیا، اس کی طرف جانے اور وہاں اس ملک کو صحیح

معنی میں اسلامی ملک بنانے کے لئے جدوجہد کا جذبہ ترک وطن پر مجبور کر رہا تھا۔

ایک اور انجوبہ قدرت یہ تھا کہ میں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے جدی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنے پانچ بچوں کے ساتھ نہایت تنگی سے گزارا تھا، اس دور انقلاب سے چند سال پہلے حق تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع فرمادیئے کہ جدی مکان کے عقب میں ایک افتادہ زمین خرید کر اپنا نیا مکان دو منزلہ اپنی مرضی اور ضروریات کے مطابق بنالینے میں کامیابی حاصل ہو گئی، ساتھ ہی فارغ اوقات یکسوئی سے گزارنے کے لئے شہر کے قریب ایک باغچہ اپنے ہاتھ سے لگایا، عجیب اتفاق تھا کہ جس سال میں مکان کی تعمیر مکمل ہوئی، اسی سال میں باغ پر پہلا پھل نمودار ہوا، یہی وہ وقت تھا جب ترک وطن کا جذبہ دل میں ابھر رہا تھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے نام پر اس دار و دیار اور گھر اور باغ کو چھوڑ کر پاکستان جانے کا فیصلہ جمادی الثانیہ ۱۹۶۷ھ اپریل ۱۹۶۸ء میں کر لیا گیا، اپنے ساتھ صرف غیر شادی شدہ بچے اور ان کی والدہ تھی اور گھریلو سامان میں سے صرف بدن کے کپڑے اور علمی سامان میں سے صرف اپنے مسودات، باقی سب عیال اور سامان اور کتب خانہ دیوبند میں چھوڑ کر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۶۸ء کو وہاں کے لئے روانہ ہو گیا، وہاں سے براہ وجود چور، کھوکھرا پار کراچی پاکستان میں منتقل ہو گیا، پاکستان میں ایسے مقامات بھی تھے جو اپنے وطن سے قریب، ہوا فضاء کے اعتبار سے ملتے جلتے تھے، مگر تقدیر ازیلی میں ہماری جگہ اس مقام میں لکھی تھی جو وطن کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بعید علاقہ تھا، وطن سے نکلے بھی تو کہاں پہنچے، مجھ جیسے کم ہمت، مبتلائے حب وطن کے لئے جس کو ابھی ابھی مرضی کے مطابق گھر نصیب ہوا اور اپنے لگائے ہوئے باغ کا پہلا پھل اپنی ابتدائی حالت میں نمودار ہوا، یہ وقت بہت ہی صبر آزمایا تھا اور کسی طرح اندازہ نہ تھا کہ

اس عظیم انقلاب کو برداشت کر سکوں گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ اس نے اسی وقت میرے قلب کو ان سب چیزوں سے ایسا بے نیاز بنا دیا کہ حیرت ہو گئی، جس وقت میں نے مکان سے قدم نکالا، مکان میرے دل سے نکل گیا۔ حسن اتفاق یہ کہ یہ ہجرت اس وقت ہوئی جبکہ میری عمر تریپن سال کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہجرت نبوی کی سنت کا اتباع نصیب فرمایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف بھی بوقت ہجرت تریپن ہی سال کا تھا۔

کراچی میں قیام:..... نقل وطن کے بعد ایک نئے ملک، نئے ماحول وطن اصلی سے بہت دور اور اس کی آب و ہوا سے بے حد مختلف شہر کراچی میں ایک ایسے مکان میں قیام کیا، جہاں آسمان صرف درتپے سے نظر آ سکتا تھا اور وہ بھی ایک مہربان نے رہنے کے لئے دے دیا تھا، جس کے ہر وقت ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ لگا ہوا تھا، جاننے پہچاننے والے گئے چنے چند نفوس تھے، ہر طرف بیگانگی ہی بیگانگی کا دور دورہ تھا، جو بچے ساتھ تھے، وہ اتنے چھوٹے کہ بازار کی ضروریات بھی ان کے سپرد نہ کر سکتا تھا، راستہ معلوم نہیں، بازار کا اندازہ نہیں، گھر میں کوئی سامان نہیں، ہر چیز خریدنے بنانے کی ضرورت سامنے، باقی ماندہ عیال اور ضعیف بیوہ والدہ ماجدہ کی مفارقت سے دل زخمی۔

مگر شکر ادا نہیں ہو سکتا اپنے مالک کا کہ اس نے ہر قدم پر دیکھ بھری فرمائی، اور ان حالات میں بھی عیال اور والدہ ماجدہ کی فکر تو ہوئی مگر مکان، باغ اور جائیداد کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے چھ ماہ کے اندر یہ مشکل بھی حل کر دی کہ والدہ ماجدہ اور باقی عیال بھی کراچی پہنچ گئے، پھر آہستہ آہستہ دوسرے اعضاء و احباب بھی کراچی پہنچ گئے اور کراچی نے وطن اصلی کی جگہ لے لی، اب ہم اس کو وطن کہنے لگے، یہاں اپنا مکان بنانے کی تجویز ہونے لگی، سات سال مختلف کرایہ کے مکانوں

میں کہیں راحت سے، کہیں تکلیف سے گزر گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع جگہ لیبیلہ ہاؤس پر مکان بنانے کے لئے عطا فرمادی اور وطن کے چھوڑے ہوئے مکان سے اور اپنے ارادہ اور خیال سے کہیں بہتر اور وسیع مکان بن گیا۔ آیت قرآنی ”ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراعماً کثیراً وسیعاً“ (جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں وسعت اور فراخی پائے گا۔)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ”لبنو نھم فی الدنیا حسنة“

(ہم مہاجرین کو دنیا میں (بھی) اچھا ٹھکانا دیں گے۔)

یہ تو وطن اور مکان کا افسانہ تھا، جس کے لئے انسان اپنی توانائی اور ساری فکر خرچ کرتا ہے اور اچھے برے معاملات کو اختیار کرتا ہے، نیرنگ قدرت نے آنکھوں سے دکھلادیا کہ یہ سب چیزیں خواب و خیال ہو گئیں اور عقل و شرع نے ہدایت فرمائی کہ جس ماحول میں اب نئی زندگی گزر رہی ہے اس کی بھی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کہ چند روز کے بعد یہ بھی خواب و خیال ہو جانے والی ہے۔

قیام کراچی کے نئے مشاغل:..... کراچی میں یہ تیرہ سالہ زندگی کن مشاغل میں گزری، اس کی داستان طویل ہے، یہ مختصر سفر نامہ اس کا محل نہیں لیکن اتنا اظہار ناگزیر ہے کہ یہاں پہنچنے کے بعد دو چیزیں مقصد زندگی بن گئیں، اول پاکستان میں اسلامی دستور قانون اور نظام اسلامی کے نفاذ کی کوشش، دوسرے اس طرف علوم دینیہ کا کوئی مدرسہ کراچی کے شایان شان نہ ہونے کے سبب یہاں کے مناسب حال ایک مدرسہ کا قیام اور تیسری چیز خدمت فتویٰ ہے جو ہر جگہ ساتھ لگی ہی رہتی ہے، جہاں بیٹھتا ہوں وہی ایک دارالافتاء ہو جاتا ہے۔

..... (جاری ہے).....



حفاظت کا خاص عمل

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

خواتین اپنے شوہر، بچوں اور گھر کو شیاطین کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اگر ان اذکار اور اعمال کو اپنا شعار بنالیں تو فرشتے ان کی حفاظت پر مامور ہو جائیں اور وہ جن و انس کے شر سے مامون رہیں۔ صبح و شام ایک ایک مرتبہ ذیل کے کلمات پڑھیں تو جن و انسان کے شر سے حفاظت ہوتی ہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه وعقابه وشر عبادہ ومن همزات الشیاطین وان یحضروں (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 217)

اور ہر فرض نماز کے بعد ”قل یا ایہا الکفرون، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس“ پڑھیں۔

حفاظت کے لئے ان کلمات کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا بہت ضروری ہے، کئی جگہ مال و اسباب کی ہلاکت کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق پوری طرح زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی، اس لئے زکوٰۃ پوری طرح ادا کرنے کا اہتمام کریں اور دوسرے کسی مسلمان کا کوئی اور جانی یا مالی حق بھی ہرگز نہ دبائیں کہ جس کی بناء پر آپ اس کی بددعا کے مستحق ٹھہریں اور وہ بددعا آپ کی جان و مال کے نقصان کا سبب بنے۔

اس طرح جادو کے اثر سے بچنے کے لئے یہ دعا ایک مرتبہ روزانہ پڑھیں:

اعوذ بوجه اللہ العظیم الذی لیس شیئ اعظم منه و بکلمات اللہ التامات الی لا یجاوزہن بر ولا فاجر وباسماء اللہ الحسنی ما علمت منها و ما لم اعلم من شر ما خلق و برا و ذرا

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ دعا نہ پڑھتا تو یہودی مجھے (جادو کے زور سے) گدھا بنا دیتے۔ (موطا امام مالک صفحہ 723)

ترجمہ: ”میں اللہ کی عظیم ذات کے ذریعے پناہ چاہتی ہوں، جس سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز نہیں اور اللہ کے پورے کلمات کے ذریعے جن کے آگے نہ کوئی نیک بڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی برا اور اس کے تمام اسمائے حسنی کے ذریعے جن کو میں جانتی ہوں اور جنہیں میں نہیں جانتی میں ان کے ذریعے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں، اس کی تمام مخلوقات کی برائی سے۔“

اور جنات کی شرارت سے بچنے کے لئے ایک مرتبہ روزانہ یہ پڑھیں:

اعوذ بوجه اللہ الکریم و بکلمات اللہ التامات الی لا یجاوزہن بر ولا فاجر من شر ما یُنزل من السماء ومن شر ما یُخرج فیہا وشر ما ذرأ فی الارض و شر ما یخرج منها ومن فتن اللیل والنهار و من طوارق اللیل والنهار الاطارقا یطرق بخیر یا رحمن

اس دعا کے پڑھنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے آنے والا جن منہ کے بل گر پڑا۔ (موطا امام مالک صفحہ 722)

ترجمہ: ”میں اللہ کی کریم ذات کے ذریعے پناہ چاہتی ہوں اور اللہ کے پورے کلمات کے ذریعے جن کے آگے نہ کوئی نیک بڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی برا، ان تمام چیزوں کے شر سے جو آسمان سے نازل ہوں اور ان تمام چیزوں کے شر سے جو آسمان پر چڑھیں اور ان تمام

چیزوں کے شر سے جو اس نے زمین میں پیدا کی ہیں اور ان تمام چیزوں کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہیں اور رات اور دن کے فتنوں سے اور رات اور دن کو اترنے والی چیزوں سے مگر وہ چیزیں جو خیر کے ساتھ اتریں اسے رحم کرنے والے!“

جادو سے بچنے کی چند احتیاطی تدابیر:

☆..... مدینہ منورہ کی بجوہ کھجور کے سات دانے صبح نہار منہ کھالیں، اگر مدینہ منورہ کی بجوہ کھجور نہ ملے تو کسی بھی شہر کی بجوہ کھجور استعمال کر سکتے ہیں، حدیث نبوی ہے: ”جو شخص بجوہ کھجور کے سات دانے صبح کے وقت کھالیتا ہے، اسے زہر اور جادو کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“ (بخاری جلد 2 صفحہ 859)

☆..... دوسری احتیاطی تدابیر وضو، کیوں کہ با وضو مسلمان پر جادو اثر انداز نہیں ہو سکتا اور وہ فرشتوں کی حفاظت میں رات گزارتا ہے، ایک فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ جب بھی کروٹ بدلتا ہے، فرشتہ اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہتا ہے: ”اے اللہ! اپنے اس بندے کو معاف کر دے کیونکہ اس نے طہارت کی حالت میں رات گزاری ہے۔“ (مجمع الزوائد جلد 1 صفحہ 312 رقم 1146)

☆..... مردوں کے لئے باجماعت نماز کی پابندی، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پابندی کی وجہ سے انسان شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں سستی برتنے کی وجہ سے شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے اور جب وہ غالب آ جاتا ہے تو اس میں داخل بھی ہو سکتا ہے اور اس پر جادو بھی کر سکتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”کسی بستی میں جب تین آدمی موجود ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر غالب آ جاتا ہے، سو تم جماعت کے ساتھ رہا کرو، کیونکہ بھیڑ یا اسی بکری کا شکار کرتا ہے جو یوز سے الگ ہو جاتی ہے۔“ (الترغیب والترہیب جلد 1 صفحہ 166)

☆..... قیام لیل: (یعنی رات کو اللہ کی عبادت کرنا) جو شخص جادو کے اثر سے بچنے کے لئے قلعہ بند ہونا چاہے، اسے قیام لیل ضرور کرنا چاہئے، کیوں کہ اس میں کوتاہی کر کے انسان خود بخود اپنے اوپر شیطان کو مسلط کر لیتا ہے اور اس کے مسلط ہونے کی صورت میں اس کے لئے جادو کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہتا ہے اور قیام لیل کے لئے بیدار نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔" (الترغیب والترہیب جلد 1 صفحہ 250)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: "جو شخص وتر پڑھے بغیر صبح کرتا ہے اس کے سر پر ستر ہاتھ لمبی رسی کا بوجھ پڑ جاتا ہے۔" (فتح الباری جلد 3 صفحہ 25)

☆..... بیت الخلا میں جاتے ہوئے اس کی دعا پڑھنا، تاپاک جگہ پر شیطان کا گھر اور ٹھکانہ ہوتا ہے، اس لئے اس میں کسی مسلمان کی موجودگی کو شیطان غیبت تصور کرتے ہیں اور مجھے خود ایک شیطان جن نے بتایا تھا کہ وہ ایک شخص میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا، جب اس نے بیت الخلا میں جاتے ہوئے دخول خلا کی دعا نہیں پڑھی تھی۔ ایک اور جن نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک طاقتور اسلحہ عطا کیا ہے جس کے ذریعے تم ہمارا خاتمہ کر سکتے ہو، میں نے کہا: وہ کیا ہے؟ تو اس نے جواباً کہا کہ وہ مسنون اذکار ہیں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللہم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ (بخاری جلد 2 صفحہ 936)

☆..... نماز شروع کرتے وقت شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع

میں یہ دعا پڑھتے ہوئے دیکھا: "اللہ اکبر کبیرا، اللہ اکبر کبیرا، اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرة واصیلا" (تین مرتبہ) اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ نفثہ وھمزہ (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 78)

☆..... سونے سے پہلے وضو کر لیں، پھر آیت الکرسی پڑھ لیں اور اللہ کو یاد کرتے کرتے سو جائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ شیطان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: "جو شخص سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے صبح ہونے تک ایک فرشتہ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور شیطان اس کے قریب نہیں آسکتا۔" یہ بات جب ابو ہریرہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے سچ کہا ہے، حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔" (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 185)

☆..... نماز فجر کے بعد یہ دعا سومرتبہ پڑھیں: "لا اہد الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیور" حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی یہ دعا سومرتبہ صبح کے وقت پڑھ لیتا ہے، اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے لئے سونکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس سے سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور شام ہونے تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔" (بخاری جلد 2 صفحہ 947)

حضرت عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص فجر کی نماز کے بعد (جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اسی طرح) دو زانو بیٹھے ہوئے بات کرنے سے پہلے دس مرتبہ (یہ کلمات) پڑھتا ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ عصر کی نماز کے بعد بھی دس مرتبہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، دس درجہ بلند کر دیئے جاتے ہیں، پورے دن

ہر ناگوار اور ناپسندیدہ چیز سے محفوظ رہتا ہے، یہ کلمات شیطان سے بچانے کے لئے پہرہ داری کا کام دیتے ہیں اور اس دن شرک کے علاوہ کوئی گناہ اسے ہلاک نہ کر سکے گا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہر کلمہ پڑھنے پر اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور عصر کی نماز کے بعد پڑھنے پر بھی رات بھر وہی ثواب ملتا ہے جو فجر کے نماز کے بعد پڑھنے پر دن بھر ملتا ہے۔" (کنز العمال جلد 2 صفحہ 66، 65)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی ذات و صفات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، سارا ملک دنیا اور آخرت کا اسی کا ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام تر بھلائی ہے اور جتنی خوبیاں ہیں وہ اسی کے لئے ہیں اور وہ چیز پر قادر ہے۔"

☆..... مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں: "اعوذ باللہ العظیم وبوجہہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم" (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 72)

اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی یہ دعا پڑھ لیتا ہے، شیطان اس کے متعلق کہتا ہے، یہ آج کے دن مجھ سے محفوظ ہو گیا۔"

☆..... صبح و شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھیں: "بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السميع العلیم" (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 209)

☆..... گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھیں: "بسم اللہ توکل علی اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کیوں کہ یہ دعا پڑھنے سے آپ کو یہ خوشخبری (اللہ کی طرف سے) ملتی ہے:

"یہ دعا تجھے کافی ہے، تجھے بچالیا گیا ہے اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے اور شیطان تجھ سے دور ہو گیا ہے۔" اور دوسرے شیطان سے کہتا ہے، تو اس آدمی پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے جب کہ اسے ہدایت دے دی

گئی ہے اور اس کی حفاظت کر دی گئی ہے اور اسے بچالیا گیا ہے؟" (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 215)

☆..... صبح و شام یہ دعا پڑھا کریں: "اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق" (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 213)

سو یہ ہیں وہ احتیاطی اقدامات جنہیں اختیار کر کے انسان ہر قسم کے جادو سے عموماً قلعہ بند ہو سکتا ہے، بشرطیکہ وہ مخلص ہو اور اس علاج پر اس کو یقین کامل حاصل ہو۔

☆.....☆.....☆

حفاظت قرآن

☆..... ایک شخص نے یہ جانچنا چاہا کہ کون سا دین صحیح ہے، وہ عمدہ اور خوش خط کا تب بھی تھا، اس کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تورات، انجیل اور قرآن کریم کی انتہائی خوبصورت کتابت کی، تاہم درمیان میں کمی بیشی بھی کر دی، پھر تورات کو لے کر علمائے یہود کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور خوبصورت کتابت پر اسے انعام سے نوازا، انجیل کا نسخہ عیسائی پادریوں کے پاس لے کر گیا، انہوں نے اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بڑی رقم دے کر اس خوش خط نسخے کو خریدا، اس کے بعد قرآن کریم کا نسخہ علمائے اسلام کی خدمت میں لایا، انہوں نے جب اس میں کمی بیشی دیکھی تو پکڑ کر اس کی ٹھکانی کر دی اور اسے حاکم کے پاس لے گئے، حاکم نے "تحریف قرآن" کے جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا، تب اس نے اصل حقیقت بتائی اور کہا کہ الحمد للہ میں مسلمان ہوں، لیکن میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کون سا دین صحیح اور محفوظ ہے اور میرے اس تجربے سے ثابت ہو گیا کہ دین اسلام ہی ایک محفوظ دین ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی تحریف نہیں کر سکتا۔

☆.....☆.....☆

خواتین اور دین کی خدمت



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مسٹر (N.L. COULESEN) لکھتے ہیں:

..... ”بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے معاملے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملے میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کا مظہر ہیں..... اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اسے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرتا ہے۔“

”مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا“ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:..... ”مذہب اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا، جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متونی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہو گئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہو گیا کہ وہ اسے وہ سب چیزیں دے دے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں۔“

اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم اور شاعری

”آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو مذہب اسلام پر اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ یہ محدود تعداد ازواج کو جائز قرار دیتا ہے، لیکن آپ کو میری وہ تنقید نہیں بتائی جانی جو میں نے لندن کے ایک ہال میں تقریر کرتے ہوئے کی تھی، میں نے سامعین سے کہا تھا کہ یک زوجگی کے ساتھ وسیع پیمانہ پر زنان بازاری کی موجودگی ”نفاق“ ہے اور محدود تعداد ازواج سے زیادہ ذلت آمیز ہے، قدرتی طور پر اس قسم کے بیانات کا لوگ برا ماننے ہیں، لیکن اسے بتلانا ضروری ہے، کیونکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جا رہے تھے، یہ سب سے منصفانہ قانون تھا..... جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائیداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں مغرب سے کہیں آگے تھا اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعداد ازواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے، جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔“

سے دلچسپی لینے لگیں اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقہ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالک کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں، ماں کی عزت کی جانے لگی۔“

پیدائش نو اور انقلاب عظیم: قرآنی آیات اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں عورتوں کے مقام کے بارے میں یہ نیا نقطہ نظر گویا انسانی دنیا میں نوع نسواں کی نئی پیدائش کا حکم رکھتا تھا، کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس میں اور یا تو حیوان یا کسی بے جان چیز میں فرق نہ تھا، وہ زندہ فون کردی جاتی تھی، رہن رہی جاتی یا کسی محل کی گڑیا سمجھی جاتی تھی، اس صورتحال میں یہ انقلابی تعلیمات تمدن اور اخلاق، خانگی اور ازدواجی زندگی میں ایک مبارک اتفاق کی حیثیت میں سامنے آئیں، جن کا کم و بیش سبھی ملکوں اور معاشروں نے استقبال کیا، خاص طور پر ان ملکوں نے جہاں اسلام فاتحانہ داخل ہوا یا اسے حکومت و انتظام کا موقع ملا، یا جہاں وہ ایک اصلاحی دعوت اور عملی نمونہ کے طور پر پہنچا، اسلام کے اس انسانی تحفہ کی قدر و قیمت ان ملکوں میں بالکل ظاہر ہے، جہاں بیوائیں اپنے کو اپنے متونی شوہروں کی چتا میں جلا ڈالتی تھیں اور نہ معاشرہ ان کو شوہروں کے بعد زندہ رہنے کا حق دیتا تھا اور نہ وہ خود اپنے کو اس کا حقدار سمجھتی تھیں۔

مسلمان بادشاہوں نے اپنے وقت میں بعض ہندوستانی رسم و رواج اور خاص طور پر ”ستی“ کی رسم کی اس طرح اصلاح کی کہ دینی عقائد اور ہندوستانی روایت کو نہ نقصان پہنچے اور نہ ان کی بے حرمتی ہو، اس سلسلے میں مشہور فرانسیسی سیاح اور طبیب ڈاکٹر برنیر (Bernier) جس نے شاہجہاں کے زمانے میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے:

”آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرمانبردار ہیں، اس وحشیانہ

رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں اور اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے، کیوں کہ ان کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، وسعت اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ ان کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں، تاہم ستی کی رسم کو بعض اشج طریقوں سے روکتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس کو یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہیں آئے گی، صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھا جاتا ہے اور بہت سے وعدہ وعید کرتا ہے اور اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محل سرا میں بھیج دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔ مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے، خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے۔“

☆.....☆.....☆

اسلامی معاشرہ:..... میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کا تصور کیا ہے اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے، یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورہ نساء کی پہلی آیت ہے:

ترجمہ:..... لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدم) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین) پر پھیلا دیا اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برداری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور

(قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (سورہ النساء آیت ۱)

میں سمجھتا ہوں کہ طبقہ اثاث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی میں ڈالتی ہے، پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے کہ گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگوار سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے، پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد، کوئی بیر نہیں، بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت اور ہم سفری میں برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے کہ کثیرا کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا۔

سائل بھی اور مسئول بھی: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خدا سے ڈرو، جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد، ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے۔ (مشترک سوال)

(جواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔ مرد، عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون شریک حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے:..... پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدہ، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدہ پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت اس وقت جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بنا دیتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت اور اعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت، جو سادگی اور جو فطرت ان کے درمیان ہوتی ہے کسی اور رشتہ میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے۔

خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آ جاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنی بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نا محرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آ جاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ قرآنی معجزہ ہے کہ ”تساءلون به“ کہہ کر

معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی ان کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو بیان نہیں کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید میں ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

”تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو۔“ یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے لئے لباس کا لفظ استعمال کیا جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آ گیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت:..... اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد و نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا اور آپ نے فرمایا کہ ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔“

چنانچہ اگر آپ سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا تصور اور ان کا جو لحاظ تھا، وہ طبقہ نسواں کے بڑے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں اور منیوں، یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دل جوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت، ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انہیں کے ساتھ نہیں، بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو، اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی تھی، آپ فرماتے تھے کہ ”بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی رکعت پڑھوں، لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو، اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے، اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔“

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا:..... ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے، اس کی شرم بھی رکھنا، یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ، یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ

سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اہلیہ مفتی محمد محبوب



جب پیدا ہوئیں تو نبوت کے چار سال گزر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا تھا، صدیق رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو افگن ہو گئیں، اس بناء پر عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی، خود عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کے چچا ارجح آپ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی ملنے آیا کرتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کے سامنے آتی تھیں۔

نام، نسب خاندان:..... صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبد اللہ کنیت اور حمیرا لقب ہے، عرب میں کنیت شرافت کا نشان ہے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اولاد نہ تھی، ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسرت کے ساتھ عرض کرنے لگیں کہ اور بیبیوں نے تو اپنی سابق اولادوں کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے، میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں۔ فرمایا: اپنے بھانجے عبد اللہ کے نام پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے۔

ولادت:..... آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت شوال ۹ ہجری قبل ہجرت مطابق ۶۱۳ھ کو ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا

گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اس لئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں سکون تلاش کرتے ہیں کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں آتا، گھر آکر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہنچ گئے ہیں بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔ احتیاج اور احترام:..... میں سمجھتا ہوں جو یہاں دس دس برس میں بیس برس سے زندگی گزار رہے ہیں، وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کے احتیاج اور احترام پر قائم ہے، ضرورت تو سب کو ہوتی ہے، لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو، اس کا احسان ماننا یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آچکی ہے، دلکش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی، بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی اور یہ اسلام کی بھی ایک عظیم تبلیغ و دعوت ہوگی۔ میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سیمینار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلے اور نتائج تک پہنچے۔

(جاری ہے).....

اسلام کا خاندانی نظام معاشرت بھی پیش کرتا ہے، مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جا رہی ہے، آپ کو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک اتاری پیدا ہو گئی ہے، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر و بیوی میں جو اعتماد اور محبت ہونی چاہئے، روز بروز اس میں کمی آرہی ہے اور اس وقت کے مفکر اور فلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں الفت و محبت ہونی چاہئے، جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر و فاقہ بھی ہوتا ہے تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے، اب بھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے کیونکہ آپس میں محبت ہے، وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر اپنا فقر و فاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے ہیں جہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا ہے اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انہوں نے مسخر کر لیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کر سکے، جیسا کہ اقبال نے کہا ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش:..... جس نے سورج کی شعاعوں کو

اپنی مٹھی میں لے لیا ہے، زندگی کی تاریک رات کو صبح میں

تبدیل نہیں کر سکا، اگر اقبال ہوتے تو کہتے کہ چاند تک

پہنچنے والا اور ستاروں کی گزر گاہوں کی تلاش کرنے والا

مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا، اپنے گھر

کو گلہ ستر اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت

کا نمونہ بنانے کی کوشش کی، اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے،

بہت سے امریکی اور یورپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے

ان کے ایک ایک خدو خال میں کشش ہوتی ہے، ان کے ناصیہ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی سے ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے، تاہم بچہ، بچہ ہے، وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلتا ہی اس کی عمر کا تقاضہ ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں، عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ سات آٹھ سال تک انہیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں، اس کی روایت کرتی تھیں، ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں، لڑکپن کے جزئی جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں، لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں یہ آیت بسلسل الساعۃ موعدهم والساعۃ ادھی و امر نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی، ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی، لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں، ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔

شادی:..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا، وہ اس وقت چھ برس کی تھیں، اس کم سنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی، ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے، دوسرے عام طور پر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قوی میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد و قامت میں بالیدگی کی

خاص قابلیت ہوتی ہے، اسی کو انگریزی میں ”پری کوشش“ کہتے ہیں۔ اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشوونما، ذکاوت، جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے، حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے، پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر دیکھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سادگی کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی ان کو لے گئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر نکاح پڑھا دیا، شوال ۳ ہجری قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ھ میں نکاح ہوا، مسلمان عورت کی شادی صرف اس قدر اہتمام چاہتی ہے، لیکن آج ایک مسلمان لڑکی کی شادی میں مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ مراسم کا مجموعہ ہے لیکن کیا خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مقدس تقریب اس کی عملی تکذیب نہیں؟ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی کہ میرا نکاح ہو گیا۔

مہر:..... عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا؟ یعنی پانچ سو درہم، جن کے تقریباً سو روپے ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر عموماً پانچ سو درہم ہوتا تھا، مہر کی اس مقدار کا مقابلہ آج کل کے مہر کی تعداد سے کریں جو ہمارے معاشرے میں جاری ہے، آج مہر کی کمی خاندان کی ذلت سمجھی جاتی ہے، لیکن کیا اسلام کا کوئی خاندان، خانوادہ صدیق سے شریف تر ہے اور کوئی مسلمان لڑکی صدیقہ کبریٰ سے بلند پایہ ہے۔

رخصتی:..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی صحیح روایتوں کی بناء پر دن کے وقت شوال ایک ہجری میں ہوئی، اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف نو سال کی تھی۔ مدینہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرال تھی، انصار کی عورتیں دہن کو لینے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں، حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو آواز دی، وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں، آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی کانپتی دوڑ آئیں، ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازے تک لائیں، وہاں منہ دھلا کر بال سنوار دیئے، پھر ان کو ان کے کمرے میں لے گئیں، جہاں انصار کی عورتیں دہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں، دہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے علی السخیر والبرکۃ علی خیر طائر۔ یعنی تمہارا آنا بخیر و برکت اور فال نیک ہو کر استقبال کیا، دہن کو سنوارا، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کی ضیافت کے لئے دودھ کا ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے تھوڑا دودھ پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا، وہ شرماتے لگیں، ان کی ایک سہیلی اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے کہا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔“ انہوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور ذرا سا پی کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو، ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ اس وقت ہم کو اشتہاء نہیں، فرمایا: جھوٹ نہ بولو، آدی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، مہر اور رخصتی، غرض ہر رسم کس سادگی سے ادا کی گئی تھی، جس میں تکلف، آرائش اور اسراف کا نام تک نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تقریب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے عرب کی

بہت سی بے ہودہ اور لغو رسموں کی بندشیں ٹوٹیں، سب سے اول یہ کہ منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا تھا۔ ”انت احسی فی الاسلام“ تم میرے صرف اسلامی بھائی ہو۔ دوسری رسم یہ تھی کہ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، ماہ شوال کو وہ منحوس سمجھتے تھے۔ حضرت رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں اور اسی لئے وہ شوال ہی کے مہینے میں اس قسم کی تقریبوں کو پسند کرتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ہمدانی کا بھرم

ایک شخص بڑا ذہین اور صاحب علم مشہور تھا، ہر سوال کا جواب بغیر کسی توقف کے دیا کرتا تھا، اس کے بعض ساتھی اس کے تبحر علمی کے حقیقت ناظر گئے اور امتحان کے ارادے سے ایک مہمل لفظ ”خفشار“ کے بارے میں دریافت کیا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی، اس نے بلا جھجک کہنا شروع کیا: ”یہ ایک خوشبودار گھاس ہے جو یمن کے مضافات میں پائی جاتی ہے، اس کی حیرت انگیز خاصیت یہ ہے کہ جب جانور اس کو کھاتا ہے تو اس کا دودھ رک جاتا ہے، ایک یمنی شاعر کہتا ہے۔ ترجمہ (آپ کی محبت نے میرے دل کو اس طرح جکڑ رکھا ہے جیسے خفشار گھاس دودھ کو روک لیتی ہے) داؤد انطاکی نے ”اپنے تذکرہ“ میں اس طرح کہا ہے اور فلاں فلاں نے یہ کہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:..... فوراً ساتھیوں نے اسے روکا اور کہا: ”کم بخت! ان سب پر تو تو نے جھوٹ گھڑا ہی ہے کم از کم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے توحیا کر“ اس طرح ان پر اس کے تبحر علمی کا راز کھل گیا اور ہمدانی کا بھرم جاتا رہا۔

حضرت ابوسفیان بن حارثؓ



محمد سعید علوی

دو شخصوں کے درمیان شاید ہی کبھی ایسے گہرے اور مضبوط تعلقات قائم ہوئے ہوں گے، جیسے حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان تھے، ابوسفیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر اور ان کے ہم جولی تھے، دونوں ایک زمانے میں پیدا ہوئے اور ایک ہی خاندان میں ان کی نشوونما ہوئی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عم زاد تھے، ان کے والد حارث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ ایک ہی صلب، یعنی صلب عبد المطلب سے تھے، مزید برآں یہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی بھائی بھی تھے، سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو ایک ہی وقت میں دودھ پلایا تھا،

ان کے تعلقات کے علاوہ نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت گہرے دوست تھے اور جسمانی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے، انہیں تمام وجوہ اسباب کی بناء پر ابوسفیان کی ذات سے اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں پہل کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سب پر سبقت لے جائیں گے۔

لیکن اس توقع کے علی الرغم معاملہ بالکل برعکس سامنے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی کار دعوت کا آغاز فرمایا اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا شروع کیا، اچانک ابوسفیان کے سینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غیظ و غضب اور بغض و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی دوستی دشمنی میں، صلہ رحمی قطع رحمی میں اور بھائی چارگی نفرت و اغراض میں بدل گئی۔ ابوسفیان بن حارث کا شمار اس وقت قریش کے مشہور شہسواروں اور اس کے اونچے درجے کے شعراء میں ہوتا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ان کی دعوت کی مزاحمت میں اپنی تلوار اور زبان دونوں کا بھرپور استعمال کیا اور اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی اذیت رسانی اور انہیں سخت و تنگ سے اکھاڑ پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی، قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جتنی بھی جنگیں لڑیں، سب جنگوں کی آگ بھڑکانے والے یہی ابوسفیان تھے اور مسلمانوں کو جتنی بھی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتی پڑیں، ان سب میں ان کا زبردست ہاتھ تھا، اس شخص نے اپنی شاعری کے شیطان کو بیدار کیا اور اپنی زبان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگوں میں لگا کر چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت گھٹیا فحش اور دل آزار قسم کے اشعار کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ان کی دشمنی کا زمانہ بیس کی طویل مدت تک پھیلتا چلا گیا، اس دوران میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں، ریشہ دوانیوں، ایذا رسانوں کے تمام مکروہ حربے استعمال کر ڈالے اور انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔

ابوسفیان بن حارث فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے، ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تفصیلات کتب سیرت میں محفوظ ہیں اور تاریخ کے صفات نے انہیں ہم تک منتقل کیا ہے، وہ تفصیلات انہیں کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہیں:

”اسلام کا معاملہ جب پورے طور پر مستحکم ہو گیا، اسے بڑی حد تک قرار و ثبات حاصل ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو زمین اپنی وسعت و کشادگی کے باوجود میرے لئے تنگ ہو گئی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب میں کہاں جاؤں، کس کی صحبت اختیار کروں اور کس کے ساتھ رہوں؟“

پھر میں اپنے اہل و عیال کے پاس آیا اور ان سے کہا: ”تم لوگ مکہ سے نکل چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں اور اگر مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو یقیناً میں قتل کر دیا جاؤں گا۔“

”کیا آپ کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ تقریباً پورا عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر فکندہ، ان کے دائرہ اطاعت میں داخل اور ان کے دین کا حلقہ بگوش ہو چکا ہے اور آپ ابھی تک ان کی عداوت پر مصر ہیں، حالانکہ آپ ان کی نصرت و تائید کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔“ انہوں نے کہا اور برابر مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طرف مائل کرتے اور مسلسل مجھے اس کی طرف رغبت دلاتے رہے، حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ نے میرے سینے کو قبول اسلام کے لئے کھول دیا، میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کر اپنے غلام ”مذکور“ سے کہا۔ ”ہماری سواریاں سفر کے لئے تیار کر دو۔“ پھر اپنے بیٹے جعفر کو ساتھ لیا اور دونوں تیز رفتاری کے ساتھ ”ابواء“ کی طرف چل پڑے، ہمیں خبر ملی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہیں فروکش ہیں، جب مقام ابواء کے قریب پہنچا تو میں نے اپنا حلیہ تبدیل کر لیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے ہی کوئی مجھے پہچان کر قتل کر دے، میں ایک میل تک پیدل چلتا رہا، مسلمانوں کے دستے کے بعد دیگرے مکہ کی سمت بڑھتے رہے اور میں ان کے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا، مجھے ڈرتھا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی مجھے دیکھ کر پہچان نہ لے، میں اسی حالت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستے کے ساتھ نمودار ہوئے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کیا اور جا کر سامنے کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نظر بھر کر دیکھا اور مجھے پہچانتے ہی اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا، میں گھوم کر سامنے آکھڑا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے اعراض کیا اور میری طرف سے رخ پھیر لیا، میں پھر سامنے آ گیا، جب میں آپ کے سامنے آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیتے، جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے ارادے سے چلا تھا تو اس وقت مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبول اسلام سے خوش ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے باعث فرحت اور انبساط ہوگی، لیکن جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعراض کو دیکھا تو ان کے چہروں پر بھی نفرت و بے زاری کے آثار ظاہر ہو گئے، ان کی پیشانی ٹھنک آلود ہو گئیں اور میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت و

حقارت کے شعلے رقص کرتے دیکھے، میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے بھی میری طرف کوئی توجہ نہیں کی، میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایسی تسلی طلب نظر سے دیکھا جو ان کے دل میں نرمی اور ہمدردی کے جذبات بیدار کر دے مگر ان کی نگاہوں میں بھی میرے لئے غصہ نفرت اور غیظ و غضب کے سوا کچھ نہ تھا، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کیا کہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسایا اور اس نے مجھ سے کہا کہ ”دشمن خدا! تو ہی وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں حد سے متجاوز ہو گیا تھا؟“ وہ انصاری برابر مجھے لعنت ملامت کرتا اور مسلسل میرے اوپر چیختا رہا، دوسرے مسلمان بھی مجھے خشکیم نظروں سے دیکھتے اور میری پریشانی سے خوش ہو رہے تھے اور اس وقت اچانک میری نظر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر پڑی، میں ان کے پاس پہنچا اور بولا:

”چچا جان! خاندان میں اپنے مقام و مرتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے قریبی رشتے کی بنا پر میں سمجھتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبول اسلام سے خوش ہوں گے، لیکن ان کا جو رویہ سامنے آیا ہے، آپ جانتے ہیں، تو اب آپ میرے متعلق ان سے بات کر کے انہیں راضی کر دیجئے۔“ مگر انہوں نے کہا کہ ”نہیں! خدا کی قسم، میں تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض کو دیکھ چکا ہوں، ایسی حالت میں تمہارے متعلق میں ان سے کوئی بات نہیں کر سکتا، میں ان کا احترام کرتا ہوں اور ان سے ڈرتا ہوں، البتہ آئندہ موقع و محل کی مناسبت سے کوئی بات کر سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”چچا جان! تو اس وقت آپ مجھے کس کے حوالے کر رہے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جو کچھ تم مجھ سے سن چکے ہو، اس کے علاوہ میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔“ ان کا یہ جواب سن کر میرے اوپر شدید حزن و ملال کی کیفیت طاری ہوئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنے غم زاو علی بن ابی طالب کو دیکھا اور ان سے اپنے اس معاملے میں بات کی، مگر انہوں نے بھی وہی کہا جو چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا، تب میں پھر چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا۔ ”چچا جان! اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر کے میرے لئے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے تو کم از کم مجھے اس شخص سے بچا لیجئے جو برابر مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر اکسار رہا ہے۔“

”کون ہے وہ؟ ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔“ انہوں نے پوچھا۔ جب میں نے اس کا حلیہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ”وہ نعمان بن حارث بخاری ہیں۔“ پھر ایک شخص کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان سے کہا۔ ”نعمان! ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد اور میرا بھتیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ آج اس سے خفا ہیں لیکن عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی ہو جائیں گے، اس لئے بہتر ہے کہ تم اس کو سنانے سے باز آ جاؤ۔“ اور برابر ان سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ سب و شتم سے باز آ جائیں اور کہا کہ اب میں ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جحفہ میں نزول فرمایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے دروازے پر جا بیٹھا، اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیا، خیمے سے نکلتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں میرے اوپر پڑیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے نظریں پھیر لیں، لیکن پھر بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی سے ناامید نہیں ہوا، میں نے اپنا معمول بنالیا کہ جب بھی کسی منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہوتا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا اور اپنے لڑکے جعفر کو اپنے پاس کھڑا کر لیتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مجھے

دیکھتے، منہ پھیر لیتے، میں کافی دنوں تک اس صبر آزما صورتحال سے دوچار رہا، آخر کار جب یہ پریشانی میرے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا:

”خدا کی قسم! اب میرے سامنے دو ہی راستے باقی رہ گئے ہیں یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں، ورنہ میں اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر نکل جاؤں گا اور زمین میں حیران و سرگرداں پھرتا رہوں گا، حتیٰ کہ ہم دونوں بھوک پیاس سے مر جائیں، جب یہ بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو وہ کچھ نرم پڑے اور ان کے دل میں میرے لئے ہمدردی اور رحمت و شفقت کے جذبات بیدار ہو گئے اور جب خیمہ سے باہر تشریف لائے تو پہلی بار میری طرف محبت آمیز نظر سے دیکھا اور میں نہال ہو گیا، مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ لب مبارک کی بند کلی اب کھل اٹھے گی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم رکاب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے، میں دوڑتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہا تھا، غرضیکہ میں کسی حال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا، حنین کی وادی میں بنو ہوازن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے زبردست جمعیت اکٹھی کی اور غیر معمولی تیاریوں اور بے پناہ جوش کے ساتھ آپ کے مد مقابل ہوئے، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا تہیہ کر رکھا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے صحابہ کرام لشکر لے کر روانہ ہوئے، تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گیا اور جب میں نے مشرکین کے اس زبردست اجتماع کو دیکھا تو اپنے دل میں کہا:

”خدا کی قسم، آج میں ان تمام محرومیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر دوں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے

میں مجھ سے سز زود ہوئی ہیں، آج میں ایسی جرات و شجاعت کا مظاہرہ کروں گا جو میرے تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔“ جب دونوں فوجوں میں ٹکڑے ہوئی اور مشرکین کا دباؤ مسلمانوں پر بڑھنے لگا تو ان کے اندر کمزوری اور بزدلی کو راہ مل گئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد سے منتشر ہو گئے اور راہ فرار اختیار کر لی اور قریب تھا کہ ہم ہزیمت سے دوچار ہو جائیں، اس کٹھن گھڑی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیری و شجاعت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی آپ میدان جنگ کے پتھوں بچ اپنے خچر ”شہبا“ پر مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اور ایک بھرے ہوئے شیر کی مانند شمشیر بکف اپنی اور اپنے آس پاس کے لوگوں کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے، اس وقت میں اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور اپنی تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی، خدا جانتا ہے کہ اس وقت میرا ارادہ یہی تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں لڑتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی شہید ہو جاؤں، میرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ایک جانب کھڑے تھے، میں نے دوسری سمت اپنی جگہ سنبھالی، میرا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور بائیں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے دشمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹا رہا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تو بڑے تحسین آمیز انداز میں چچا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

”یہ کون ہے جو اس طرح داد شجاعت دے رہا ہے؟“

”یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی، آپ کا عم زاد ابوسفیان بن حارث ہے، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی ہو جائیں۔“ چچا نے جواب دے دیا۔

”میں اس سے راضی ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی اس ساری

عداوت کو معاف فرمائے، جو اس نے اب تک میرے ساتھ کی ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو گئے، اس سے مجھے بے پناہ مسرت حاصل ہوئی اور میرا دل خوشی کے مارے ملیوں اچھلنے لگا، میں نے رکاب ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف ملتفت ہوتے ہوئے فرمایا۔ ”میرے بھائی! آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے لئے یہ کلمات سن کر میرے اندر شجاعت و دلیری کے شعلے بھڑک اٹھے اور میں نے مشرکین پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کے قدم ڈگمگائے اور وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے، اس حملے میں بہت سے مسلمان بھی میرے ساتھ شریک ہو گئے، ہم ان کو تقریباً تین میل تک بھگاتے چلے گئے اور وہ مختلف اطراف میں بھاگ گئے۔“ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ حنین کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی کی نعمت حاصل ہو گئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی سعادت سے بھی سرفراز ہو گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سابقہ رویے کی وجہ سے ان کو ایسی شرمندگی و پشیمانی دامن گیر ہوئی کہ وہ زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف کبھی نظر نہ اٹھا سکے، نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں چار کر سکے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے ان تاریک ایام پر بے حد ندامت و خجالت محسوس کرتے جو دور جاہلیت کی نذر ہو گئے، جن میں نور خدا وندی اور کتاب الہی سے محروم رہے، لیکن اب وہ شب و روز قرآن کریم پر جھکے رہتے، اس کی آیات کی تلاوت اور اس کے احکام پر غور و فکر میں مشغول رہتے اور اس کی نصیحتوں سے بھرپور استفادہ کی کوشش کرتے، انہوں نے دنیا اور اس کے عیش و آرام سے یکسر کنارہ کشی اختیار

کر لی اور اپنے تمام اعضاء و جوارح کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ ”عائشہ! جانتی ہو یہ کون ہے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔ ”نہیں اے اللہ کے رسول!“

”یہ میرے عم زاد ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، دیکھو! یہ سب سے پہلے مسجد میں آتے ہیں اور سب سے آخر میں اس سے نکلتے ہیں اور جب تک اس میں رہتے ہیں، نماز میں مشغول رہتے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور وہ اپنے رب سے جا ملے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید صدمہ اور رنج و الم سے دو چار ہوئے، ایسے صدمے سے جو کسی ماں کو اکلوتے فرزند کی وفات پر نہیں ہوتا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم میں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئے، جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کی جدائی پر بھی نہیں ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں ایسا شاہکار اور درد انگیز مرثیہ کہا جو ان کے سوز و محبت، درد عشق اور اندرونی کرب و الم کا آئینہ دار ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ اب ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے قبر کھودی اور اس پر ابھی تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کا آخری وقت آپہنچا، جیسے موت کے ساتھ ان کا کوئی عہد و پیمان ہو، اس وقت انہوں نے اپنے گھر والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”خبردار! میری موت پر آنسو نہ بہانا۔ خدا گواہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔“

پھر ان کی پاکیزہ روح اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنی ابدی آرام گاہ کی طرف پرواز کر گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه، ان کی نماز جنازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم غم سے بڑھ چلے ہوئے اور ان کی وفات کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک زبردست حادثہ شمار کیا گیا۔

☆.....☆.....☆

انسانی غیرت کا حیرت انگیز واقعہ

☆.....امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اپنے سند سے موسیٰ بن اسحاق قاضی کے زمانے کا ایک انتہائی عجیب اور عبرت انگیز واقعہ نقل کیا۔ یہ واقعہ غیرت انسانی کا عجیب واقعہ ہے۔ جی چاہا کہ نذر قارئین کیا جائے۔ ہو سکتا ہے اس سے ہماری غیرت جاگ اٹھے۔

ایک مرتبہ موسیٰ بن اسحاق کی عدالت میں ایک برقع پوش خاتون نے اپنے شوہر پر پانچ سواشرنی مہر کا دعویٰ کیا، شوہر مہر کی اس مقدار کا منکر تھا، عورت کے وکیل نے دعوے کے ثبوت پر دو گواہ پیش کئے۔ دونوں گواہوں میں سے ایک نے مطالبہ کیا کہ میں عورت کا چہرہ دیکھ کر گواہی دوں گا، چنانچہ گواہ چہرہ دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، یہ دیکھ کر شوہر کی غیرت کو جوش آ گیا اور اس نے کہا کہ آخر کس وجہ سے میری بیوی پر اجنبی مرد کی نظر ڈالوائی جا رہی ہے؟ میں قاضی کے سامنے خود گواہی دیتا ہوں کہ میرے ذمہ میری بیوی کے مہر کے پانچ سو دینار خالص سونے کے واجب ہیں، مگر میری بیوی اپنا چہرہ ہرگز نہ دکھائے گی، اس غیرت و حمیت کا عورت پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت وہ سارا مہر معاف کر دیا، یہ عجیب واقعہ دیکھ کر قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اس واقعہ کو مکرم اخلاق کے یادگار واقعات میں درج کیا جائے۔

☆.....☆.....☆

درخت لگوائے ہیں تاکہ ماحول خوشگوار ہو اور ان کے سایہ سے فائدہ اٹھایا جاسکے، نیز یہ درخت بذریعہ جہاز پاکستان سے منگوائے گئے تھے (یہ سن کر ہمیں کچھ خوشی ہوئی کہ شکر ہے کسی نے تو اچھا اور نیک کام کیا) میدان عرفات سے ہوتے ہوئے ہم مزدلفہ کی طرف گئے، یہ وہ جگہ ہے جہاں عرفات سے واپسی پر حاجیوں کو جانے اور ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ عرفہ وادی حشر کے دو تنگ پہاڑی راستوں کا درمیانی علاقہ ہے، عرفہ کے اس تنگ راستے کو مضیق کہا جاتا ہے، مزدلفہ کو ”جمع“ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں، کتاب اللہ میں اس کا ذکر المشعر الحرام کے نام سے کیا گیا ہے، اس میدان سے حجاج کنکریاں چن کر منی کی طرف جاتے ہیں، حجاج کرام کی راحت و آرام کی خاطر حکومت سعودیہ نے اس میدان کو کافی حد تک ہموار کر دیا ہے، پانی کے انتظامات اور سڑکیں و ڈپنسریاں بھی بنادی گئی ہیں، مزید راحت رسائی کے کام ہو رہے تھے، پھر ہم گاڑی میں گھوم کر منی اور مزدلفہ کی درمیانی جگہ میں آئے۔

جبل ثور:..... یہاں سے ہوتے ہوئے ہم مسجد حرام سے چار کلومیٹر جنوبی سمت میں واقع جبل ثور پہنچے، فی الوقت اوپر جانے کا راستہ مسدود کر دیا گیا تھا اور سورج بھی واپسی کے لئے رخت سفر باندھ چکا تھا، لہذا ہمیں آفتاب کے غروب ہونے سے قبل ہی حرم پہنچنا تھا، لہذا نیچے ہی سے اس کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں، یہ پہاڑی سطح زمین سے ۴۵۸ میٹر بلند ہے، دوران ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پہاڑ کے وہاں پر موجود غار میں تین دن تک قیام فرمایا تھا، اس مبارک غار کا تذکرہ قرآن پاک کی سورۃ توبہ میں بھی ہے۔

رفاقت پر میں تیری قریان بدر و قبر کے ساتھی
نبی کی بھی زبان پر ہیں تیرے ایثار کی باتیں
تری تصدیق اول ہے تیرا ایمان اول ہے

کلام پاک میں بھی تیرے اقرار کی باتیں
علامہ فاضل فرماتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت اصر تشریف لائے تو اس پہاڑ نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے پناہ لو، میں نے تمہارے سے پہلے ستر نبیوں کو پناہ دی ہے، لیکن آج بھی غار کا ذرہ کسی کی لطیف خوشبو سے مہک رہا ہے، گوشہ گوشہ سے بوئے محبت آتی ہے۔ اے غار ثور تجھ پر لاکھوں سلام، تو ہمیشہ آباد رہے، تو نے عرش پر جانے والے شہنشاہ، کون و مکان کو تین دن اپنے گھر مہمان رکھا، سارے بلد الامین میں کہیں پناہ کی جگہ نہ تھی، تو نے پناہ کے لئے اپنا تنگ دہانہ کھول دیا اور جاویدان ہو گیا، غار ثور کی زیارت کا شرف اپنی جگہ ہے، مگر راستہ تھکا دینے والا ہے، پھر بھی عشاق اور جانثاروں کا تانتا لگا رہتا ہے، اسی غار ثور پر قاتیل نے ہاتیل کو شہید کیا اور سب سے پہلا خون ناحق اسی پہاڑ پر گرا۔

معلیٰ:..... اب ڈرائیور نے گاڑی واپس کی راہ میں ڈال دی، جب گاڑی معلیٰ کے قریب پہنچی تو ہم نے دائیں جانب قبرستان کی زیارت کی، جو کہ مسجد حرام کی مشرقی جانب ایک پہاڑ کی گھاٹی میں واقع ہے، اس گھاٹی کا رخ خط مستقیم سے قبلہ کی طرف ہے، فی الحال اس قبرستان کے دو حصے کر دیئے گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان سڑک نکالی گئی ہے، شمال میں ایک چھوٹے احاطے میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کی قبریں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم کے اکثر بزرگ یہیں مدفون ہیں، اس مقدس قبرستان میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا، عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادگان قاسم، طیب، طاہر رضی اللہ عنہم اجمعین کے مزارات ہیں، اس کے علاوہ بے شمار تابعین رحمہم اللہ اور

اولیائے عظام دفن ہیں، اس قبرستان کے بارے میں آتا ہے کہ جو شخص اس مقبرہ میں مدفون ہوگا، وہ قیامت میں مامون اور بے خوف و خطر رہے گا، یہاں ہم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد آگے بڑھ گئے، یہ قبرستان شارع غزہ پر واقع ہے۔

مسجد جن:..... اس سے کچھ فاصلے پر مسجد حرس واقع ہے، اسے مسجد بیعت بھی کہا جاتا ہے، یہ مسجد معلاۃ جاتے ہوئے بائیں جانب ہے اور کرا سنگ پل سے متصل ہے، اس کو عام طور پر مسجد جن کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہی مقام ہے، جہاں جنات کی ایک بڑی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، واضح رہے کہ اس سے قبل نبوت کے دسویں سال طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں بھی کچھ جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں آپ علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے جو جنات کے معاملے کو دیکھنا چاہے، وہ آجائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے علاوہ کوئی بھی حاضر نہ ہوا، ہم مکہ میں ایک جگہ پہنچے تو آپ علیہ السلام نے اپنے پاؤں مبارک سے ایک دائرہ کھینچا اور مجھ سے فرمایا: اس میں بیٹھ جاؤ اور آپ علیہ السلام تھوڑا آگے چلے اور کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت شروع فرمادی کہ اسی دوران جنات جھنڈ درجند آکر جمع ہونے لگے، حتیٰ کہ آپ علیہ السلام میری نظر سے اوجھل ہو گئے اور آپ کی آواز مجھ تک پہنچنا بند ہو گئی، پھر وہ آپ علیہ السلام کے پاس سے اسی طرح مٹتی ہوئے گئے، جس چرخ بدلی چھٹی ہے جبکہ جنات کی ایک جماعت بیٹھی رہی اور آپ علیہ السلام ان کے ساتھ فجر تک بات چیت میں مشغول رہے، پھر آپ علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں نے ان

کو ہڈی اور گوشت تو شہ کے طور پر دیا ہے، لہذا تم لوگوں کو ہڈی اور گوشت سے استنجا نہیں کرنا چاہئے، اب یہاں سے ہم حرم کے راستے پر چلنے لگے اور جیسے ہی فضا میں اللہ اکبر کی مسحور کن صدا گونجی، ہماری گاڑی باب الملک فہد کے سامنے جاری۔

ہر شے میں یہاں فردوس نظر
انوار کی بارش آٹھ پہر
ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے، ہر فرد جلدی میں آ رہا تھا اور شوق نماز میں بے تاب تھا، روزے داروں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے، لیٹے ہوئے جلدی سے بیٹھ گئے، کاموں میں مشغول ہاتھ رک گئے، قرآن میں مشغول عشاق خدا کے سر جھک گئے، اللہ اکبر کی ایک صدا نے بے تاب کر دیا اور دوسری صدا بازگشت ہوتے ہی مناظر تبدیل ہو گئے، ہم چلتے چلتے مصلیٰ النساء تک پہنچ چکے تھے، لیکن قلت وقت از دہام کثیر کی وجہ سے مرد حضرات اندرونی احاطہ میں داخل ہو گئے اور ہم نے صحن میں بنی ہوئی صفوف میں ہی نیت باندھ لی۔

فتائے حرم، قبلہ محترم میں
وہ کیف تجود و قیام اللہ اللہ
بادسیم اور صحن حرم کی لذت واری میں آنکھیں ڈبڈبا آئیں، الشیخ عبدالرحمان السدیس کی اقتداء میں ادائیگی نماز کے بعد نوافل کے لئے اندرونی احاطے میں چلے گئے، نماز کے بعد والد صاحب اور مرد حضرات الشیخ محمد خیر محمد المعروف شیخ مکی کے درس میں چلے گئے اور ہم وہیں رہے، عشاء کی نماز کے بعد والد صاحب نے ہمیں بلایا کہ مطاف میں آجائیں، ہم مطاف میں پہنچے اور لرزیدہ لرزیدہ عاشقین کے ہجوم میں داخل ہو گئے۔

اے خدا! ہے فقط آپ کا یہ کرم
کر رہے ہیں جو ہم سب طواف حرم
ہیں سلاطین عالم بھی احرام میں
بن کے حاضر ہوئے ہیں گدائے حرم

پھر ہم نے ابو جی سے کہا کہ آب زمزم کی طرف چلیں، اس طرف بہت ازدحام دیکھ کر ابو جی نے کہا، ابھی کلوں میں سے پی لیتے ہیں، وہاں بہت رش ہے۔

ہجوم عام رہے کیوں نہ چاہ زمزم پر یہیں پر سیر ہر ایک تشنہ کام ہوتا ہے اور ہمیں فندق پہنچ کر اپنا سامان بھی پیک کرنا تھا: تشنگی جو بڑھی آ کے زمزم پیا کس قدر روح افزا ترا جام ہے

لہذا سیرابی زمزم سے فارغ ہو کر ہم پچشم غم فندق کی طرف چل دیئے، والد صاحب سوق بن داؤد سے کھانا لے کر آ گئے، کھانا کھانے کے بعد مرد حضرات نے ۶ عدد گیلن لئے اور ہمارے پاس ۵ کلو تین چار بوتلیں بھی تھیں، اسی کے علاوہ چند دو، تین جوس وغیرہ کی بوتلیں تھیں، جو ہم نے خریدے تھے اور خالی ہونے کے بعد پھینکنے کے بجائے سنبھال لیں تھیں، اب ابو جی، عبدالماجد بھائی اور عبدالواجد نے بوتلیں اور گیلن اٹھائے اور بھرنے کے لئے چلے گئے، ہمارے پاس سامان اٹھانے کی ٹرائی بھی تھی جس میں گیلن آسانی سے باندھ دیئے گئے، جس وقت یہ لوگ گئے، تقریباً گیارہ بج رہے تھے، دو تین گھنٹے گزر گئے، لیکن واپس ہی نہیں آ رہے، ہم پریشان تھے کہ اتنی دیر کیونکر کر دی، تن بجے یہ لوٹے، تو ابو جی نے داستان سنا کی کہ جب ہم صحن حرم میں پہنچے تو ہمیں فیصل آباد کے ایک شخص نے بتایا کہ پہلے یہیں سے پانی بھرنے دیتے تھے، لیکن اب تو بھرنے کے بڑے قیل یہاں سے کافی دور ہیں اور وہاں رش بھی بہت ہے، بہتر ہے کہ آپ پانی خرید لیں، والد صاحب نے کہا کہ ہم تو کل علی اللہ چل پڑے، وہاں جا کر دیکھا تو واقعی اتنی لمبی قطار کہ اگر پوری رات بھی کھڑے رہیں تو نمبر نہ آئے اور زمزم کا کاروبار کرنے والے ۱۰، ۹ گیلن لے کر کھڑے ہیں، بہت دیر بعد پولیس حضرات آ گئے، جنہیں دیکھتے ہی سب کاروباری بھاگ کھڑے ہوئے، تب کہیں جا کر

ہمارا نمبر آیا تو پانی بھرا اور پیدل ہی اتنی مسافت طے کی، ابو نے کہا کہ ایک اور واقعہ یہ بھی ہوا کہ جب ہم نے منزل پر لفٹ لانے کے لئے بٹن دبایا تو لفٹ پانچویں منزل پر رک گئی، عبدالواجد نے کہا کہ ابو جی لفٹ نیچے جائے گی، اس لئے ہم دوسری سے چلے جاتے ہیں، لیکر ایک لفٹ اوپر آ گئی، دروازہ کھلا، سب ایک دم چونک پڑے، سامنے مفتی محمد نعیم صاحب کا چھوٹا صاحبزادہ حظلہ کھڑا تھا، ان کی والدہ بھی ہمراہ تھیں، اس اچانک ملاقات پر ہم حیران ہو گئے، وگرنہ ہمارے گمان میں بھی ایسا نہ تھا، ابو جی نے بتایا کہ مفتی صاحب پانچویں منزل پر مقیم ہیں، اس وقت تو تھکاوٹ سے چور چور ہم بستر پر دراز ہو گئے، کیونکہ وقت بہت کم تھا۔

۲۰ مئی بروز بدھ:..... بدھ کی سحر اپنے تمام تر جلوؤں سمیت افق پر نمودار ہوئی اضطراب قلب اور غم فراق نے کروٹیں بدلتے بدلتے بیدار کر دیا، یہ قراری سے قدم حرم کی جانب اٹھتے چلے جا رہے تھے، وہ آخری دن کی لذت نماز اور بے قراری کبھی بھلائی ہی نہیں جاسکتی۔

چلتے ہیں جانب ارض حرم لرزیدہ لرزیدہ نظر در زیدہ در زیدہ قدم لغزیدہ لغزیدہ سکون قلب کی لہروں سے یہ محسوس ہوتا ہے کوئی ہے مائل لطف و کرم پوشیدہ پوشیدہ نماز فجر ادا کی اور جا کر مطاف میں بیٹھ گئے اور کیا کرتے، بس نظر اٹھتی اور جھکتی، نہ جانے دل کہاں مست تھا، زبان خاموش و گنگ، مالک تو جانتا ہے نہ کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟

اف وہ غلاف کعبہ کی شوق نوازشیں دیکھنا بار بار میرا آنکھ اٹھا کے طلوع آفتاب ہوا، سنہری کرنوں سے ماحول جگمگایا اور نکھرا تو ہمارے کپکپاتے قدم طواف الوداع کے لئے اٹھ گئے، استلام کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

پھر استلام رکن یمانی کے ذوق میں

جنتی طواف و زیارت ہے آج کل دینا اتنا کی صدائیں گونج رہی تھیں، یہاں انسانوں کا ہجوم ہوتا ہے، اس سے کہیں گنا زیادہ ملائکہ کا ازدحام ہوگا، میزاب رحمت سے گزرتے ہوئے بھی دعائیں جاری رہیں اور:

نکاہیں شوق کی پڑنے لگیں میزاب رحمت بدوش برق اٹھا ابر کرم تابیدہ تابیدہ طواف پورا کر کے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کی، یہیں بیٹھے زیارت بیت اللہ میں گم تھے کہ ابو جی نے اشارہ کیا، دل کٹ گیا کہ کہیں واپسی کا اذن نہ ہو، بھاری قدموں سے قریب گئے تو ابو جی نے کہا، آپ لوگ حطیم میں جانا چاہتے ہیں؟ اور کیا چاہئے دیوانے کو، فوراً ہاں کر دی۔

دل کھینچ رہا ہے دیکھ کے آغوش شوق سے اے حطیم پاک میں نزہت ہے آج کل حطیم:..... حطیم سے مراد بیت اللہ سے ملحق وہ حصہ ہے جو نصف دائرے کی شکل میں ہے، اسی کو حجر اسماعیل بھی کہا جاتا ہے، کعبہ سے منسلک تین میٹر حصہ کعبہ کا حطیم ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہاں، پھر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید سوال کیا کہ اگر بیت اللہ کا حصہ ہے تو اس کی تعمیر میں شامل کیوں نہیں کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری قوم کے پاس اتنا خرچ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہو کر نماز ادا کروں، تو آپ علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا: اگر تم خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتی ہو تو یہاں نماز پڑھ لو، اس لئے کہ یہ بیت اللہ ہی کا حصہ ہے، یہاں اگلے حصے میں تین صفیں مرد حضرات کی بنتی ہیں اور خواتین کے لئے پچھلی دو صفیں ہوتی ہیں، یہاں جگہ بہت تنگ تھی، کیونکہ ازدحام ہی اتنا

تھا، بمشکل نقل ادا کئے اور پھر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے، کیونکہ بیٹھنے کی جگہ ہی نہ تھی، حطیم کی دیوار سے چپک کر اٹھے ہوئے ہاتھ بارگاہ الہی میں فریادی بن گئے، پھر والد صاحب نے اشارہ کیا اور ہم نے خود کو سنبھالتے ہوئے آگے کو پہنچے، اللہ اللہ، صد شکر مولا کا دو قدم بڑھائے اور غلاف کعبہ سے چٹ گئے۔

قابل نظارہ ہے کعبہ کے پردے کی بہار ہر طرف سے جھومتی کالی گھٹا آنے لگی گہرا سیاہ ریشم کا غلاف، جس پر بنائی اس انداز تھی، گویا سات کا ہندسہ ملا ملا کر بار بار لکھا گیا ہے، اس پر درج ذیل عبارت تحریر تھی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم یا اللہ یا حنان یا منان۔ ہچکیوں کی آوازوں نے دل کی بات اللہ تک پہنچا دی۔

غلاف کعبہ تیری غنچمتوں کا کیا کہنا گناہگار سزا کیوں نہ چوم لیں دامن غلاف کعبہ! قسم مجھ کو رب کعبہ کی تصورات کی دنیا میں ایک پاپیل ہے نہ مجھ سے کہہ گم ہوں کن خیالوں میں یہ سوچتا ہوں بھلا مجھ کو تجھ سے کیا نسبت میں ایک راہ محبت کا راہ گم کردہ گناہگار محبت ہوں اے غلاف حرم دیار حسن و تجلی کے راہ رو تجھ پر عروس حسن ازل کا لباس نور ہے تو امین راز وفا، جلوہ زار ظور ہے تو تجھے جو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے جو دل میں داغ تھے پوشیدہ وہ نکھر آئے گزر رہی ہے جو دل پہ، بتا نہیں سکتا تری نظر سے نظر کیوں ملا نہیں سکتا زمیں عجز ہوں میں رشک آسمان ہے تو حریم منزل محبوب کا نشان ہے تو

کھڑا ہوں شرم و ندامت سے سر جھکائے
یہ چند اشک ندامت غار کرتا ہوں
خزاں نصیب چمن ہوں اے نسیم حرم
دعائے آمد فضل بہار کرتا ہوں

ڈیڈ بائی ہوئی آنکھوں اور لرزیدہ قدم اٹھاتے ہوئے
واپس مڑے محن میں کھڑے ہوں تو ایک بلند بالا پہاڑ
نظر آتا ہے، جس پر اس وقت اونچی عمارات نظر آتی ہیں،
یہ وہی پہاڑ ہے، سب سے پہلے روئے زمین پر نمودار ہوا،
اس کی لمبائی ۱۲۰ میٹر ہے، ابوقیس ایک شخص تھا جس
نے اس پہاڑ پر سب سے پہلے مکان بنایا، اس دن سے
اس پہاڑ کو جبل ابوقیس کہا جانے لگا، زمانہ جاہلیت میں
اسے امین کہا جاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اسی پہاڑ میں
چالیس سال تک حجر اسود کو آسمان سے اتارے جانے
کے بعد محفوظ کیا گیا، حدیث میں اس پہاڑ کا ذکر یوں ہے
کہ ایک فرشتہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا
اور کہا، اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں پر اثنین کو گرا دوں؟
آپ نے فرمایا: نہیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد
کو توحید کا علمبردار بنادیں، اثنین سے مراد وہ پہاڑی
ہیں، ان میں سے ایک یہی جبل ابوقیس ہے اور دوسرا
جبل قعقعان ہے جو مسجد حرام سے متصل شمال مغرب
میں ہے اور حارۃ الباب سے لے کر شامیہ تک پھیلا ہوا
ہے، یہ پہاڑ ایک سو دس میٹر بلند ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت شیث علیہ السلام
اور ان کی والدہ حضرت حوا کی قبریں جبل ابوقیس میں
ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ نہ ہم نے وہاں کسی سے سنا اور
نہ ہی دیکھنے کا اتفاق ہوا، فاکہی کہتے ہیں کہ معجزہ شق القمر
جبل ابوقیس پر ظاہر ہوا، آہ! ہم آہستہ آہستہ چل رہے
تھے، کتنے خوش نصیب تھے، وہ قدم جو ابھی ابھی حرم میں
اتر رہے تھے، وہ قدم جو ابھی ابھی حرم میں اتر رہے تھے،
بنسبت ان قدموں کے جو الوداعی راہ پر گامزن ہو رہے
تھے، ہم اس غم و حزن کی کیفیت میں آگے بڑھے اور بار

بار مزمز کر کعبہ المشرقة کو الوداع کہتے جا رہے تھے، مقام
زمزم پر آ کر خوب سیرابی کی۔

تفنگی جو بڑھی آ کے زمزم پیا
کسی قدر روح افزاء تیرا جام ہے
ہمارا ہر قدم ہم سے رک جاؤ، اک لمحہ رک جاؤ البتہ
کر رہا تھا، زیا میں مقفل، آنکھیں ابڑ آلود اور دل
میں بیجان برپا تھا۔

عجب افسردگی ہے وقت رخصت
نظر ہوئے غلاف محترم غم دیدہ غم
دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، جی چاہا چیخ کر یہاں رکنے
کا اذن مانگیں۔

کب میں کہتی ہوں تاج شہانہ دیدے مجھے
بس اپنے در پہ رہنے کا ٹھکانہ دیدے مجھے
وقت کم تھا، آرزوں، امیدوں اور تمنائوں کا نہ ختم
ہونے والا سفر محیط اور گہرا تھا، ابوجی نے جلدی کرنے اور
ساتھ رہنے کا حکم دیا، پھر ابوجی ہمیں باب ارقم کی طرف
لائے اور فرمایا:

دارالارقم:..... یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسلام کی پہلی درسگاہ دارالارقم کے نام سے
قائم کی تھی، یہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مشرف بہ
اسلام ہوئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہیں
دولت اسلام نصیب ہوئی۔ فی الحال اس جگہ کی کوئی خاص
علامت نہیں ہے، جس سے اسے پہچانا جاسکے، جدید
تعمیرات میں اس کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں، یہ دروازہ
جبل صفا سے جبل مروہ کی طرف جاتے ہوئے دائیں
جانب واقع ہے۔

بیت ام ہانی:..... پھر ابوجی نے ہمیں وہ جگہ دکھائی
جہاں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج کے
لئے تشریف لے گئے تھے، اس جگہ ام ہانی کا مکان تھا جو
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، جدید تعمیرات نے
اس کے آثار بھی مٹا دیئے ہیں۔

درد فرقت:..... قدم اپنی جگہ سے ہٹنے کی سکت نہ
رکھتے تھے، دل مضطرب موج تند و جولاں سے کچھ اور
بیقرار ہو گیا، یہ وہ در تھا، جہاں سانس بھی ادب سے لی
جاتی ہیں، یہ غم کے مارے ہوؤں کے لئے جائے پناہ
ہے، بھلا اسے چھوڑ کر کون جانا چاہتا ہے۔

مئے آہستہ آہستہ چلتے پھر پیچھے مزمز کر دیکھتے، وقت کی گردش
کھینچ کر باہر لے آئی وہ درد
فرقت سے میرا دل اس قدر بیتاب ہے
جسے جتنی ہوئی ریت پر مانی بے آب ہے
اشکوں کے سیل رواں میں بہتے چلے، وقت
رخصت کسی بارگراں سے کم نہ تھا، ایسی تلاطم خیز کیفیت،
امید و بیم کے ساحل پر موجزن نظارہ کشی، کسی الفاظ کی
محتاج نہیں، الفاظ و جذبات ساتھ دیں تو اس درد کو بھی
قابہند کیا جاسکے، بس ہر آنکھ تہہ اشک و غم فراق میں جھکتی
جا رہی تھی، یہ باری تعالیٰ کا احسان عظیم تھا کہ ہمیں اس
مقدس گھر کی زیارت سے مشرف فرمایا، مگر وقت رخصت
ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ..... ٹوٹ گئے..... دل ہی
دل میں اللہ سے ایک التجا کی..... نظر اٹھا کر سوئے آسمان
دیکھا اور نگاہیں زمین پر گر گئیں..... ابوجی نے بمشکل
ہمت کر کے نمناک آواز میں فرمایا، بیٹا..... جلدی کرو۔

ہم دفا کے سارے عہد و پیمان توڑتے ہوئے مقدس بیت
ذوالجلال کے محن سے باہر آ گئے، راستے میں جبل ابوقیس
کے دامن میں موجود لائبریری کی زیارت کی جو کہ مولد
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اب یہاں مشہور لائبریری
قائم ہے۔ شارع حرم سے ہوتے ہوئے ہوٹل پہنچے، اپنا
سامان وغیرہ سمیٹ کر گاڑی میں آ گئے، آہستہ آہستہ حرم
کے حسین نظارے پیچھے رہتے گئے اور یوں محسوس ہو رہا
تھا، ہم دیار اصلی جیسے دیار غیر کی طرف رخت باندھ
رہے ہیں۔

وہ شفقت بھولتی نہیں:..... جدہ ایئر پورٹ پر ایک
بات نے مجھے تعجب میں ڈالا، وہ یہ کہ Leagauge کا

سامان بھیج دیا گیا اور زمزم کے گیلن بھی پلاسٹک پیکنگ
کے بعد Leagauge میں بھیج دیئے، اب صرف تین
ہینڈ بیگ اور ۶ لیٹر والی دو بوتلیں تھیں، ہماری ممکنہ کوشش
رہی کہ سامان ہم ہی اٹھائیں اور ابوجی کو یہ زحمت نہ دیں،
مگر دونوں بوتلیں ابوجی نے ایئر پورٹ اور جہاز میں خود
ہی اٹھائیں اور مکمل سفر میں ابوجی کے ہاتھ میں ہی
ہمارے طلب کرنے پر فرمایا: بیٹا! یہ پانی دورہ حدیث
کے طلبا کے لئے لے کر جا رہا ہوں اور یہ میرے طلبا کا
بوجھ ہے، اسے میں آپ پر کیسے ڈال دوں۔ اس احساس
شفقت نے ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا، سفر جتنا بھی
دراز کیوں نہ ہو، بالآخر سٹ ہی جاتا ہے، کئی سعادتیں
دامن میں پہنچیں اور آنکھیں اشکبار اور دل بیقرار تھا،
حرمین شریفین کے مقدس و پاکیزہ مناظرہ نظر نظر میں
بسائے ہوئے نگاہ شوق سوئے گردوں اٹھی تو اٹھتی چلی
گئی، اور بے اختیار صدائنگی۔

اے زمین کے ایک ٹکڑے کو تقدس بخشے والے،
اے اس خطہ مقدسہ کی محبت اپنے حقیر بندوں کے دل
میں ڈالنے والے، اے کاروان شوق کو کشاں کشاں
حرمین شریفین کی طرف لے جانے والے، اے وہ ذات
اقدس جس نے ان آلودہ دامنوں میں اتنی بڑی سعادت
کے موتی بکھیر دیئے جس کا شکر ہزار بار بھی ادا کرنے کی
کوشش کی جائے تو نہ ہو سکے۔

اے کریم!! سب تیرا کرم!!
یہ سفر قبول فرما لے
ادنیٰ کوشش وصول فرما لے
اپنی رحمتوں کا نزول فرما دے
شفاعت نبی کا حصول فرما دے
اہل جنت میں شمول فرما میرے مولا!!
تفنگی تو بجھتی نہیں
آرزوئیں بھی مٹی نہیں
در گزر کی ہوا چلا دے

ابر کرم پھر تو برسا دے
اے اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے والے!!
یہ سفر قبول فرما لے
یہ سفر قبول فرما لے
اللہم آمین

شدد فرقت

مجھے فرقت میں رہ کر وہ مکہ یاد آتا ہے
وہ زمزم یاد آتا ہے، وہ کعبہ یاد آتا ہے
پہن کر صرف دو کپڑے میرا وہ چیتے پھرنا
وہ کوشش یاد آتی ہے وہ نعرہ یاد آتا ہے
جہاں پر میں سر رکھتا جہاں میں ہاتھ پھیلاتا
وہ چوکھٹ یاد آتی ہے وہ پردہ یاد آتا ہے
کبھی وہ دوڑ کر چلنا کبھی رک رک کہ رہ جانا
وہ چلنا یاد آتا ہے وہ نقشہ یاد آتا ہے
کبھی وحشت میں آخر پھر صفا پر جا کے چڑھ جانا
وہ مسعی یاد آتا ہے وہ مروہ یاد آتا ہے
کبھی چکر لگانا حاجیوں کی صف میں لڑ بھڑ کر
وہ دھکے یاد آتے ہیں وہ جھگڑا یاد آتا ہے
کبھی پھر ان سے ہٹ کر دیکھا کعبے کو حسرت سے
وہ حسرت یاد آتی ہے وہ کعبہ یاد آتا ہے
کبھی جانا منی کو اور کبھی میدان عرفہ کو
وہ مجمع یاد آتا ہے وہ صحرا یاد آتا ہے
وہ پتھر مارنا شیطان کو تکبیر پڑھ پڑھ کر
وہ غوغا یاد آتا ہے وہ سودا یاد آتا ہے
منی میں لوٹ کر وہ ذبح کرنا میرا ذنب کا
وہ سنت یاد آتی ہے وہ فدیہ یاد آتا ہے
منی سے سر منڈھا کر دوڑ جانا میرا کعبہ کو
وہ زیارت یاد آتی ہے وہ جانا یاد آتا ہے
منی میں رہ کے راتوں میں دعائیں مانگنا میرا
وہ نالے یاد آتے ہیں وہ گریہ یاد آتا ہے
وہ رخصت ہو کر میرا دیکھنا کعبے کو مڑ مڑ کر

وہ منظر یاد آتا ہے وہ جلوہ یاد آتا ہے
میرا مکہ بھی طیبہ ہے نہیں معلوم کچھ مجھ کو
کہ مکہ یاد آتا ہے کہ طیبہ یاد آتا ہے
نگاہ شوق جب اٹھتی ہے رب البیت کی جانب
نہ کعبہ یاد رہتا ہے نہ مکہ یاد آتا ہے
(ختم شد)

اقوال زریں

- ☆..... دوست کا عیب اس سے چھپانا
خیانت اور دوسروں کو بتانا غیبت ہے۔
- ☆..... اچھا دوست خدا کا دیا ہوا بہترین تحفہ ہے۔
- ☆..... بری صحبت سے بچو، اس لئے کہ بری
صحبت زہر قاتل ہے۔
- ☆..... آرام طلب ترقی سے محروم رہ جائے گا۔
- ☆..... دل کی سب سے بڑی بیماری حسد ہے۔
- ☆..... اگر مولس و غم خوار کی تلاش ہے تو
قرآن کافی ہے۔
- ☆..... بد مزاج محبت سے محروم رہ جائے گا۔
- ☆..... بد معاملہ عزت سے محروم رہ جائے گا۔
- ☆..... بے ادب خوش نصیبی سے محروم رہ
جائے گا۔
- ☆..... اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں
مسلمانوں کی کامیابی ہے۔
- ☆..... ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ ہے
کنادانوں کی بات پر چل کا مظاہرہ کیا جائے۔
- ☆..... نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک
جھکی رہے۔
- ☆..... رب کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا اور اپنے
گناہوں کے سوا کسی چیز کا خوف نہ کرنا چاہئے۔
- ☆.....☆.....☆

شکرین ختم نبوت کو غیر مسلم قرآن لایے کاتارنجی دن

مولانا مجاہد الحسنی

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
اقدس پر دین اسلام مکمل کر کے اپنی تمام نعمتیں پوری
کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی
و رسول، قرآن کریم کو آخری آسمانی کتاب، دین
اسلام کو آخری دین اور امت مسلمہ کو آخری امت قرار
دیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات
میں نازل شدہ قرآن کریم کی آخری آیت کریمہ اور
آخری وحی کے مطابق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے تکمیل دین کی امت کو تعلیم دی اور یہود
و نصاریٰ کی سازش کے تحت جب یمامہ کے علاقے

میں تکمیل دین اور عقیدہ ختم نبوت کے خلاف فتنہ انکار ختم نبوت رونما ہونے لگا اور مسلمہ کذاب اور اسود غسی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے اسلامی تعلیمات کے خلاف سرگرمیوں کا آغاز کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف کسی قسم کے بحث و مباحثے اور مناظرے کا اہتمام نہیں کیا تھا، نہ ہی مباہلے اور چیلنج کا کوئی طریقہ اختیار کیا گیا تھا، بلکہ اس فتنے کی خبر ملتے ہی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک نوجوان صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمہ کے خلاف لشکر کشی کا حکم دیا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا اور مجاہدین کے اس لشکر کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم الوداع کہنے ساتھ تھے۔

بہر نفع حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم نے اپنے مجاہدین ساتھیوں کی مدد اور تعاون اور پوری ہمت و شجاعت کے ساتھ مسلمہ کذاب سمیت منکرین ختم نبوت کو جہنم واصل کر کے اس فتنے کا سد باب کیا تھا اور اس معرکہ الآرا اقام میں سات سو حافظ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کر کے تکمیل دین و عقیدہ ختم نبوت پر کوئی آنچ نہ آنے دی تھی، بعد ازاں مختلف ادوار میں جب بھی غیر مسلموں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے تحت کسی نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعوے دار بن کر امت مسلمہ میں فتنہ گری کی سعی مذموم کی تو منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کے لئے قطعاً کسی تساہل اور غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ ایران میں اٹھنے والے محمد علی باب اور بہاؤ اللہ کے بانی اور بہائی فتنوں کے بانیوں کے سر قلم کر کے ان کے پیروکار قید و بند میں جکڑے گئے یا ملک بدر کر دیئے گئے تھے، نتیجتاً ایک مدت تک کسی کو

اسلام کے متفقہ اور مسلمہ عقیدہ ختم نبوت کا تقدس اور اس کی عظمت کے خلاف کسی قسم کی جسارت نہ ہو سکی تا آنکہ برصغیر میں جب مسلم حکومت (مغلیہ سلطنت) کو فرنگی سامراج نے تخت و تاراج کر کے اپنی گرفت مضبوط کر لی تو برطانوی غاصب حکمرانوں کے خلاف علمائے ہند کی تحریک جہاد پریشان کن بھی تھی اور انگریز اس سے خائف بھی، چنانچہ برطانوی حکومت نے قادیان ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب میں ایک ایسا جھوٹا اور جعلی نبی تیار کیا جو انگریز حکومت کو اللہ کی رحمت قرار دیتا اور جہاد کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیتا تھا، اس کا نام مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکار احمدی قادیانی کہلاتے ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف یہ کہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے اسلام میں نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے اپنے نئے عقائد و نظریات کی بر ملا تبلیغ کی بلکہ اپنے لٹریچر میں یہاں لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کریمہ میں جہاں جہاں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ اور نام آیا ہے، اس سے مراد میں ہوں اور میں وہی محمد رسول اللہ ہوں جو مکہ میں آیا، جس پر قرآن نازل ہوا تھا (نعوذ باللہ)، (بحوالہ: ایک غلطی کا ازالہ) غرضیکہ ایسے گستاخانہ اور توہین آمیز نظریات کو پروان چڑھانے کے لئے برطانوی حکمرانوں نے اسے اور اس کی جماعت ”احمدیہ“ قادیانیہ کو مکمل تحفظ فراہم کیا اور اس کے پیروکاروں کے لئے حکومت میں ملازمت اور دیگر وسائل و ذرائع بے دریغ فراہم کئے گئے۔

برصغیر میں مرزائیوں اور قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور امت مسلمہ کے خلاف ان کی خطرناک سازشوں کے پیش نظر علمائے کرام اور دینی جماعتیں تو زبان و بیان اور تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کو اس فتنے سے متنبہ کرتی رہیں اور علمائے لدھیانہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف، مولانا محمد حسین

بہاولی، مولانا کریم دین بھیل چکوال دیوبندی، پروفیسر محمد الیاس برنی اور دیگر شخصیات نے انفرادی طور پر اور چوہدری افضل حق اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ کی مجلس احرار اسلام نے جماعتی صورت میں فتنہ انکار ختم نبوت اور نبوت کا ذہب کے مکروہ خدوخال اور خطرناک سیاسی عزائم سے خبردار کرتی رہی ہے، اس محاذ پر شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنی تصنیف ”حرف اقبال“ میں اور اپنے منظوم کلام میں قادیانی فتنے کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ خصوصی طور سے مطالعہ کے لائق ہے، نیز علامہ اقبال نے سابق بھارتی وزیر اعظم اور ممتاز کانگریسی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک خط کے جواب میں یہاں تک لکھا ہے کہ ”یہ قادیانی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔“ (نہرو کے خطوط) چنانچہ علامہ اقبال نے قادیانیوں کی غداری کے پیش نظر کشمیر کمیٹی سے مرزا غلام احمد کے لڑکے بشیر الدین محمود کو نکال دیا تھا۔

علاوہ ازیں برصغیر کے دینی اور ملی رہنماؤں میں سے علامہ اقبال پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے قادیانی فتنے کو کاشت کرنے والے برٹش ایمپائر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی چونکہ انکار ختم نبوت کی وجہ سے غیر مسلم ہیں لہذا انہیں بھی غیر مسلم اقلیتوں میں شامل کیا جائے۔

1857ء سے لے کر 1947ء تک برطانوی غاصب سامراج کی غلامی سے نجات اور حصول آزادی کی جتنی تحریکیں بروئے کار آئی ہیں، ان سب میں برطانوی حکمرانوں کے ایجنٹوں اور ان کے مفادات کا تحفظ کرنے والے ان مرزائیوں قادیانیوں نے نہایت گستاخانہ کردار ادا کیا ہے، حتیٰ کہ تحریک قیام پاکستان کے آخری مرحلے میں جب مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر علاقائی تقسیم کی نوبت آئی تو پنجاب کا ضلع گورداسپور ابتدائی مردم شماری میں مسلم اکثریت کی بنا پر پاکستان میں شامل کیا گیا تھا اور اخبارات میں اعلان بھی ہو گیا

تھا، مرزائی قادیانیوں نے اپنے مرکز قادیان اور کشمیر کے جنت نظیر حصے سری نگر اور جموں کو بھارتی علاقے میں شامل کرنے کے لئے ریڈ کلپ ایوارڈ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا غلام قادیانی کو نبی ماننے والے چونکہ مسلمانوں سے ایک الگ یونٹ ہیں، اس لئے ضلع گورداسپور کی از سر نو کتنی کی جائے، چنانچہ قادیانیوں کی سازش کامیاب ہو گئی اور ضلع گورداسپور غیر مسلم اکثریت کا علاقہ قرار دے کر پاکستان کی بجائے بھارت میں شامل کر دیا گیا، نتیجتاً کشمیر کا مسئلہ رونما ہو گیا کہ یہ علاقہ بھارت میں شامل ہو یا پاکستان میں؟ مرزائیوں کی طرف سے قادیان کو بھارت میں شامل رکھنے کا موقف اس خطرے کے پیش نظر تھا کہ اگر قادیان اسلامی مملکت پاکستان میں شامل ہو گیا تو امت مسلمہ زبردست مخالفت اور علامہ اقبال کے مطالبہ خیر اقلیت کی وجہ سے کسی وقت بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے کی بنا پر انہیں ضرور غیر مسلم قرار دے دیا جائے گا اور ایک اسلامی مملکت میں ”جھوٹے نبی“ کی قبر کا وجود ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا، چنانچہ مرزائیوں نے اپنے انگریز مرہیوں اور سرپرستوں سے ساز باز کر کے ”قادیان“ کو بھارت میں رکھنے کے لئے ضلع گورداسپور پاکستان سے الگ کر دیا تھا۔

طرفہ یہ کہ مشرقی پنجاب سے جب تمام مسلمانوں کو بزور شمشیر ترک وطن کرا کے پاکستان کی جانب ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا تو پورے مشرقی پنجاب میں صرف قادیان ہی ایسا شہر ہے جہاں پر مرزائی رہائش پذیر ہیں اور انہوں نے بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں میں اپنے مرکز قائم کر رکھے ہیں (قادیان اور ربوہ چناب نگر) جبکہ امت مسلمہ کی جلیل القدر دینی، علمی اور روحانی شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے شہر سرہند میں عرس کے دنوں کے علاوہ کسی کو بھی مستقل طور

پروہاں مسلم آبادی قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، مسلم مملکت پاکستان کا دستور مرتب کرنے کے لئے ملک کے دوسرے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے بنیادی اصول وضع کرنے کی خاطر ایک کمیٹی مقرر کی تھی، جس نے اپنی دستوری سفارشات میں پاکستان کے سربراہ مملکت کے لئے مسلمان ہونا لازم قرار دیا تھا۔

ان دنوں چونکہ مسلم لیگی حکمران پاکستان کے کسی کلیدی عہدے کے لئے ”مسلم اور غیر مسلم“ کا فرق و امتیاز ملحوظ نہیں رکھتے تھے جس کا واضح ثبوت پاکستان کی وزارت قانون پر ایک غیر مسلم جوگند و ناتھ منڈل کو متمکن کیا گیا تھا اور وزارت خارجہ کا اہم کلیدی عہدہ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کے سپرد کر رکھا تھا حتیٰ کہ مسلم لیگی حکمران مرزائیوں (قادیانیوں) کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے، اس غلط پالیسی کے تحت قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں میں مرزائیوں حتیٰ کہ سر ظفر اللہ کو جج کے موقع پر سر زمین مقدس کے حدود حرم شریف میں داخلے کی اجازت دی گئی تو یہ پاکستانی حجاج کرام کی غیرت اسلامی لائق صد تحسین ہے کہ انہوں نے احرام کی حالت میں سر ظفر اللہ مرزائی کو جب منیٰ میں شاہی مہمان کی حیثیت سے دیکھا تو سخت احتجاج کرتے ہوئے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک منکر ختم نبوت مرتد کو حدود حرام سے نکال باہر کریں، اس کے بعد حکومت سعودیہ نے قادیانیوں کے عقائد و نظریات کی بابت مکمل معلومات حاصل کی تھیں اور ”القادیانی والقادیانیہ“ کے زیر عنوان ایک کتاب بھی شائع کرائی گئی تھی، بہر نوع ان ناگفتنی حالات کے پیش نظر مشرقی اور مغربی پاکستان کے ممتاز علمائے کرام، دینی رہنماؤں، مشائخ عظام اور مسلم لیگ سمیت اسلامی فکر و نظر کی حامل شخصیات نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دستوری سفارشات کے مطابق دستور میں مسلمان کی تعریف اور

تشریح واضح طور پر درج کی جائے تاکہ کوئی غیر مسلم اسلام کے نام سے مسلمانوں کا نمائندہ اور صدر مملکت کا عہدہ دار نہ بن سکے، نیز اسلامی مملکت پاکستان میں منکرین ختم نبوت کو امت مسلمہ کے اجتماعی عقیدے اور فیصلے بالخصوص علامہ اقبال کے مطالبے کے مطابق قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے سر ظفر اللہ سمیت تمام مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے، اس مطالبے کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ 1952ء میں قادیانیوں کے لیڈر مرزا محمود نے اپنے جماعتی ترجمان روزنامہ ”الفضل“ ربوہ میں ایک اعلان کے ذریعے اپنی جماعت کو براہیختہ کیا تھا کہ وہ ملک میں ایسے حالات پیدا کریں کہ ہمارے مخالفین احمدیت (مرزائیت) قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں، دوسرا یہ کہ مرزا محمود نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ خون کا بدلہ لیا جائے گا، سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے، ملا محمد شفیع سے، ملا بدایونی سے، ملا احتشام الحق سے اور پانچویں سوار ملا مودودی سے۔ (الفضل ربوہ جولائی 1952ء)

اس اشتعال انگیز اور دہشت گردی کی خطرناک دھمکی کا تمام دینی جماعتوں اور ممتاز سیاسی رہنماؤں نے سخت نوٹس لے کر قادیانیوں کے خلاف تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے آئینی طور پر اپنے عقائد و نظریات اور اپنے وجود کے تحفظ کی راہ اختیار کی، چنانچہ قادیانیوں کی جارحیت کے سدباب کے لئے 1953ء میں قادیانیوں کی بابت مطالبات پر مشتمل تحریک ہمہ گیر ہو گئی، حکومت نے مسلمانوں کے معقول مطالبات کا آئینی و قانونی حل تلاش کرنے کی بجائے پوری طاقت کے ساتھ تحریک کو کچلنے اور قادیانیوں کو تحفظ دینے کی کوشش کی، چنانچہ لاہور کے چوک و بلی دروازہ، چوک والگراں اور حسین آگاہی ملتان میں سینکڑوں جمع رسالت کے پروانے شہید

کر دیئے گئے اور مختلف مکاتب فکر کے رہنماؤں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا، تحریک کے ترجمان روزنامہ ”زمیندار“ اور ”روزنامہ آزاد“ لاہور کی اشاعت ایک سال کے لئے ممنوع قرار دے دی گئی تھی، جب تحریک ختم نبوت نے زبردست شدت اختیار کی تو 5 مارچ 1953ء کو جنرل اعظم خاں کی قیادت میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آ گیا تھا۔

غرضیکہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تمام دینی طبقوں کی جانب سے مطالبات کا تسلسل جاری رہا تا آنکہ 1973ء میں جب پاکستان کا پہلا متفقہ اسلامی دستور منظور ہوا تو اس میں عقیدہ ختم نبوت کے اجتماعی عقیدے کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی، اس کے مطابق 1974ء میں منکرین ختم نبوت اور قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے قومی اسمبلی میں تحریک پیش ہوئی جس پر بھٹو حکومت نے مسلمانوں کے نمائندہ علماء و مشائخ اور قادیانیوں کے مرکزی رہنما مرزا طاہر کو اپنا موقف اور اپنے عقائد و نظریات واضح کرنے کی دعوت دی تاکہ کوئی یہ شکوہ نہ کر سکے کہ ہمیں اپنی پوزیشن اور اپنا موقف صحیح طور پر پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ علمائے کرام اور قادیانیوں کے نمائندوں نے کئی روز تک پوری تسلی کے ساتھ اپنے اپنے موقف اور عقائد کی وضاحت کی، جو ملک کے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہوتے رہے، مرزائیوں کے نمائندوں نے اعتراف کیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور مجدد مانتے ہیں اور ان کے عقائد و نظریات مسلمانوں سے مختلف ہیں، چنانچہ قادیانیوں کا موقف معلوم کر کے قومی اسمبلی کے معزز اراکین نے ستمبر 1974ء کو اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جھوٹی نبوت کا دعویٰ اور اعلان کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کو اور اس پر کسی طور پر بھی

ایمان لانے والوں کو غیر مسلم قرار دینے کا قانون منظور کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اجتماعی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی سعادت حاصل کی۔

قومی اسمبلی کے اس تاریخی فیصلے کے بعد قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی سے خطاب کے دوران کہا تھا کہ یہ فیصلہ میرا ذاتی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا ہے، ساری دنیا کے مسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی ذات کے بعد جو بھی نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، علامہ اقبال، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مودودی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور تمام مسالک اور مکاتب فکر کے علماء و مشائخ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو نبی یا امام مہدی ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے لئے انگریزی دور حکومت سے تحریک شروع کر رکھی تھی، اسے تسلیم کر لیا گیا ہے اور خود قادیانی مرزائی بھی مسلمانوں کو نہ تو مسلمان سمجھتے، نہ مسلمانوں کے ساتھ نکاح کرتے، نہ ان کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں، جیسا کہ سر ظفر اللہ خاں نے وزیر خارجہ ہونے کے باوجود اپنے محسن بانی پاکستان کا جنازہ نہیں پڑھا تھا بلکہ جنازے میں شریک غیر مسلم سفیروں اور وزیروں کی صف میں شامل ہو کر کھڑا رہا تھا، قومی اسمبلی نے امت کا دیرینہ مطالبہ تسلیم کر کے ایک تاریخی فیصلہ کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ، اس کا آخری نبی، و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ساری دنیا کے مسلمان خوش ہوئے ہیں اور فیصلے کا زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے، نیز دنیا کے اسلامی ممالک سعودیہ، شام، سوڈان، مصر اور انڈونیشیا وغیرہ بھی قادیانیوں کے خلاف قانون بنا چکے ہیں، 7 ستمبر ایک تاریخ ساز اور وحدت امت کے حوالے سے لازوال واقعہ ہے۔

”عورت“ اقبال کے کلام میں

مولانا ابوالحسن علی ندوی



جدید اردو شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عربی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے، اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیا اور احساس عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔ 1912ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبد اللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے

ذره ذرہ تری مشیت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمہ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذره ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

خبر 2013ء

انہیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابید و بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار
وہ ”دختران ملت“ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہئے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری با
مسلمان رانہ زہد کافری با
منہ دل بر جمال عازہ پرور
بیا موزاز نگہ عاتگری با

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردے کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حرم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔

خمیر عصر حاضر بے نقاب ست
کشادش در نمود رنگ آب ست
جہاں تابلی ز نور حق پیاموز
کہ ادبا صد جلی در حجاب ست
وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل، ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا۔

خبر 2013ء

جہاں را حلی از مہبات ست
نہادشاں امین ممکنات ست
اگر ایں نکتہ راقوے ندائند
نظام کاروبارش بے ثبات ست
وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں، ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔

مراد اد ایں خرد پرور جنونے
نگاہ مادر پاک اندرونے
ز کتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ کتب نیست جز سحر و فسونے
وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے مہن و لہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔

خبر 2013ء

یہ اثرات مرتب ہوں گے اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پاسکے گی۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزند کی اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے، جو قوم میں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائیدار اور بے اساس ہوتا ہے اور خاندانی امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں، ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اس لئے رونما ہوا کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادی نسواں کی اس تحریک کے اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے، اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں بلکہ پیچیدہ ہو جائیں گی اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبہ امومت ختم ہو جائے گا، ماں کی مامتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھود دیتی ہے وہ علم نہیں بلکہ موت ہے اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت بیگانہ رہے دین سے اگر مدرس زن ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت علم اور بار امومت برنافت برسر شاخش کے اختر نفاست

ایں گل ازستان مانا رستہ بہ
داعش از دامن ملت شستہ بہ
اقبال کے خیال میں آزادی نسواں ہو یا آزادی رجال..... یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ مرد و زن کا ربط، باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے، زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے، ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی اور بالآخر یہ نوع انسانی کا نقصان ہوگا۔

مرد وزن وابستہ یک دیگرند
کائنات شوق را صورت گرانند
زن نگہ دارند تار حیات
فطرت اولوح اسرار حیات
آتش مارا بجان خود زند
جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکنات زندگی
از تب و تابش ثبات زندگی
ارج ما ازار جمندی بائے او
باہمہ از نقشبندی بائے او
اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ درواں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون
☆.....☆.....☆

پیوستہ رہ شجر سے.....

مولانا محمد زاہد

کہتے ہیں کہ ایک عقل مند شخص کا انتقال ہونے لگا، اس نے چاہا کہ اس کے بیٹے اس کی وفات کے بعد اتفاق و اتحاد سے اور یک جاں ہو کر رہیں اور آپس میں اختلاف سے بچیں، اتفاق اور اتحاد کے فوائد سمجھانے کے لئے اس کے ذہن میں ایک عجیب ترکیب آئی، اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ چند لاشیاں جمع کر دو، لاشیاں لائی گئیں، کہا، اس کو باندھ دو، باندھ دی گئیں، پھر سب سے بڑے سے کہا، اس کو توڑ دو، اس نے پوری کوشش کی، لیکن ناکام رہا، پھر اس کے بعد دوسرے سے کہا گیا، پھر تیسرے سے، اس طرح سب نے باری باری زور آزمائی کی، لیکن بے سود، ان کا والد چار پائی پر پڑا یہ تماشا دیکھتا رہا، جب سب عاجز آ گئے تو پھر حکم دیا کہ اب ان لاشیوں کو کھول کر الگ الگ کر دو، الگ الگ کر دی گئیں، حکم ہوا کہ اب اس کو توڑ دو، معمولی سی کوشش سے چند لمحوں میں ساری لاشیاں ٹوٹ گئیں، اب بیٹے سوالیہ نظروں سے والد کی طرف دیکھنے لگے کہ آخر اس سارے عمل کا حاصل کیا ہے، باپ نے کہا، دیکھنا میرے بیٹو! اس میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، وہ یہ کہ اتحاد و اتفاق میں بڑی برکت ہے، آپ نے ان لاشیوں کو دیکھا کہ جب یہ

اکٹھی تھیں تو تم میں سے کوئی اس کو نہ توڑ سکا اور جب یہ الگ الگ ہوئیں تو ان کے توڑنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی، بس یہی کچھ میں آپ سے کہنے والا ہوں کہ میرے بیٹو! اتحاد کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا، آپس میں اختلاف نہیں کرنا، ورنہ تمہاری حیثیت ختم ہو جائے گی اور دشمن آسانی سے تم پر قابو پالے گا اور اگر تم متفق رہے تو کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

بلاشبہ اس دانشور کی بات سو فیصد درست ہے اور اس میں دورائے نہیں ہو سکتیں کہ اتحاد میں بہت برکت ہے، ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں اس کا تو قانون ہی یہ ہے کہ جس کی لاشی اس کی بھینس اور یہاں جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے اور کچھ نہیں، یہاں گفتار جتنا خوشنما، کردار اتنا ہی بدناما، آزادی اظہار رائے، انسانی حقوق، انسانی ہمدردی وغیرہ کے نعرے وہی لوگ لگا رہے ہیں جو انسانیت کے دشمن ہیں، ہمدردی نام کی کوئی چیز ان کے دلوں میں نہیں، ہمدردی ہے تو بس اپنے مفادات سے، آج مسلمانوں کو اپنی منتشر قوت مجتمع کرنے کی جتنی ضرورت ہے، شاید پہلے کبھی نہ تھی، اس امت میں آج بھی الحمد للہ بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں

لیکن بکھری ہوئی، ضرورت ان کو جمع کرنے کی ہے، آج بھی بہت دینی جذبہ موجود ہے، ضرورت اس کے صحیح استعمال کی ہے۔

بہر حال بات یہ ہو رہی تھی کہ منتشر قوت کو اگر مجتمع کیا جائے تو اس کے بڑے فوائد ظاہر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ لاشیوں کے قصے سے واضح ہوا، آئیے مزید وضاحت کے لئے ایک اور قصہ سنیں:

کہتے ہیں کہ ایک جنگل میں تین گائے رہتی تھیں، ایک خوشنارنگت والی سفید، دوسری زرد رنگ کی اور تیسری بدنارنگ والی، تینوں کی آپس میں دوستی ہو گئی، ایک دن شیر نے ان میں سے ایک پر حملہ کیا، تینوں نے مل کر دفاع کیا، یہاں تک کہ شیر کو ناکام واپس ہونا پڑا، شیر اس صورتحال سے کافی پریشان ہو گیا اور اس کو طرح طرح کے دوسو سے تنگ کرنے لگے..... اگر اس طرح کا اتحاد دیگر جانوروں نے بھی کر لیا تو میری بادشاہت کا کیا ہوگا؟ میری حکومت کیا کیا بنے گا؟..... وہ ان سوچوں میں گم تھا کہ مس لومڑی آ پہنچی، پوچھا، بادشاہ سلامت کیوں پریشان ہیں؟ شیر نے پریشانی کی وجہ بتائی، لومڑی بولی، بادشاہ سلامت آپ پریشان نہ ہوں، ہم ان کے اتحاد کو ختم کر دیتے ہیں، شیر نے کہا، وہ کیسے؟ لومڑی نے کہا، وہ رنگ و نسل کی بنیاد پر ان کی تقسیم کر کے، شیر نے کہا، وہ کیسے؟ لومڑی نے کہا، یہ تینوں مختلف نسلوں کی ہیں، سفید اعلیٰ نسل کی ہے اور سب سے زیادہ خوب صورت ہے، اس کے بعد زرد رنگ کی گائے کا درجہ ہے اور کالی نہ تو خوب صورت ہے اور نہ اس کی نسل اچھی ہے، اس طرح ہم تینوں میں پھوٹ ڈال دیں گے، شیر نے لومڑی کو شاباش دی اور اس کو اسی کام پر لگا دیا، لومڑی سفید گائے کے پاس گئی اور کہا، اللہ تعالیٰ نے تجھے اعلیٰ نسل میں پیدا فرمایا، تجھے خوب صورت رنگت سے نوازا، آپ کی دوستی اعلیٰ نسل والوں کے ساتھ ہونی چاہئے، یہ کالی گائے آپ کی دوستی کے قابل ہرگز نہیں ہے، آپ کو اگر دوستی ہی

کرنی ہے تو زرد رنگ کی گائے موجود ہے، وہ بھی اگرچہ آپ کی ہم پلہ نہیں، تاہم نہ ہونے سے بہتر ہے اور بس کالی کلوٹی کی تو کوئی ضرورت نہیں، آپ کے ساتھ گھومے پھرے، دوسرے اس کو آپ کے برابر سمجھتے ہیں، پھر وہ زرد کے پاس گئی اور وہاں بھی اس قسم کی گفتگو کی اور یوں ان دونوں اور کالی کے درمیان فاصلے پیدا کر دیئے، پھر شیر سے کہا کہ اب کالی پر حملہ کر، تجھے کچھ بھی نہیں ہوگا، شیر نے حملہ کیا اور واقعی اسے کچھ بھی نہیں ہوا، باقی دونوں تماشا دیکھتی رہیں، پھر لومڑی نے سفید کے کان بھرے اور شیر کو زرد پر حملہ کرنے کو کہا، شیر نے حملہ کیا اور زرد گائے کو شکار کر لیا، اب شیر کے سامنے راستہ صاف تھا، تیسرے دن جب وہ سفید گائے پر حملہ کرنے لگا تو وہ بولی، ہائے یہ حملہ تو مجھ پر آج سے تین دن پہلے کیا گیا تھا، جب شیر کالی کو چیر پھاڑ رہا تھا، ہائے ہائے..... مگر اب اس کے ہائے ہائے نے کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور سنبھلنے کا وقت نہ رہا تھا۔

یہ محض قصہ نہیں بلکہ یہ اپنے دامن میں عبرتوں کا بہت بڑا سامان رکھتا ہے عقل والوں کے لئے اس میں بہت کچھ ہے، آج بھی امت مسلمہ کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔

ان کو قومی، علاقائی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے اور ”پسند“ کی کلہاڑی سے اس کے ٹکڑے کئے جا رہے ہیں، کوئی جدت پسند، کوئی ترقی پسند، کوئی قدامت پسند، کوئی شدت پسند، کوئی اعتدال پسند، حالانکہ مسلمانوں میں ایسی کوئی تقسیم نہیں بلکہ یہ محض شرارت پسند کافروں کی ایک چال ہے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق ہمارے اندر تقسیم در تقسیم کا عمل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی تنزلی کے بہت سارے اسباب ہیں اور مسلمان اس وقت ہر قسم کے تنزل کے شکار ہیں، سیاسی سطح پر، معاشرتی سطح پر اور دینی سطح پر بگاڑ ہی بگاڑ ہے، تنزل کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ایک

ایسے مرکز سے محرومی ہے جو ان کی منتشر قوتوں اور صلاحیتوں کو یکجا کر دے، جو ان میں موجود خوابیدہ صلاحیتوں کو تلاش کرے اور اجاگر کر کے اس کا صحیح استعمال کرے، جس میں علم، عبادت و ذکر، تزکیہ اور جہاد کا حسین امتزاج ہو، جو کارکنوں کو علم شریعت کی روشنی میں صحیح رخ دے جو علاقائیت اور لسانیت کے جراثیم سے پاک اور جہاد دشمن عناصر کے اثر سے آزاد ہو، جو جہاد سے حاصل ہونے والے نتائج کو پوری طرح سمیٹ سکے جو جہاد دشمن عناصر کو مجاہدین کے پاک خون سے حاصل ہونے والے مبارک نتائج پر اپنی سیاست کی دکان چکانے سے باز رکھ سکے۔

آج الحمد للہ امت میں بیداری ہے، قربانیاں ہیں، جذبہ ہے، وسائل ہیں اور منتشر کوششیں بھی، لیکن کچھ کوششیں علم کی روشنی سے محروم ہیں، کچھ پر علاقائیت، قومیت اور لسانیت کی چھاپ ہے اور کچھ شریعت کے متوازن حدود سے باہر، ضرورت ان کوششوں کو ایک ایسے مرکز کے تحت لانے کی ہے جو مذکورہ بالا تمام خامیوں سے حتی الوسع پاک ہو، جس میں جہاد کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا اچھا انتظام ہو۔

آج بیسیوں ایسے مسائل جو ہمارے لئے درد سر بنے ہوئے ہیں چٹکیوں میں حل ہو سکتے ہیں، لیکن ہائے افسوس خلافت سے محرومی، یقیناً جانتے، ایسے مسائل جو معاشرے، ملک، امن اور علم و دین کے لئے وبال جان بن گئے ہیں، جن کے حل کرنے سے ہمارے دانشور عاجز آچکے ہیں، دنوں اور ہفتوں میں حل ہو سکتے ہیں اگر خلافت ہو۔

ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ انقلاب آنے والا ہے، خلافت کی دستک سنائی دے رہی ہے، گھٹا ٹوپ اندھیریوں سے آزادی ملنے کو ہے، بس ہمیں محنت کرنی ہے، انتھک محنت، غیر معمولی محنت، خلافت کے لئے زمین ہموار کرنے کی، ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں، منزل

قرب ہے، ان شاء اللہ اخلاص کے ساتھ محنت ہوگی تو بار آور ضرور ہوگی، ذرا تم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔

جماعت، اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، بنی اسرائیل منتشر تھے، مرکز اور جماعت سے محروم تھے، ذلت کی وادیوں میں خوار ہو رہے تھے، کٹ رہے تھے، پٹ رہے تھے، مر رہے تھے، جان محفوظ تھی، نہ آبرو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت طالوت کی شکل میں مرکز اور جماعت سے نوازا، تو اندھیریاں روشنیوں میں، پستیاں بلند یوں میں تبدیل ہو گئیں، غلامی اور ذلت کی وادیوں سے نکل کر آزادی اور سر بلندی کی کھلی فضا نصیب ہوئی، صدیق کی صداقت، فاروق کی شدت، علی کی شجاعت، مہاجرین کی قربانیاں اور انصار کی جاں نثاری کی منتشر صلاحیتوں کو جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں مرکز اور جماعت ملی، فضائے بدر بنی جو تاحال جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہی ذات ہے جس نے آپ کو تقویت پہنچائی، اپنی نصرت سے اور منوں سے، اور ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا، اگر آپ زمین بھر کے خزانوں کو خرچ کرتے، تب بھی آپ ان کے دلوں کو جوڑنے پر قادر نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ید اللہ علی الجماعة“ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہے۔ یعنی

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں جماعت کی مثال شجر کی ہے اور فرد کی مثال شجر سے کٹی ہوئی ٹہنی کی ہے، ٹہنی کو زندگی چاہئے تو شجر سے پیوستہ رہنا ہوگا، بہار کی امید تو شجر سے الگ رہ کر کی ہی نہیں جاسکتی۔ ملت کے ساتھ ربط استوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ ☆.....☆.....☆

امان جی



مرحومہ و مغفورہ

مولانا عبد القیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز، روح پرور اور ایمان افروز داستان عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ایک ایسی داستان، جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے

محنت مزدوری اور مشقت:..... اماں جی مرحومہ و مغفورہ کھجور کے پتوں سے چٹائیاں بن کر اور لوگوں کے کپڑے سی سی کر شب و روز محنت و مزدوری کر کر کے راتیں جاگ جاگ کر جو کچھ ہفتہ بھر میں کماتیں، اس میں سے اپنے گھر کا اور بچوں کا بقدر کفاف گزارا کرتے کر باقی پونجی مجھے نا اہل کے حوالے کر دیتی تھیں اور میں نجم المدارس کلاچی میں اپنی حماقتوں اور کم عمری اور نادانی کی وجہ سے عیثیات اور فضولیات میں صرف کر ڈالتا تھا، اللہ مجھے معاف کرے، دوسرے ہفتے جب گھر جاتا تو والدہ نے ہفتہ بھر میں بچا بچا کر جو کچھ کمایا ہوتا، میرے حوالے کر دیتی تھیں۔

مجھے یاد ہے کہ میرے زمانہ طالب علمی میں والد صاحب کی وفات کے بعد ہم نے گھر میں چینی تو کجا اچھا گڑ بھی نہیں دیکھا تھا، ”رکت گڑ“ جو انتہائی فرسودہ اور بچا کچا ہوا کرتا تھا، جو ہمارے ہاں بھینس وغیرہ کو بعض بیماریوں کے معالجہ میں کھلایا جاتا تھا، ہم گھر میں اس کی چائے پیتے تھے اور یہ بات سالوں سال چلتی رہی، یہ سب کچھ میری والدہ اور یتیم بہنیں برداشت کرتی رہیں، مگر مجھے تعلیم کے لئے اخراجات کھلے دل، کھلے ہاتھ اور

سمسپری کی حالت:..... ایک مرتبہ بارشوں نے طواالت پکڑی، گلی کو چے بنے لگے، کچے گھر اور کمزور چھتیں، ہمارا کون تھا، جو ہمیں پوچھتا، میں خود کلاچی نجم المدارس میں زیر تعلیم تھا اور مسافر تھا، آس پاس بڑوں میں کوئی اتنا فرد بھی نہیں تھا، جو اس غریب و نادار اور مفلس یتیم کے گھرانے کا پوچھ لیتا کہ کیسے گزر رہی ہے۔

ہمارے دیہانی ماحول میں اونٹوں، گدھوں پر سوختی لکڑیوں کے بار بازار میں آتے اور فروخت ہو جاتے، یہ لکڑیاں بطور ایندھن استعمال ہوتی تھیں، دو ہفتوں سے مسلسل بارش کی وجہ سے لکڑیاں بھی بازار میں آنا بند ہو گئیں اور اگر کوئی بار آتا بھی تھا تو وہ آتے ہی فروخت ہو جاتا تھا، میں بغرض حصول تعلیم سفر میں تھا، گھر میں اتنا فروغ بھی نہیں تھا، جو بارشوں اور سردی کے ایام میں لکڑیاں خرید کر ہمارے گھر بھیجا دیتا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک صبح گھر میں ایندھن کا کوئی انتظام نہیں تھا کہ بچوں کے لئے چائے بنائی جاسکے، میری یتیم بہنیں یہ حالت دیکھ کر بے قابو ہو گئیں اور رونے لگیں۔

سورۃ یسین کی برکتیں:..... اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے فرمایا: لخت جگر! یہ سارا کام اللہ کا ہے، کسی مخلوق کی منت سماجت کرنے کے بجائے اپنے خالق سے کیوں نہ مانگا جائے، سب کو بٹھا کر یسین پڑھوانا شروع کر دیا، پڑوس میں ایک خاندان کو یہ سوچھی کہ وہ کیوں نہ بے آسرا اور یتیم خاندان کو مزید ستا کر اپنے غصہ و انتقام کی آگ بجھانے اور مرغ بکل کی طرح تڑپنے والے یتیموں کو مزید تڑپا کر اپنے انتقامی جذبات کو ٹھنڈک پہنچائے، چنانچہ انہوں نے اپنے گھر میں موجود کانٹوں بھری لکڑیوں کو ہمارے گھر پھینکنا شروع کر دیا اور مسلسل پھینکتے رہے اور دل کی بھڑاس نکالتے رہے، میری بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں۔

اماں جی نے فرمایا: بیٹیو! ہرگز نہ رونا، یسین شریف کے برکات ظاہر ہو رہے ہیں، ایک مرتبہ پھر پڑھ لو یہ اللہ

کی عنایت ہے، دشمن کے شر میں اللہ نے خیر کا پہلو ڈال دیا ہے، ابھی دوسری مرتبہ یسین کا ختم مکمل نہیں ہوا تھا کہ گھر ایندھن سے بھر گیا، والدہ بتایا کرتیں، اتنا ایندھن ملا کہ مزید ایک ہفتے تک ہمیں بازار سے لکڑی خریدنے کی حاجت پیش نہیں آئی۔ (اللہ اکبر)

نقش ہزار رنگ:..... ماں کے تصور کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا خیال آتا ہے، ان کی رفعتوں کا خیال آتا ہے، ان کی بے شمار صفتوں کا خیال آتا ہے اور کیا کیا کچھ یاد نہیں آتا اور مارنے اور جلانے والے نے اپنی قوت تخلیق کا کچھ حصہ ماں کو بخش دیا ہے، پھر خطا پر عطا کی صفت اسے دی ہے، پالنے پوسنے کا حوصلہ دیا اور ایسا جذبہ خدمت کہ نہ اس کی حد ہے نہ حساب، پھر ماں کا تصور تشنہ ہی رہتا ہے اور یہ تشنگی ایسی ہے کہ مدام ہے جو خون جگر پلا پلا کر اپنے نونہالوں کو پروان چڑھائے، اس کی منزلت کا احاطہ کون کرے، کیسے کرے؟ ممتا کیا ہے؟ اسے محسوس تو کر سکتے ہیں، بیان نہیں کر سکتے، ہاں کچھ ادھوری باتیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ کوئی ماں نبی نہیں بنی، لیکن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے لئے بھی خالق عالم نے ماں کا وجود ضروری سمجھا، کیا کیا شرف ہے، جو ماں کی ذات سے وابستہ نہیں ہے، اس نقش کے ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ ٹیکھا ہے۔

والد مرحوم کی علالت اور خدمت:..... احقر آٹھویں جماعت (اسکول) میں زیر تعلیم تھا کہ والد صاحب مرحوم طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ایام علالت میں ان کی خدمت، تیمارداری، سنبھالنے اور ہر ممکن راحت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، میری عمر اگرچہ اتنی پختہ نہیں تھی اور زمانہ بھی لاشعوری کا تھا، مگر اب بھی والد صاحب کی علالت، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی صبر آزمائیت اور تحمل و برداشت کا تصور جب بھی آتا ہے تو یقین کیجئے کہ ورطہ حیرت میں

ڈوب جاتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کہ اچھی سے اچھی اولاد اور پیارے سے پیارے بھائی اور بڑے بڑے حوصلوں والے مرد بھی ہوتے تب بھی ہمت ہار جاتے۔ ہفتہ اور مہینہ نہیں بلکہ سالوں والد مرحوم کی چار پائی پر الٹنا پلٹنا، بول و براز چار پائی پر، سنبھالنا اور صاف کرنا، زخموں پر مسلسل ادویات اور بروقت اس کا اہتمام کرنا، صبح و شام پر ہیزی کھانے کا اہتمام، چوزے خرید خرید کر اور بچہ بنانا کرکھلاتا۔

والد مرحوم کی طویل علالت نے گھر کی تمام پونجی بھی تو ان ہی پر لگوا دی تھی، اماں جی مرحومہ و مغفورہ کے زیورات خود انہوں نے اپنی خوشی سے بیچ دیئے، گھر میں کوئی بھی قیمت رکھنے والی ہوتی، اماں جی اسے بخوشی بیچ کر والد مرحوم کی ادویات پر صرف کر دیتی تھیں، اماں جی نہ صرف یہ کہ بیماری کی خدمت تک محدود رہیں بلکہ ان ایام میں گراں بہا ادویات کے اخراجات، اولاد کی تعلیم اور گھر کے مصارف کے لئے اپنے محدود دائرہ کے اندر رہ کر کوشش کرتیں اور کامیاب رہتیں۔

اللہ پاک یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں:..... ایک روز اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی والد مرحوم سے ان کے شدید ایام علالت میں اولاد کی اصلاح اور تعلیم کی بات چلی تو ڈیڈ بانی آنکھوں اور بھرائے لہجے کے ساتھ فرمانے لگیں، اللہ کریم آپ کو صحت دے کہ آپ والد ہیں اور والد کا سایہ بڑی رحمت ہوتا ہے۔ والد صاحب نے فرمایا: ”لاریب! والد ایک سایہ اور سہارا ہوتا ہے مگر جب وہ چلا جاتا ہے تو خود اللہ پاک ہی ان یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں۔“

والد صاحب کی رحلت کے بعد ہم تین بہنیں اور ایک بھائی یتیم رہ گئے، بظاہر اسباب جتنے بھی سارے تھے، وہ حالات کی رو میں بہہ گئے، اس معاشرے میں غربت بھی جرم ہے، یتیمی بھی جرم، اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں اور

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات اس دوران میں نے نڈل اسٹینڈرڈ کا امتحان دے دیا اور آٹھویں جماعت کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ عمامہ کا اہتمام:..... اس موقع پر یہ بھی یاد آیا کہ ان دنوں نڈل کا امتحان بھی بورڈ کے تحت ہوا کرتا تھا، ہمارا امتحانی سینٹر ”کلاچی“ مقرر ہوا کہ اپنے گاؤں میں اسکول نڈل تک تھا، چودھوان سے براستہ ڈیرہ کلاچی کوئی 140 کلومیٹر کا سفر تھا، سڑکیں بھی کچی تھیں، سارا دن سفر میں لگ جایا کرتا تھا، اسکول ٹیچرز نے طلبہ سے رقم جمع کی اور آٹھویں جماعت کے تمام طلباء کو کلاچی لے جایا گیا، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق میرے لئے زادراہ کا اہتمام کیا، کپڑے سلوائے، بجائے ٹوپی یا رومال کے اس وقت عمر کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ٹوپی پہنا دی جاتی یا عام طالب علموں کی طرح ننگے سر رہنے دیا جاتا تھا، مگر والد ماجدہ نے ایک بڑی پگڑی خرید کر ساتھ دے دی کہ اسے سر پر باندھا کرو، مجھے بھی پگڑی سے محبت تھی، آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، سر پر عمامہ باندھ لیا، جب تک کلاچی رہا، عمامہ باندھے رہا، واپسی اسی عمامہ میں ہوئی، میرا عمامہ سب کی نگاہوں کا ہدف تھا، کبھی خندہ استہزاء، کبھی تعجب اور کبھی حیرت و استعجاب، مگر میں نے ایک ہی بات اپنائے رکھی کہ اماں جی نے کہا تھا کہ پگڑی باندھنا اب پگڑی ہی باندھا کروں گا۔ جب سے اب تک عمامہ عمل بھی ہے اور عادت بھی اور اتنا راج بس گیا ہے کہ شدید گرمی میں بھی بغیر عمامہ کے یوں لگتا ہے، جیسے سر پر کچھ نہ ہو۔

حدود زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا نہ غیروں نے توجہ دی نہ اپنا کوئی کام آیا میٹرک کے لئے داخلہ کا مرحلہ:..... اب میٹرک کے لئے داخلہ کا مرحلہ تھا، اپنے گاؤں ”چودھوان“ میں اس وقت ہائی اسکول نہیں تھا، کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مجھے یتیم خانے میں داخل کرایا جائے، اماں جی مرحومہ و

مغفورہ کی رائے تھی کہ قریب کے گاؤں ”دراہن کلاں“ کے ہائی اسکول میں داخل کرایا جائے کہ میرے سارے کلاس فیلو بھی وہاں داخلہ لے رہے ہیں، ہفتے میں چھٹی ہوگی تو گھر بھی آنا جانا ہو سکے گا اور جگہ بھی قریب ہے، آخر ایک بیٹا ہے، اسے کیونکر اپنے دامن سے دور رکھا جائے، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے ہمارے گھر سے متصل میرے چھوٹے چچا جان مرحوم سے کہہ دیا کہ عبدالقیوم کو یتیم خانے میں داخل کرنے کے لئے ڈی آئی خان لے جایا پھر قریب کے گاؤں دراہن کلاں ہائی اسکول میں داخل کرادو تو احسان ہوگا، چچا جان نے حامی بھری، اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے کپڑے تیار کئے، صندوق اور سامان درست کیا، صبح نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا کر کہا، بیٹے! اب انتظار کرو، جب چچا جان کہیں گے تو فوراً ساتھ چلے جانا۔

طویل انتظار کے بعد جب اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے چچا جان کی دیوار پر دستک دی، ہمارے اور چچا جان مرحوم کے گھروں کے درمیان ایک دیوار حائل تھی اور پوچھنا چاہا کہ چچا جان کا کیا پروگرام ہے؟ تو محترمہ چچی صاحب نے از خود کہہ دیا کہ چچا جان فرماتے ہیں کہ عبدالقیوم کی والدہ خود باہمت اور بہادر خاتون ہے، اپنے بچے کو جہاں بھی چاہے خود داخلہ دلا دے، اماں جی نے سنا تو نہ گھبرائی اور نہ پریشان ہوئی اور نہ بزدل خواتین کی طرح واہ لایا اور نہ کسی کا گلہ اور شکایت کی کہ ان کے مزاج میں شکوہ کا عنصر کم اور شکر کا زیادہ تھا، بڑے صبر و تحمل کے ساتھ مجھے ساتھ لیا، بس میں بیٹھے اور ہم دراہن کلاں پہنچ گئے، یہ اس دور کی بات ہے کہ چودھوان اور دراہن کے درمیان چلنے والی بس پورے ایک گھنٹہ اور کبھی اس بھی زائد وقت میں ٹوئیل کی مسافت طے کرتی تھی، دراہن پہنچے تو اماں جی مرحومہ و مغفورہ نے والد صاحب مرحوم کے ایک دوست جناب کالو خان ماسٹر کے گھر کا انتہائی پیہ معلوم کیا، مجھے ان کے گھر لے گئیں، ان سے داخلہ کی بات کی، وہ والد مرحوم

کے شناسا تھے، انہوں نے قدر کی نصف فیس کے معاف کرانے کا وعدہ کیا، اماں جی مطمئن ہو گئیں۔

جب واپس لوٹے، اصل منظر وہی ہے، جواب بھی تصور میں آتا ہے تو رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تڑپا کے رکھ دیتا ہے، ایک اٹھنی (نصف روپیہ) کرایہ ہوا کرتا تھا، اب واپسی کا کرایہ ندارد۔ بوڑھی اماں جی نے کہا، بیٹے! تم تو جوان ہو، کیا اٹھنی لگا کر فضول خرچی کریں گے، چلے پیدل چلتے ہیں، صحت بھی بنے گی، تیرے ساتھ رفتار میں میرا مقابلہ بھی ہوگا اور فضول اخراجات سے بھی بچ جائیں گے، وہ مجھے یہ نہیں محسوس ہونے دیتی تھیں کہ ان کے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں ہے۔

اولاد کی تربیت، تعلیم، دل جوئی اور حفاظت عزت نفس کا کتنا پیارا اور حکیمانہ انداز ہے، مرحومہ و مغفورہ اسی آگ کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر اور تیر تیر کر ہم فقیروں کی تربیت کر رہی تھیں۔

یہ عشق نہیں آسان، بس اتنا سمجھ لیجئے اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے شدت کی یارش، رات کی تاریکی اور اماں جی کا طویل پیدل سفر:..... جب چلے تو عصر کا وقت تھا، کالے بادل منڈلا رہے تھے، بوندا باندی بھی جاری تھی، رعد و برق کا منظر ڈراؤنا تھا، سڑک کے دونوں طرف درخت، رات کے اندھیروں کی ظلمتوں اور بادلوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں نے آخری وقت کے اجالوں کو بھی رات کی تاریکیوں میں تبدیل کر دیا تھا، ہم دونوں بوڑھی اماں جی اور اس کا اکلوتا بیٹا عبدالقیوم سڑک کے کنارے کنارے پیدل چل رہے ہیں کہ مینہ برسنے لگا، کپڑے گیلے ہو گئے، اس زمانہ میں پختہ سڑکیں کہاں تھیں؟ سڑک ساری کیچڑ اور دلدل، پانی کے نالے بہنے لگے اور بعض اوقات گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گزر رہے ہیں، والدہ کی زبان پر اللہ کا ذکر، درود شریف کی کثرت، میری حوصلہ افزائی کے لئے دل لگی کی باتیں، ہمت آفرینی کے لئے

تیرے عشق کی انتہا چاہئے



چائے دے دیں۔“ انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بتایا اور ساتھ ہی اماں ہاجرہ کو آواز لگائی۔

”آپ نے ڈاکٹر کو چیک کروایا ابو؟“ وہ فکر مندی سے ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

”ہاں، ڈاکٹر عرفان کے کلینک گیا تھا، تم پریشان مت ہو۔“ انہوں نے کہا تو امین نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا، ان کے چہرے پر تھکن کے اثرات تھے۔

”آپ اپنے کمرے میں چل کر آرام کریں ابو، میں

”کیا ہوا امین! کچھ بتاؤ تو سہی۔“ ابو نے وہاں گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں ابو! بس یہ بک پڑھ رہی تھی ناں، آپ آئیں اندر چلیں۔“ وہ آنسو صاف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اٹھ گئے۔

”آج آپ جلدی آگئے ابو! خیریت تو تھی ناں۔“ اس نے پوچھا۔

”ہاں، بس بی بی تھوڑا ہائی ہو گیا تھا، اماں ہاجرہ

بنے گایا کارخانے میں کلرک لگے گایا اسکول میں ٹیچر کی پوسٹ ملے گی، پھر اس کی تنخواہ ہوگی، اس سے گھر کے مصارف بھی پورے ہوں گے اور فقر و غربت کے سائے بھی ہٹ جائیں گے۔

دسویں جماعت کے امتحان میں کامیابی..... دسویں جماعت کا مرحلہ آیا تو دینی کتابیں بھی مطالعہ میں رہنے لگیں، ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور، ماہنامہ تبصرہ لاہور، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، ماہنامہ البلاغ کراچی، ماہنامہ بینات کراچی بالخصوص خدام الدین کی قدیم فائلوں کا مطالعہ ہوتا رہا، رات کو ہاسٹل میں قیام ہوا کرتا تھا، میں کورس کی کتابوں کے بجائے مطالعہ کے اوقات میں دینی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، جب دور سے ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ کے پاؤں کی آہٹ محسوس کرتا تو فوراً زیر مطالعہ دینی کتاب یا اسلامی پرچہ رکھ دیتا اور دکھلا دے کے لئے کورس کی کتاب ہاتھ میں پکڑ لیتا، جب سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لے جاتے، میں اپنی دینی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

اوائل میں جب اساتذہ نماز کے لئے کہتے یا نماز کا وقت ہوتا تو کبھی کبھار صرف خانہ پری کے لئے بے وضو نماز بھی پڑھ لیا کرتا، مگر حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحلیم مرحوم (فاضل دیوبند) کی صحبتوں، حیات امیر شریعت اور دینی کتابوں کے مطالعہ و استفادہ کا نقد فائدہ یہ حاصل ہوا کہ میٹرک کے انتہائی زمانہ میں بے وضو سونا بھی گوارا نہ تھا، میٹرک کے امتحان کے لئے احقر نے کوئی تیاری نہیں کی تھی، دینی کتابوں کا مطالعہ ہی سب سے بڑا سرمایہ تھا، اللہ نے لاج رکھ لی اور میٹرک میں اچھے نمبروں سے کامیابی عطا فرمائی، اماں جی مرحومہ و مغفورہ میری دسویں جماعت کی کامیابی پر بہت خوش تھیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازی رہتی تھی۔

(جاری ہے).....

واہ واہ اور جزاک اللہ، گھر پہنچے تو رات کافی بیت چکی تھی، آبادی میں بھی خاموشی کا سماں تھا، گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے، دروازہ کھٹ کھٹایا تو یتیم بہنیں بارش، بادلوں اور رعد و برق کے خوف اور رات کے سنائے کی وجہ سے سبھی سبھی تھیں، تینوں بہنوں نے ڈرڈر کر دروازہ پر آ کر نام پوچھا، جب انہیں اطمینان ہوا تب دروازہ کھولا تو ان کی بھی جان بھی جان آئی اور ہمیں بھی سکھ کا سانس نصیب ہوا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

دھڑکتے ہوئے دل کی دعاؤں کے ثمرات..... اب پتہ لگتا ہے والدہ کیا ہوتی ہے، اس کی محبت کیا ہوتی ہے، کیا محنت ہوتی ہے، کیا شفقت ہوتی ہے، اس نے مجھے تعلیم دلانے کے لئے کیا کیا مراحل طے کئے، اگر وہ دن نہ ہوتے، والدہ کی شفقت، محنت اور ریاضت و مجاہدہ نہ ہوتا، درابن کلاں کا سفر نہ ہوتا، رات کی واپسی پیدل نہ ہوتی اور ان کے دھڑکتے ہوئے دل کی دعاؤں نہ ہوتیں تو شاید آج مجھے اپنے قارئین سے یہ عبرت انگیز اور حیرت افزا داستان سناتے کا موقع بھی نہ ملتا، باری تعالیٰ مرحومہ و مغفورہ کو ایک ایک قدم بلکہ ایک ایک سانس کے بدلے کروڑوں کروڑوں درجات سے فراز فرمائے، خداوند کریم اہلیت و استعداد اور توفیق دے کہ ہم گنہگار اماں جی مرحومہ و مغفورہ اور والد محترم کے لئے واقعتاً بھی صدقہ جاریہ بن سکیں، ورنہ والدہ تو والدہ ہے، ان کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باپ اپنے گیارہ بیٹوں کی پرورش کر سکتا ہے مگر گیارہ بیٹے ایک باپ کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے اور والدہ تو اس سے بھی عظیم تر استحقاق رکھتی ہیں اور ان کے حق کی ادائیگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔

درابن ہائی اسکول کے ہاسٹل میں..... دو سال میں نے درابن ہائی اسکول میں گزارے، جمعرات کو گھر آ جایا کرتا تھا، والدہ اور یتیم بہنوں کی مجھ سے بہت توقعات تھیں کہ ہمارا عبد القیوم میٹرک کر لے گا تو فوج میں بابو

چائے وہاں ہی لے آتی ہوں۔“ اس نے ان سے کہا۔
”چائے تو آگئی ہے۔“ اسی لمحے اماں ہاجرہ نے
چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھی۔

”میں چائے بناتی ہوں، ابو آپ چائے کے ساتھ
کچھ اسپکس وغیرہ لے لیں۔ مجھے آپ کی طبیعت ابھی
بھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ اس نے فکر مندی سے کہا تو
مصطفیٰ صاحب کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔

”اتنی بڑی ہوگئی ہو امن!“ اس کا اتنا خیال رکھنے
والا انداز دیکھ کر انہوں نے کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر
چائے بنانے لگی، تبھی فون کی بجنے والی بیل نے اسے
متوجہ کر لیا، چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر اس نے
فون کار سیور اٹھالیا۔ دوسری طرف مٹی تھی۔

”کیسی ہوئی!“ اس کی آواز سن کر وہ پر جوش ہوگئی۔
”میں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں۔ آئی، انکل اور ڈولی
کیسی ہیں؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”سب ٹھیک ہیں، تمہیں ایک سر پرانزنگ نیوز
سنائی تھی۔“ دوسری طرف سے اس نے چہکتے ہوئے کہا۔
”کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہم سب فرانس جا رہے ہیں۔“ اس نے خوشی
خوشی بتایا۔

”کیوں؟“ امن نے حیرت سے پوچھا۔
”بھئی چھٹیاں گزارنے کے لئے۔“ اس نے کہا۔
”اچھا، کب جانا ہے؟“ امن نے پوچھا۔
”آج رات بارہ بجے کی فلائٹ سے۔“ اس نے
جواب دیا۔

”اتنی جلدی، واپس کب آؤ گے؟“ امن نے پوچھا۔
”ہاں، پاپا نے ہمیں سر پرانز دیا ہے، ایک ماہ کا ٹور
ہوگا۔“ مٹی نے بتایا۔

”یعنی ایک ماہ بعد ملاقات ہوگی۔“ امن نے کہا۔
”ہاں، اس طرح کرو تم بھی اپنے ابو کے ساتھ کہیں
گھومنے چلی جاؤ۔“ مٹی نے اسے مشورہ دیا۔

”ہاں، ابو سے کہوں گی۔“ اس نے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے، پھر آکر کال کروں گی۔“ مٹی نے کہا۔
”اوکے، خدا حافظ۔“ امن نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
”امن تمہارے پاس عائدہ کا نمبر ہے؟“

ریسیور رکھ کر مٹی تو اس نے ابو کی آواز سنی۔ وہ صوفے کی
پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند نیم دراز تھے۔

”جی ابو۔“ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا، آج
سے پہلے تو وہ مٹی اور عائدہ کے بارے میں کوئی بات بھی
نہ سنتے تھے۔

”آج جب میں آفس سے نکل رہا تھا تو میں نے
عائدہ کو رافدہ کے ساتھ ڈاکٹر عرفان کے کلینک سے باہر
نکلنے ہوئے دیکھا، عائدہ بہت بیمار لگ رہی تھی، وہ بہت
ویک ہوگئی ہے، تمہاری عائدہ سے لاسٹ ٹائم کب بات
ہوئی تھی۔“ انہوں نے ذرا ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر اس
کی طرف دیکھا، جو کہ ان کی بات سن کر پریشان ہوگئی تھی۔

”امن! عائدہ کو فون کر کے پوچھو، اسے کیا ہوا
ہے۔“ انہوں نے پھر یونہی آنکھیں موند کر کہا تو اس نے
اثبات میں سر ہلادیا اور فون گود میں رکھ کر نمبر ڈائل کرنے
لگی، تیسری بیل پر کسی ملازمہ ٹائپ لڑکی نے فون اٹھایا تو
اس نے عائدہ کو بلانے کا کہا۔

”آپی!“ اس کی آواز سنتے ہی عائدہ مسک اٹھی۔
”میری جان! کیا ہوا ہے آپ کو؟“ اس نے پوچھا۔
”آپی! مجھے بخار ہو رہا ہے، میں نے گھر آنا ہے،
مجھے گھر لے جاؤ آپی۔“ عائدہ نے کہا تو امن نے بے بسی
سے ہونٹ کاٹتے ہوئے ابو کی طرف دیکھا۔

”عائدہ! ابو سے بات کرو۔“ امن نے کہا اور فون
مصطفیٰ صاحب کے کان سے لگا دیا، دوسری طرف عائدہ
یقیناً رو رہی تھی، امن نے ابو کی جانب دیکھا، آج ان کا
چہرہ ساٹ نہیں تھا۔

”میں آپ کو کل آکر لے جاؤں گا بیٹا، آپ رو
نہیں۔“ امن نے ابو کو کہتے سنا۔

”نہیں صرف آپ کو۔“ انہوں نے دوسری طرف
سے اس کی بات سن کر کہا۔

”اوکے، اب آپ آرام کرو، میڈیسن لی تھی آپ
نے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”چلو، ٹھیک ہے، سوپ پی کر اچھے بچوں کی طرح
میڈیسن لے کر سو جانا۔“ ابو نے کہا۔

”خدا حافظ!“ انہوں نے یہ کہہ کر فون امن کے
ہاتھ سے لے کر کریڈل پر رکھ دیا۔

”اب آپ بھی آرام کر لیں، میں کھانا آپ کے
روم میں بھیج دوں گی۔“ امن نے کہا تو وہ سر ہلاتے
ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

امن نماز پڑھ کر پکچن میں آگئی، جہاں اماں ہاجرہ
روٹی پکا رہی تھیں، ابو کا کھانا ان کے کمرے میں پہنچا کر
اس نے خود اماں ہاجرہ کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر عشاء کی
نماز کے بعد وہ دودھ کا گلاس لے کر ابو کے کمرے میں
آئی تو ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی، وہ بری طرح پسینے
میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ سے مسلسل اپنے
سینے کو مسل رہے تھے۔

”ابو! ابو! کیا ہوا آپ کو؟“ وہ دودھ کا گلاس ٹیبل پر
رکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

”امن! میرے میڈیسن باکس میں سے وہ چھوٹی
گولی نکال دو جو زبان کے نیچے رکھتے ہیں۔“ انہوں نے
بیشکل کہا تو اس نے جلدی سے گولی نکال کر انہیں دی،
جو انہوں نے زبان کے نیچے رکھ لی۔

”آپ کو کیا ہوا ہے ابو، ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“
امن نے کہا۔

”نہیں، میں ٹھیک ہوں، بس دل بہت گھبرا رہا تھا،
ابھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ انہوں نے آہستہ
سے کہا۔ تو امن خاموش ہوگئی۔ مگر کچھ دیر بعد ان کی
حالت سنبھلنے کے بجائے اور بگڑ گئی، امن نے بے تحاشا
گھبرا گئی۔

”اماں ہاجرہ! اماں ہاجرہ!“ اس نے جلدی جلدی
انہیں آواز دیں۔

”اماں ہاجرہ! جلدی سے تنویر انکل کو بلا لائیں، ابو کی
طبیعت بہت خراب ہے۔“ ان کے کمرے میں آتے ہی
اس نے کہا تو وہ جلدی باہر نکل گئیں۔ مصطفیٰ صاحب
مسلسل ہاتھ سے بائیں طرف سینے کو مل رہے تھے، امن
نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ان کا
بازو دبائے لگی۔

”امن! تنویر صاحب تو عمرے پر گئے ہوئے
ہیں۔“ اماں ہاجرہ نے آکر بتایا تو امن پریشان ہوگئی۔

”ڈرائیور سے کہیں کہ گاڑی نکالیں اور کارڈ لیس
مجھے دیں۔“ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ اماں ہاجرہ نے کارڈ
لیس اسے تھمایا تو اس نے مسز وقار کے گھر کا نمبر ڈائل کیا،
مگر دوسری طرف بیل ہوتی رہی اور کسی نے فون نہ اٹھایا،
رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

”افو! وہ لوگ تو ایئر پورٹ جا چکے ہوں گے، اب
کیا کروں۔“ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
پھر کچھ سوچ کر اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

”مٹی سے کہیں کہ ابو کی طبیعت بہت خراب ہے،
میں انہیں ہسپتال لے کر جا رہی ہوں، امن بات کر رہی
ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز سن کر اس نے کہا۔

”آغا خان۔“ اس نے یہ کہہ کر کارڈ لیس وہیں
صوفے پر پھینک دیا، ابو کے چہرے پر شدید اذیت اور
کرب کے اثرات تھے، ڈرائیور آگیا اور ابو کو گاڑی میں
لٹا کر وہ وہیں ان کے قریب ہی بیٹھ گئی اور ہولے ہولے
اپنے ہاتھ سے ان کے سینے کو ملنے لگی، جتنی دعائیں،
سورتیں اسے زبانی یاد تھیں، وہ ورد کرتی ہوئی ابو کے اوپر
دم کرتی رہی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ آئی فاطمہ نے بتایا
تھا کہ سورۃ فاتحہ میں شفا ہے، وہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر ان
پر پھونکتی رہی، گاڑی آغا خان ہسپتال پہنچ چکی تھی۔

”ابو! ابو!“ اس نے انہیں پکارا، مگر انہوں نے کوئی

جواب نہ دیا، تکلیف کی شدت سے ان کے دونوں ہونٹ
بھینچے ہوئے تھے، آن کی آن میں انہیں آئی سی یو منتقل کیا
گیا اور امن آئی سی یو کے باہر، دیوار کے ساتھ ٹیک
لگائے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتے ہوئے
اللہ سے دعا مانگ رہی تھی۔

”آنٹی فاطمہ نے کہا تھا کہ اللہ سب کی سنتا ہے، دعا
میں بڑی طاقت ہے، دعا انسان کی تقدیر کو بدل دیتی ہے۔“
اور وہ دعا مانگ رہی تھی ابو کے لئے، جو اس کی کل
کائنات تھے۔

”آپ کے ساتھ کوئی بڑا نہیں ہے؟“ قریب سے
گزر رہے کسی شخص نے اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں
سر ہلادیا۔ اس کے پاس تو سب رشتے ابو کی صورت میں
ہی موجود تھے۔

”یا اللہ! میرے ابو کو سلامت رکھنا۔“ اس نے دل
کی گہرائی سے دعا مانگی۔

”مگر ہر دعا ضروری نہیں کہ قبول ہو جائے۔“

آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا، ڈاکٹر زباہر نکلے تھے، کسی
انہونی کے خوف نے امن کو بری طرح جکڑ لیا، اسے اپنی
ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

”بیٹا! اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کو فون کر کے بلا لو۔“
ڈاکٹر نے بہت نرمی سے کہا۔

”میرے ابو! میرے ابو کا کیا حال ہے ڈاکٹر! وہ
ٹھیک تو ہیں۔“ اس نے بے قراری سے پوچھا۔

”آپ نے انہیں لانے میں دیر کر دی بیٹا! انہیں
سوئٹ ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔“ ڈاکٹر نے کہا تو امن کی
آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

”نہیں، نہیں، ڈاکٹر! کوئی بری خبر نہ سنا، میرا ابو
کے سوا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔“ وہ کہنا چاہتی تھی
مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"I am sorry! He is no more longer"

ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہہ کر جا چکا تھا
امن کو زمین و آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے، اس
کا وجود بھر بھری مٹی کی طرح زمین پر ڈھل گیا۔

☆.....☆.....☆

گاڑی گھر کے سامنے پہنچی تو وہ ہانیہ کو خدا حافظ کہہ کر
دروازہ کھول کر اتر آئی، پورج میں سے گزر کر سیڑھیاں
چڑھ کر لکڑی کے آنبوی دروازے کے سامنے پہنچ کر کان
بیک کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کیا اور
پھر دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی، کچن کے
دروازے سے گھر کی مستقل ملازمہ رابعہ باہر نکل رہی تھی
اسے دیکھ کر وہ قریب آ گئی۔

”سلام بی بی جی!“ اس نے کہا اور اس کے ہاتھ
سے بیک لے لیا، بیک اسے پکڑا کر وہ وہیں ٹی وی لائونج
میں صوفے پر بیٹھ کر سینڈل اتارنے لگی۔

”آپ کے لئے کھانا لگاؤں بی بی جی!“ دوسری
ملازمہ رانی نے اس سے پوچھا۔

”باقی سب لوگ کھا چکے ہیں۔“ اس نے گھڑی پر
نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

دن کے ساڑھے تین بج رہے تھے، آج اسے کانج
سے دیر ہو گئی تھی، وہ اور اس کی دوست ہانیہ دیر تک
لاہریری میں بیٹھ کر نوٹس بناتی رہیں تھیں۔

”جی سب لوگ کھا چکے ہیں۔“ رانی نے مؤدب
لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے تم کھانا لگا دو۔“ یسری کہاں ہے؟“ اس
نے کہا اور ساتھ ہی خیال آنے پر یسری کا پوچھا۔ اسے
دیر ہو جانی تھی سو اسی لئے اس نے یسری کو بھیج دیا تھا، خود
اسے ہانیہ نے ذرا پ کر دیا تھا۔

”جی یسری بی بی تو بیگم صاحبہ کے ساتھ مارکیٹ گئی
ہیں۔“ رانی نے بتایا۔

”کیوں؟“ اس نے پوچھا۔

”جی وہ آج رات کو ہوٹل میں بارٹی جو ہے چھوٹے

صاحب کی سالگرہ کی، تو بیگم صاحبہ اس لئے کچھ شاپنگ
کرتے گئی ہیں۔“ رانی نے بتایا۔

”اچھا تم کھانا لگاؤ، میں فریش ہو کر آتی ہوں۔“
نمرہ نے کہا اور گیٹ روم میں آ گئی۔ وہ دونوں گیٹ
روم میں رہائش پذیر تھیں۔ چینیج کر کے وہ باہر آئی تو
ڈائننگ ٹیبل پر کھانا سجا ہوا تھا، اس نے تھوڑا سا کھانا
پلیٹ میں نکالا اور جلدی جلدی کھا کر اٹھ گئی۔

”رانی! کھانا اٹھا لو اور ڈرائیور سے کہنا کہ آج مجھے
ایکڑی نہیں جانا، میں سو رہی ہوں، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ
کرے۔“ اس نے کہا تو رانی نے سر ہلادیا۔ وہ ست
روی سے چلتی ہوئی گیٹ روم میں آ گئی، اسے سی آن
کر کے اس نے کھڑکیوں کے آگے پردے برابر کئے اور
بیل پر لیٹ گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک وہ سوتی رہی، کافی دیر
بعد کسی کی باتیں کرنے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھلی، چند
لمحوں پر وہ یونہی بے حس و حرکت لیٹی رہی، کمرے میں مکمل
تارکی تھی، اسے سی کی خنکی ماحول کو پرسکون بنا رہی تھی،
باتیں کرنے کی آواز اس کے کمرے کے باہر سے آرہی
تھی، اس نے غور کیا تو وہ یسری کی آواز تھی، تبھی وہ آواز
آہستہ آہستہ دور چلی گئی، اس نے موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا
تو چھ بج رہے تھے۔

”اف خدا! میں اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں۔“ اس
نے زیر لب کہا اور جلدی سے اٹھ گئی، سب سے پہلے اس
نے وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر دوپٹہ ٹھیک طرح سے
اوڑھتے ہوئے باہر نکل آئی، ٹی وی لائونج میں عالیہ آنٹی کا
بیٹا اسامہ صوفے پر بیٹھ کر فرنیچ فرارز کھاتے ہوئے ٹی وی
پر کارٹون دیکھ رہا تھا۔

”ہیلو لعل بوائے! کیسے ہو؟“ اس نے اس کے
پاس بیٹھتے ہوئے اس کے پھولے پھولے رخساروں پر
ہیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”فائن، آپ کیسی ہو آپ بی بی!“ اس نے پوچھا۔

”میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔“ یہی برتھ ڈے ٹویو۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا، تو وہ بھی مسکرا دیا۔

”تھینک یو۔“ اس نے کہا۔

”کتنے ایئر کے ہو گئے ہو؟“ نمرہ نے پوچھا۔

”سکس ایئر کا ہو گیا ہوں۔“ اس نے فخر سے بتایا،
جیسے وہ بہت بڑا ہو گیا ہو۔

”اوکے آپ کا گفٹ ڈیور ہا، میں کل مارکیٹ سے
لے آؤں گی۔“ نمرہ نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے پھر ٹی
وی کی طرف متوجہ ہو گیا، نمرہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

رانی اور رابعہ کچن کے فرش پر بیٹھی چائے پی رہی
تھیں، اسے دیکھ کر دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”رابعہ مجھے بھی ایک کپ چائے کا دے دو اور آنٹی
کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”جی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں۔“ رانی نے
جلدی سے جواب دیا۔

”اور یسری؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو باہر لائونج میں
تھیں۔“ اس نے کہا تو نمرہ سر ہلاتی ہوئی باہر آ گئی، یسری
باہر لائونج میں اسامہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

”السلام علیکم!“ نمرہ نے اسے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام!“ اٹھ گئی ہو تم؟ بہت دیر تک
سوئیں۔“ یسری نے اسے دیکھ کر کہا۔

”ہاں اتنی گہری نیند سوئی کہ ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا، تم
کیا کرتی رہی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں، آنٹی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی،
واپس آئی تو فردوس آنٹی اور دایان آگئے تو ان کے ساتھ
گپ شپ میں ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا، کچھ دیر پہلے
ہی وہ دونوں گئے ہیں تو میں اوپر اسٹڈی روم میں عصر کی
نماز پڑھنے چلی گئی اور اب نیچے آئی ہوں۔“ اس نے
تفصیلی بات کی۔

”یسری! میں تو تمہیں پہلے بھی کہا تھا، اگر ماما کو پتہ

چلا کہ تم نے پردہ چھوڑ دیا ہے تو وہ بہت خفا ہوں گی، کیوں

اس طرح کر رہی ہو؟ تمہیں پتہ نہیں ہے، ممدین کے معاملے میں کتنی Strick ہیں، پھر یہ کتنا سخت گناہ ہے تمہیں تو علم ہے، جانتے بوجھتے تم گناہ کبیرہ کی مرتکب ہو رہی ہو۔“ اس نے کہا۔

”پلیز نمبرہ! میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، تم ہونا دین پر عمل کرنے والی اور ماما کی فرماں بردار، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں یوں گھٹ گھٹ کر زندگی نہیں گزار سکتی، میں زندگی کو بھرپور طریقے سے جینا چاہتی ہوں، اس طرح قید کی زندگی نہیں گزار سکتی میں، ممانے خود ساری زندگی یوں ہی گزاری ہے، اب تو یوں بھی ان کی اللہ، اللہ کرنے کی عمر ہے، انہیں ہم سے یوں جینے کا حق چھیننے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، ان سے کہو، ہمیں، ہماری زندگی جینے دیں۔“ یسری نے کہا تو نمبرہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی، وہ اپنی بات ختم کر کے وہاں سے چلی گئی تھی، یہ کس کی زبان بول رہی تھی یسری! وہ ایسی تو نہ تھی، آخر کیا ہو رہا تھا، وہ اس کے ساتھ ہی کالج جاتی تھی، گھر میں بھی اس کے سامنے ہی ہوتی تھی، گھر آنے، جانے والے مہمانوں سے وہ پردہ نہیں کرتی تھی، مگر اتنی گہرائی سے اس کے اندر کس نے یہ سب باتیں اتاریں تھیں؟ کون اتنی بغاوت اس کے اندر بھر رہا تھا؟ سب کچھ تو اس کے سامنے تھا، مگر سب کچھ سامنے ہونے کے باوجود بھی نمبرہ کو لگ رہا تھا کہ کہیں کچھ مسک تھی، کوئی ایسی بات جو وہ دیکھ نہیں رہی تھی، مگر محسوس کر رہی تھی، کیا تھی؟ اسرار میں لپٹی ہوئی کوئی بات..... چائے اس کے سامنے رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی، مگر وہ یونہی بیٹھی یسری کی باتوں کو سوچتی رہی، بہت سوچنے کے بعد بھی کہیں کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آیا تو وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

”بی بی جی! آپ کی چائے تو ٹھنڈی ہو گئی ہے اور بتا دوں؟“ رابعہ نے اس کا کپ جوں کا توں پڑا دیکھا تو پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر اٹھ کر گیٹ

روم میں آ گئی، مغرب کا وقت ہو رہا تھا، وہ وضو کر کے ہاتھ روم سے باہر نکلی تو یسری وارڈ روم میں تھکی، کچھ تلاش کر رہی تھی، وہ اس سے کوئی بات کئے بغیر چائے نماز بچھا کر دوپٹہ لپیٹنے لگی۔

”میں آنٹی کے ساتھ اسامہ کی برتھ ڈے پارٹی میں جا رہی ہوں، رات کو دیر ہو جائے گی۔“ یسری نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور باہر نکل گئی، رابعہ اس کی چائے اندر ہی ٹیبل پر رکھ گئی تھی، اس نے نماز شروع کر دی، مغرب کی نماز کے بعد اس نے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت کی نیت، نفل کے بعد دعا مانگتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، بہت دیر تک دعا مانگنے کے بعد اس کے دل کو سکون ملا، چائے نماز تہہ کر کے وہ اٹھ گئی، اس کی چائے ایک مرتبہ پھر ٹھنڈی ہو گئی تھی، وہ چائے کا کپ اٹھا کر باہر آ گئی، بی بی جی کی آواز میں حسن چاچو، عالیہ آنٹی، یسری اور اسامہ شاید نکلنے کے لئے بالکل تیار کھڑے تھے۔

”کیسی ہو نمبرہ! تم بھی چلتیں ناں ہمارے ساتھ، اسامہ کا برتھ ڈے ہے آج۔“ محسن چاچو نے اسے دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”آپ کو پتہ ہے چاچو، میں کس گید رنگ میں نہیں جاتی، پردے کا پراہم ہوتا ہے۔“ اس نے جواباً کہا تو انہوں نے دونوں کندھے اچکائے۔

”اوکے نمبرہ، ہم لوگ جا رہے ہیں، دیر ہو جائے گی، تم کھانا کھا لیتا اور دروازہ لاک کر کے سو جانا، ہم لوگ جب بھی آئے ڈپٹی کیٹ چابی سے کھول لیں گے۔“ عالیہ آنٹی نے اس سے کہا اور پھر وہ سب لوگ باہر چلے گئے۔

”بی بی جی! آپ کی چائے پھر ٹھنڈی ہو گئی ہے۔“ رابعہ نے اس کے ہاتھ میں کپ دیکھ کر کہا۔

”ہاں، میں گرم کر لیتی ہوں، تم دروازہ لاک کر دو۔“ اس نے چونک کر کہا اور خود کچن میں چلی گئی، چائے گرم کر کے وہ باہر آ گئی۔

”تم جانتی ہو تمام مسائل اور پریشانیوں کا حل کیا ہے۔“ حور یہ کی آواز اس کے کان میں گونجی۔

”کیا ہے حل؟“ اس نے سوچا، اس روز حور یہ کی بات ادھوری ہی رہ گئی تھی اور پھر اس کے بعد کتنے ہی دن وہ اس کے ساتھ کلاس لینے جاتی رہی تھی، مگر اسے پھر حور یہ سے پوچھنا یاد ہی نہ رہا، اس نے موبائل اٹھا کر حور یہ کا نمبر ڈائل کیا، مگر کسی نے فون ریسپونڈ نہیں کیا تو اس نے موبائل واپس رکھ دیا، چائے پی کر اس نے لندن میں فاخرہ مبین کا نمبر ملایا، ان کی آواز سنتے ہی اس کا صدر کھو گیا اور بے اختیار وہ رونے لگی، فاخرہ مبین پریشان ہو گئیں، تب اس نے انہیں یسری کے رویے کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ وہ پردہ چھوڑ چکی ہے، فاخرہ مبین اس کی بات سن کر کچھ لحوں کے لئے تو بول ہی نہ سکیں۔

”یسری اس سے بات کرو! نمبرہ!“ انہوں نے کافی دیر بعد کہا۔

”وہ گھر نہیں ہے ماما! وہ عالیہ آنٹی کے ساتھ ہوٹل میں چلی گئی ہے، آج اسامہ کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا، وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔

”ماما! پلیز آپ واپس آ جائیں۔“ وہ روہانی ہو گئی۔

”تم پریشان مت ہو نمبرہ! میں اسی ہفتے میں واپسی کی سیٹ بک کرواتی ہوں، ابھی معارج کی تھراپی چل رہی ہے، اللہ نے چاہا تو بہت جلد وہ بالکل ٹھیک چل پڑے گا، میں اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہتی، مگر مجبوری ہے، اس لئے جتنی جلدی ممکن ہوتا ہے، واپس آتی ہوں، میرے آنے تک اگر ممکن ہو تو تم دونوں آسیہ کے گھر چلے جاؤ۔“ انہوں نے کہا۔

”یسری نہیں مانتی ماما میں اسے بہت پہلے کہہ چکی ہوں مگر وہ نہیں مانتی، میں اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔“ اس نے کہا۔

”اوکے! میں آ کر اسے سمجھا لوں گی، وہ ٹھیک

ہو جائے گی ان شاء اللہ۔“ انہوں نے یقین سے کہا تو نمبرہ نے بھی زیر لب ”ان شاء اللہ“ کہا۔ پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا اور اپنے کمرے میں آ کر کتابیں نکال کر بیٹھ گئی، آج سارا دن کالج سے آنے کے بعد وہ نہیں پڑھ سکی تھی، سو وہ پوری طرح کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

اس نے خالی خالی نگاہوں سے اپنے ارد گرد ماحول کو دیکھا، سب کچھ ویسا ہی تھا، جیسا کہ پچھلے دو دنوں سے وہ دیکھ رہی تھی، ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی ماڈرن خواتین دوپٹے لپیٹے سپارے پڑھ رہی تھی، کچھ کے ہاتھوں میں تسبیح تھی، جس کے دانے وہ جلدی جلدی گرا رہی تھیں، تسبیح پڑھتے ہوئے دھیمی آواز میں باتیں بھی کی جا رہی تھیں، ایک طرف سیاہ لباس پہنے، چہرے پر اداسی طاری کئے رافعہ بیٹھی تھیں، کبھی کبھی کوئی خاتون ان سے کوئی بات کرتی تو وہ آہستہ سے جواب دیتی تھیں، آج تیسرا دن تھا مصطفیٰ صاحب کو اس دنیا سے رخصت ہوئے، امن و امان سے مسلسل بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھی، بھلا اتنی جلدی بھی ابھوت ہو سکتے تھے؟ ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی، صرف چالیس سال، بھلا اتنی سی عمر میں بھی کوئی مرتا ہے؟ دیکھنے میں تو وہ بالکل یٹک لگتے تھے، چالیس سال کے ہونے کے باوجود تیس، پینتیس سے اوپر کے نہ لگتے۔ مگر اس سب کے باوجود موت اپنی اٹل حقیقت کے ساتھ آن وارڈ ہوئی تھی اور یہ طے تھا کہ اب وہ کبھی اس مہربان، مشفق چہرے کو نہ دیکھ سکے گی، زمانے کے سرد گرم سے بچانے کے لئے اس نے سر پر موجود باپ کا شفقت بھرا سایہ اٹھ چکا تھا، کتنی تنہا اور کتنی اکیلی تھی، وہ ان کے بغیر، رشتوں میں اس کے پاس صرف باپ کا رشتہ ہی تو تھا اور وہ رشتہ بھی اسے کھو دیا تھا، دو دنوں سے مسلسل رورو کر وہ تھک چکی تھی، اگر اس کا رونا، چیخنا، چلانا اس کے ابو کو واپس لاسکتا، ہوتا تو اب تک یقیناً

وہ واپس آچکے ہوتے، وہ رورہی تھی، تڑپ رہی تھی، مگر اس کو چپ کروانے، تسلی اور دلاسا دینے والے شفیق ہاتھ منوں مٹی تلے جاسوئے تھے، اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہ کرنے والے ابو، جو آج یہاں ہوتے تو دیکھتے کہ ان کی امن نے ان دونوں میں زندگی بھر کا رونا رولیا تھا، کتنا تکلیف دہ ہے یہ احساس، رگوں کو چیرتا ہوا کہ ابو اب اس دنیا میں نہیں موجود، وہ چاہ کر بھی ان کے شفیق چہرے کو نہیں دیکھ سکے گی۔

اس نے تھک کر پھر اپنا سر، اپنے گھٹنوں کے گرد لینے دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔ اسے لگا جیسے ابھی اس کے پیچھے سے ابو آجائیں گے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ شفقت، محبت اور بے قراری سے پوچھیں گے۔

”امن! بیٹا کیا ہوا؟ کیوں رورہی ہو؟ مجھے تو بتاؤ۔“ اور اس تصور کے ساتھ ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اب وہ کبھی بھی ان کی محبت بھری آواز نہیں سن سکے گی، کبھی بھی نہیں۔ کھانا لگا دیا گیا تھا شاید، تبھی افراتفری سی مچ گئی تھی۔

”امن! امن! کھانا کھا لو۔“ کسی نے اسے کہا تھا مگر اس نے گھٹنوں سے سر ہی نہ اٹھایا تھا، دو دن اس نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا، اماں ہاجرہ نے آج صبح زبردستی اسے ناشتہ کروایا تھا، آج صبح وہ بھی چلی گئی تھیں، پتہ نہیں کون، کون آیا تھا؟ امن کو تو اپنا ہوش نہیں تھا، لاہور سے انکل خورشید بھی آئے تھے، مگر وہ پہلے دن جنازے کے بعد ہی چلے گئے تھے، بہت سے قریبی لوگ دو دن سے یہاں ہی تھے۔ ”آج باقی سب لوگ بھی شاید چلے جائیں گے۔“ امن نے سوچا۔

پھر وہ ہوگی اور اس کی تنہائی، پتہ نہیں می اس گھر میں رہیں گی یا نہیں اور اگر می اس کے ساتھ نہ رہیں تو وہ کہاں جائے گی؟ آنٹی فائزہ بھی یہاں نہ تھیں کہ وہ ان کے پاس ہی چلی جاتی، بہر حال اس نے سوچا کہ کچھ عرصہ

مشکل سے ہی سہی، جیسے بھی ممکن ہوا، وہ می کے ساتھ رہے گی، آنٹی فائزہ کے آنے کے بعد وہ ان کے پاس چلی جائے گی، فی الحال اس نے اتنا ہی سوچا تھا، اس سے آگے اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا، دوپہر سے شام ہو گئی، اسے ایک ہی رخ پر یوں بیٹھے بیٹھے، اس کا جسم شدید درد کر رہا تھا، ڈرائنگ روم میں اب کوئی نہیں تھا، لاؤنج میں چند لوگ می کے ساتھ بیٹھے تھے، شام کے وقت سیکنڈ ڈرائنگ روم میں صفائی کی غرض سے آئی تو امن کو یوں بیٹھے دیکھ کر اسے ترس آ گیا، وہ کچن سے چائے کے کپ کے ساتھ سکٹ لے آئی اور پھر اس نے اصرار کر کے زبردستی اسے چنل سکٹ کھلائے، چائے پینے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھی اور آہستہ، آہستہ چلتی ہوئی ابو کے کمرے میں آ گئی، ان کے بیڈ کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھ کر اس نے بیڈ پر سر رکھ لیا۔

”کہاں چلے گئے ہیں ابو! دیکھیں تو آپ کی امن کتنی تنہا اور اکیلی ہے۔“ اس نے کہا۔

”آپی! آپی!“ کچھ دیر بعد اسے اپنے قریب عائدہ کی آواز سنائی دی، اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، معصوم سی عائدہ جانتی ہی نہ تھی کہ کس رشتے کو کھو چکی ہے، چھوٹی سی عمر میں وہ یتیم ہو گئی تھی، اس نے لب بھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا، آنسو لگا تار اس کی آنکھوں سے نکل نکل کر عائدہ کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

”عائدہ بے بی! آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔“ کچھ دیر بعد سیکنڈ اسے ڈھونڈتی ہوئی آئی تو کہا، عائدہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی، امن نے دیکھا، اس کا چہرہ بھگا ہوا تھا، وہ پوری طرح نہیں سمجھ سکتی تھی، مگر محسوس کر سکتی تھی کہ اس کا بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے پتہ نہیں کتنا وقت بیت گیا تھا، جب کسی نے کمرے کی لائٹ آن کی، اس نے بیڈ سے سر اٹھا کر دیکھا، می کمرے میں آئی تھیں، وہاں انہیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا، وہ بھی تو جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں،

بغیر کسی خیال کے وہ اٹھ کر ان کی طرف بڑھی، اس پر نظر پڑتے ہی می کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”تم ڈائن! چیل! کھا گئی ہو مصطفیٰ کو، تمہاری وجہ سے وہ مرے ہیں۔“ انہوں نے اس کے چہرے پر لگا ہاتھ پر سانس شروع کر دیئے، اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے۔

”نکل جاؤ میرے گھر سے، یہ میرا گھر ہے اب، تمہارا باپ مر چکا ہے۔“ انہوں نے اسے دھکا دے کر باہر نکالا۔

”نہیں! نہیں! پلیز می! ایسا مت کریں، میں کہاں جاؤں گی، میرا کون ہے اس دنیا میں۔“ اس نے ہراساں ہو کر کہا۔

”میری طرف سے مر جاؤ، سمندر میں چھلانگ لگاؤ، میری نظروں سے دور ہو جاؤ، چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ اسے دھکیلتی ہوئی باہر پورج میں لے آئیں۔

”پلیز! مجھے معاف کر دیں، مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں آپ کی نوکرانی بن کر رہوں گی، سارے کام کروں گی، مجھے یہاں رہنے دیں، اتنی رات میں کہاں جاؤں گی۔“ وہ گڑ گڑانے لگی، مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

”نکل جاؤ یہاں سے، میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔“ انہوں نے دھکا دے کر اسے گیٹ سے باہر نکال دیا۔

”آپ کو خدا کا واسطہ! مجھے گھر سے نہ نکالیں، آپ کو اللہ کا واسطہ!“ اس نے ان کے پیر پکڑ لئے، مگر انہوں نے جھٹکے سے اپنے پیر چھڑا کر دروازہ بند کر لیا۔

”عظیم! اس لڑکی کو اندر مت آنے دینا اور خبردار جو دروازہ کھولا تم نے۔“ انہوں نے چوکیدار سے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”پلیز می! خدا کے لئے دروازہ کھولیں، مجھے رات تو بسر کرنے دیں، صبح ہوتے ہی میں چلی جاؤں گی۔“ اس نے فریاد کی مگر وہ جا چکی تھیں۔ رات کا اندھیرا ہر طرف

پھیل چکا تھا۔

”یا خدا! میں کہاں جاؤں؟“ اس نے روتے روتے سوچا۔

”ابو! آپ مجھے کس موڑ پر تنہا کر گئے ہیں، کہاں جاؤں میں؟“ قریب کسی گھر سے کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی تو وہ کانپ گئی، مسلسل تین دن کی بے خوابی اور بے آرامی اور مسلسل رونے کی وجہ سے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے، وہ اپنے حواس کھونے لگی، یونہی بغیر کسی سوچ کے وہ سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگی، چلتے چلتے وہ مین روڈ پر آ گئی۔

”اب کہاں جاؤں؟“ اس نے سوچا۔ کراچی جیسے روشنیوں کے شہر میں رات کے وقت بھی ویرانی نہ تھی، وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر یونہی بے دھیانی میں سوچنے لگی، تبھی سڑک کے دوسری طرف کسی ریسٹورنٹ سے اس نے چار، پانچ لڑکوں کو نکلتے دیکھا، وہ خوفزدہ ہو گئی، اس نے خوفزدہ ہو کر اپنا منہ دوسری طرف کر لیا، کچھ دیر بعد اس نے سڑک پر اُدھر دیکھا، وہ ابھی تک وہاں ہی کھڑے آپس میں شاید باتیں کر رہے تھے۔ وہ رخ پھیرنے لگی تھی، تبھی ان میں سے ایک پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونک گئی، اس نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا، وہ وہی تھا، سو فیصد وہی تھا، وہ حیرت سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

”یہ یہاں پر۔“ اس نے سوچا۔ اب وہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے، اسی لمحے اسے ہوش آیا اور وہ بھاگی، اسے ہر صورت میں اسے روکنا تھا، اپنے دھیان میں ارد گرد سے بے خبر وہ بھاگ رہی تھی، سڑک سے گزرتی تیز رفتار موٹر سائیکل نے اسے ٹکرایا اور وہ گر گئی، اس نے سر اٹھا کر دیکھا، ان میں سے دو گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور دو کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، اس نے پوری قوت سے اسے پکارا۔

(جاری ہے)

4 ستمبر عالمی یوم حجاب

عالیہ منصور



”اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلوں کا لیا کریں، یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان جائیں اور انہیں ستایا نہ جائے۔“ (احزاب 59-33)

حجاب عورت کا وقار، احترام اور تحفظ ہے، حجاب مسلمان عورتوں کے لئے ایسا فریضہ ہے جو وہ احکام الہی کے تحت ادا کرتی ہے۔ فطرت بہتر جانتی ہے کہ قیمتی ہیرے جواہر خصوصی توجہ اور مخصوص حفاظت کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ حجاب ہے جو عورت کو خوبصورتی بھی دیتا ہے اور اس کو معاشرے کی آلودگی سے بھی بچاتا ہے،

حجاب مسلمان عورت کا حق بھی ہے اور فخر بھی۔ مگر آج حجاب کو مسئلہ بنا کر اچھالا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ قرآنی احکامات اور احادیث کے باوجود حجاب کو کلچر، روایت اور معاشرتی و سماجی رویہ قرار دے کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ موجودہ دور میں عالمی استعماری قوتوں نے امت مسلمہ پر تہذیبی یلغار کرتے ہوئے اسلامی شعائر کو ہدف بنایا ہوا ہے، جہاد، ناموس رسالت، خاندانی نظام اور حجاب ان کے خصوصی اہداف ہیں۔ ہر جگہ پر شعائر کو جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی علامات ہیں کو انتہا پسندی، قدامت پرستی اور دہشت

گردی سے جوڑا جا رہا ہے۔

فرانس، ہالینڈ اور ڈنمارک میں حجاب پر پابندی عائد کی جا چکی ہے، ترکی میں یہ ایک گز کا ٹکڑا اتنی خطرناک علامت بن چکا ہے کہ ایک جمہوری حکومت کو کمزور بنانے کا باعث بننا جا رہا ہے۔ باحجاب طالبات پر تعلیم اور ملازمت کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں۔

عالمی یوم حجاب 4 ستمبر کو کیوں منایا جاتا ہے؟ یہ سوال ذہنوں میں اٹھتا ہے تو اس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ جنوری 2004ء میں لندن میں ”اسبلی فاردی پروٹیکشن آف حجاب“ کے زیر اہتمام ایک اجلاس منعقد کیا گیا اور اس امتیازی سلوک کے خلاف مشترکہ پلیٹ فارم سے آواز بلند کرنے کے لئے باقاعدہ و مربوط اور منظم سعی و جہد کا فیصلہ کیا گیا۔

چونکہ 2 ستمبر 2003ء میں فرانس میں ہیڈ اسکارف پر پابندی کا قانون منظور کیا گیا تھا اور مسلمانوں میں اس بات پر بڑا غم و غصہ پایا جاتا تھا اس لئے لندن کے میئر لوئک اسٹون نے لندن میں امت مسلمہ کے سرکردہ علماء اور تحریک اسلامی کے سربراہوں کو بلا کر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ کانفرنس میں 300 کے قریب مندوبین شریک ہوئے، اس کانفرنس کی صدارت علامہ یوسف القرضاوی نے کی اور انہوں نے کانفرنس کے اعلامیے میں 4 ستمبر کو یوم حجاب منانے کا اعلان کیا، اس طرح سے 4 ستمبر عالمی طور پر یوم حجاب قرار پایا اور ستمبر 2004ء سے ہی پوری دنیا میں اسے منایا جاتا ہے۔ اس دن مسلمان عورت اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ حجاب اسلام کا عطا کردہ معیار عزت و عظمت ہے، حجاب ہمارا حق ہے، یہ کوئی پابندی یا جبر کی علامت نہیں ہے بلکہ حکم خداوندی ہے اور حجاب کا پس ماندگی اور دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان دنوں میں مغربی ممالک میں ایک خطرناک رجحان سامنے آیا ہے، یہاں کے لوگ مسلمان لڑکیوں

کے حجاب سے خائف ہیں، اسی لئے وہاں کے ذرائع ابلاغ اور مخصوص ذہنیت رکھنے والے لیڈر دن رات حجاب مخالف پروپیگنڈہ میں مشغول ہیں۔

فرانس میں حجاب کے استعمال پر قانونی طور پر پابندی عائد کی گئی ہے جس کے خلاف دنیا بھر میں صدائے احتجاج بلند کی گئی، اسی طرح کے احتجاج جرمنی کے کئی صوبوں میں اور بلجیم میں بھی کئے گئے ہیں، فرانس کے علاوہ برطانیہ، جرمنی اور دیگر مغربی ممالک میں بھی حجاب کا استعمال کرنے والی طالبات اور دیگر خواتین کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کا دعویٰ ہے کہ حجاب کا استعمال یورپی قرارداد برائے حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے اور اس طرح حجاب مخالف قوانین کے ذریعے مسلم عورتوں کو اس کے پردہ کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی معاشرہ مسلم سماج میں بڑھتی ہوئی دینی بیداری اور شعور کو دیکھ کر خوف زدہ ہے، یہ خوف 11 ستمبر کے حملوں کے بعد دو گنا ہو گیا ہے، اسی وجہ سے مسلم معاشرے میں حجاب کے بڑھتے ہوئے استعمال سے مغربی ذرائع ابلاغ کافی خوف زدہ نظر آ رہے ہیں۔ یہ ان کا خوف ہی ہے کہ وہ جبراً طالبات اور مسلم عورتوں کو پردہ کے استعمال سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ مہم جاری کر رہی ہے، مغربی ممالک میں حجاب کے خلاف بڑھتے ہوئے اس رجحان کو مد نظر رکھتے ہوئے برطانوی مسلمانوں کی تنظیم ”مسلم ایسوسی ایشن آف برٹن“ نے عالمی سطح پر لندن میں حجاب کانفرنس کا اہتمام کیا تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ مسلمان عورتیں حجاب کسی جبر یا دباؤ کی وجہ سے نہیں لیتیں بلکہ وہ اپنی مرضی سے مذہب اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہیں، واضح رہے کہ فرانس نے اسکول میں حجاب لینے پر پابندی عائد کر دی ہے جس کا اطلاق ستمبر سے ہوگا۔

مسلم سارے مسائل کا حل



ف بنت سید زاہد حسین

بھی اگر کوئی دوست آئے تو رافعہ مجھے کال کرے گی اور آنے والوں کو کمپنی دے گی اور پھر ایک مکروہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے: خاص کر جب ہمایوں آئے تو رافعہ بیٹا دھیان رکھنا کہ وہ پورنہ ہو اور لوازمات میں بھی کسر نہ رہے، اس لئے وہ امیر شخص ہے، غنقریب میں اس سے مل کر اپنے کاروبار میں وسعت دوں گا اور حفصہ بیگم میرا خیال ہے تم میری بات اچھی طرح سمجھ چکی ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے کمال صاحب غصہ میں گھر سے باہر چلے گئے اور حفصہ بیگم یہی سوچتی رہیں، اب کیسے مسئلے کو حل کروں، کاش کہ میں رافعہ کو بچپن سے ہی اسلام کے مطابق زندگی گزارنا سکھاتی، خیر اب آہستہ آہستہ کوشش کروں گی اور اب آئے روز کا کام ہو گیا کہ ہمایوں کا اکثر وقت کمال صاحب کے گھر گزرنے لگا، حفصہ بیگم بہت پریشان رہنے لگی، لیکن وہ کمال صاحب کو کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں، آخر ایک دن یہ سوچ کر رافعہ کے کمرے میں گئیں کہ اسے سمجھاؤں تو دیکھا وہ موبائل پر بات کرنے میں مشغول تھی اور ماں کو دیکھتے ہی یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ”آپ آنا میں تیار رہوں گی۔“ اور کہنے لگی۔ ”آپ اس وقت میرے کمرے میں۔“ ہاں جی بیٹی مجھے آپ سے

رافعہ ادھر آؤ، ان سے ملو، یہ میرے فریڈ ہمایوں ہیں۔ کمال صاحب نے رافعہ سے ہمایوں کا تعارف کروایا اور رافعہ نے مسکراتے ہوئے باپ کی ہدایت کے مطابق ہمایوں سے ہاتھ ملایا اور ہمایوں نے دل ہی دل میں سوچا، کتنی خوبصورت ہے اور جتنی خوبصورت ہے اس سے کہیں زیادہ معصوم ہے۔ اب ہمایوں کمال صاحب سے گفتگو، لیکن دل میں رافعہ کی سوچ لئے وہاں کافی دیر بیٹھا رہا، پھر ہمایوں کے جانے کے بعد دوسرے کمرے سے آئی ہوئی حفصہ بیگم اپنے شوہر کمال صاحب سے گویا ہوئیں۔ آپ جانتے بھی ہیں کہ رافعہ اب بالغ ہے، اس پر پردہ فرض ہے، آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ آپ کے دوست اس کے لئے ناختم ہیں۔

حدیث مبارکہ میں تو غیر محرم کی نظر کو شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر قرار دیا گیا اور پھر..... زبان بند کر دیں، پہلے تم خود دقیا نو سیت کا شکار تھی، لیکن اب میں اپنی اولاد پر یہ تمہارے دقیا نو سیت اصول مسلط نہیں ہونے دوں گا، خیر دار جو آئندہ ایسی ویسی بات کی، میں اپنی اولاد کو مکمل آزادی دینا چاہتا ہوں، وہ کھل کر اپنی زندگی گزاریں اور ہاں، اگر میں آفس میں ہوں اور میرے بعد

ہجرت کر کے آئے تھے، ان میں یہ رجحان نہیں پایا جاتا تھا، اس طرح یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ مغربی ممالک میں آباد مسلمانوں کی موجود نسل تیزی سے اسلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

یہ جہاں ایک خوش آئند پیش رفت ہے، وہیں اسلام دشمن عناصر کے لئے تشویش کا باعث بھی، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عام آدمی کو اسلامی قوانین سے واقف کرایا جائے اور اسے یہ باور کرایا جائے کہ حجاب یا دیگر مذہبی شعار کا استعمال دباؤ یا زیادتی کی وجہ سے نہیں کیا جاتا جیسا کہ حجاب مخالف پروپیگنڈہ کے ذریعے باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ یہ ہر فرد کا آزادانہ فیصلہ ہوتا ہے اور یہ مسلمان عورت کا حق بھی ہے اور اس کا افتخار بھی جو وہ اللہ کا حکم سمجھ کر قبول کرتی ہے۔ جیسے اسے نماز اور روزے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح اسے حجاب کا بھی حکم دیا گیا ہے جسے وہ پورا کر کے احکام الہی کی بجا آوری کرتی ہے۔

حجاب ہمارا فخر بھی ہے اور حق بھی، یہ ایک تکریم ہے جو ہمارے رب نے ہمیں دی ہے اور اس کا ذائقہ ہے حجاب عورت کو نصیب نہیں ہے، حجاب ہمارا وقار بھی ہے اور ہمارا اسلحہ بھی جو ہمیں کردار کی مضبوطی عطا کرتا ہے اور ہمیں حق کی راہ میں جدوجہد کے لئے اپنے رب کے حکم کی پابندی کا اعزاز بخشتا ہے۔

منظر بدل رہا ہے، ہماری بہت بڑی تعداد زندگی کے ہر میدان میں باطل قوتوں کو لرزہ بر اندام کئے ہوئے ہے، امتحان کے نتائج میں پوزیشن لینے والی طالبات کی اکثریت کا باحجاب ہونا اور حجاب کی خاطر عدالتوں میں مقدمے دائر کر کے جیتنا اور حجاب پر پابندیوں کے خلاف صف آرا ہو کر جاں کا نذرانہ دینے سے بھی گریز نہ کرنا وہ علامات ہیں کہ

صبح انقلاب کے ماتھے کی روشنی بن کر نوید دے رہی ہیں کہ سحر

☆.....☆.....☆

مہمان خصوصی ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے فرانس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فرانس کو چاہئے کہ وہ حجاب پر پابندی کا اپنا فیصلہ منسوخ کرے کیونکہ یہ یہودی باڑے (علحدہ بستی) والی ذہنیت کی عکاسی ہے اور اس طرح آپ مسلمانوں کو ناراض کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ انسانی تہذیب کے منافی ہے بلکہ اس سے پیچھے ہٹنے کے مترادف ہے، یہ مذہبی اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہے۔

لندن کے میسرکین لوگ اسٹون کی میزبانی میں بلائی گئی اس کانفرنس میں دنیا بھر کے تقریباً 300 مندوبین نے شرکت کی، اس دوران حاضرین نے اس بات کا عہد بھی کیا کہ وہ دنیا بھر میں کسی مسلم خاتون کے ساتھ حجاب کے معاملے میں ہونے والی نا انصافی کے خلاف اس کی حمایت کریں گے۔

برطانیہ میں حجاب پر کسی طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے، میزبان لوگ اسٹون نے کہا کہ برطانیہ کے مسلمانوں کو فرانس یا جرمنی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، ایسے حالات میں جب کہ مغربی ممالک میں یہ عام رجحان بنتا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی شعار کو ہدف ملامت بنایا جائے، حجاب کے خلاف ہونے والے فیصلے اسی رجحان کی عکاس کرتے ہیں۔ اس کے خلاف صف آرا ہونا وقت کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو برطانوی مسلمانوں کی اس تنظیم نے بروقت محسوس کیا، اس کا زمیں دیگر کئی اہم تنظیمیں بھی شامل ہیں، کانفرنس میں 4 ستمبر 2004ء کو عالمی یوم حجاب کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا گیا۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ مغربی ممالک میں اسلامی شعائر کو اپنانے کا جذبہ موجود نسل میں تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے جو کہ مغربی ذرائع ابلاغ اور وہاں کی حکومتوں کے لئے تشویش کا باعث بنا ہوا ہے، کیونکہ یہاں مسلمانوں کی وہ پہلی نسل جو مختلف اسلامی ممالک سے

ایک فرانسیسی دوشیزہ کا قصہ

بشری امیر

کہ عرب مہاجر، یہ میرا ملک ہے، میں مسلمان ہوں..... اسلام میرا دین ہے، یہ نسلی دین نہیں ہے کہ تم اس کی مالک ہو، یہ میرا دین ہے اور میرا اسلام مجھے یہی سبق دیتا ہے جو میں کر رہی ہوں، تم نسلی مسلمان ہو کر ہمارے یہاں کے غیر مسلموں سے مرعوب ہو، دنیا کی خاطر خوف میں مبتلا ہو، مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔“ اس فرانسیسی نو مسلم عورت کے یہ الفاظ تو بے پردہ مسلم عورتوں کے منہ پر طمانچہ تھے کہ ”تم پیدا کی مسلمانوں نے اپنا دین بیچ دیا ہے اور ہم نے تم سے خرید لیا ہے۔“

ایک نجی اخبار میں جب میں نے اس نو مسلم فرانسیسی لڑکی کے بارے میں پڑھا تو روشن خیال اور اسلام کو بیک ورڈ یعنی پرانا اور فرسودہ نظام کہنے والیوں پر افسوس ہوا جن کی جھولیوں میں جدی پشتی اسلام جیسی نعمت آگری، انہوں نے اس کی قدر نہ جانی اور حجاب کو فرسودہ روایت کہہ کر اتار پھینکا، وہ حجاب جو اس کے لئے ایک حفاظتی قلعے کی حیثیت رکھتا ہے، اس قلعے کو اپنے لیے قید سمجھا کر اپنے کو اس سے آزاد کر لیا۔ مجھے ایک اور مغربی اداکارہ کا واقعہ یاد آیا، وہ ساحل سمندر پر نہانے کے لئے گئی، اب اسے اپنا لباس اتارنا تھا اور اس لباس میں جو کہ برائے نام ہے، نیم برہنہ ہو کر ساحل پر اسے نہانا تھا، یکدم اس کے اندر کی عورت جاگی، حیا جو کہ عورت کی فطرت ہے، بیدار ہو گئی، اس کے ہاتھ رک گئے، ایک مسلمان باپردہ عورت کا سراپا اس کی نظروں میں گھوم گیا، اس نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا، کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی، حجاب اوڑھنا شروع کر دیا، اب اس نو مسلم اداکارہ

ایک باپردہ عورت نے فرانس کی ایک سپر مارکیٹ سے خریداری کی اور اس کے بعد وہ عورت پیسوں کی ادائیگی کے لئے لائن میں کھڑی ہو گئی، اپنی باری آنے پر وہ چیک آؤٹ کاؤنٹر آئی، جہاں اسے رقم ادا کرنا تھی، وہاں اس نے اپنا سامان ایک ایک کر کے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ چیک آؤٹ پر کھڑی ایک بے پردہ مسلم لڑکی نے اس خاتون کی چیزیں ایک ایک کر کے اٹھائیں اور ان کی قیمتوں کا جائزہ لینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نقاب والی خاتون کا ہب کی طرف ناراضی سے دیکھا اور کہنے لگی، ہمیں اس ملک میں کئی مسائل کا سامنا ہے، ان مسائل میں ایک مسئلہ تمہارا نقاب ہے، ہم یہاں تجارت کرنے کے لئے آئے ہیں نہ کہ اپنا دین اور تارخ دکھانے کے لئے۔ وہ مسلم عرب عورت جو نام نہاد روشن خیال تھی، اپنی بے ہودہ تقریر جھاڑے جارہی تھی کہ اگر تم اپنے دین پر عمل کرنا چاہتی ہو اور نقاب پہننا ضروری سمجھتی ہو تو اپنے ملک والی چلی جاؤ، جہاں جو تمہارا دل چاہے کر سکتی ہو۔ وہاں نقاب پہننے، برقع پہننے، ٹوپی والا برقع پہننے، جو چاہے کرو، مگر یہاں رہ کر ہم لوگوں کے لئے مسائل مت پیدا کرو۔

نقاب پہننے والی خاتون ایک مسلم عورت کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ پر دم بخود ہو کر رہ گئی۔ اپنے سامان کو بیک میں رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے اور اچانک اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا، کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی اس کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئی، کیونکہ نقاب والی لڑکی کے بال سنہری اور آنکھیں پیلی تھیں، اس نے کاؤنٹر والی لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”میں فرانسیسی لڑکی ہوں نہ

اللہ علیہ وسلم سے: انک لا تہدی من احببت اس لئے آپ لوگ جب بھی دعا مانگا کرو تو اپنے لئے ہدایت ضرور مانگا کرو، تب سے حصہ بیگم نے یہ دعا معمول بنالی، انکی اس تبدیلی پر کمال صاحب بہت شگ تھے اور اب بھی حصہ بیگم کی باتوں پر رافعہ تو دھیان دینے بغیر موبائل میں مصروف تھی جبکہ کمال صاحب دوسرے کمرے میں کمپیوٹر آف کرنے کے بعد لیٹے تو حصہ بیگم کی آواز کان میں پڑی، بیٹی میں نہیں چاہتی تم ہر غیر محرم کے سامنے جاؤ، جو بھی ہمارے گھر آتا ہے اور تم جانتی ہو بے پردگی کی وجہ سے لڑکیوں کو کیا مسائل درپیش ہیں اور اصل قصور تو ان باپ اور بھائیوں کا ہے جو یہ نہیں جانتے، پردہ اہم ہے اور حدیث میں ایسے شخص کو جو بے پردگی کو پسند کرے اور اپنی بہن، بیوی، بیٹی، ماں بہو کا غیر محرم کے سامنے آنا غلط نہ سمجھے، انہیں دیوث کہا گیا ہے اور اسلام تو سارے مسائل کا حل ہے۔

کمال صاحب کا پارہ ہائی ہو چکا تھا، انتہائی غصہ میں حصہ بیگم سے تو تکلر کی اور انہیں کہہ دیا، آئندہ آپ کسی مدرسے میں نہیں جاؤں گی، حصہ بیگم بہت غصہ لگی میں اپنے کمرے میں چل دیں اور بے دھیانی میں کہہ گئیں۔ ”کمال صاحب آپ جب سمجھیں گے تب وقت گزر چکا ہوگا۔“

پھر وہی ہوا، اسی رات رافعہ گھر چھوڑ چکی تھی اور اگلے دن سے ہمایوں بھی کبھی کمال صاحب کو ملنے نہیں آیا اور اس کے مکان، آفس پر جانے سے پتہ چلا کہ دو دن پہلے وہ رہائش بھی تبدیل کر کے جا چکا تھا، اب کمال صاحب کے ذہن میں بار بار حصہ بیگم کے الفاظ گونجتے تھے کہ ”اسلام تو ان مسائل کا حل ہے۔“ کاش میں پردے کی اہمیت آج سے پہلے مان لیتا، رسوائی کو ہم خود مقدر بناتے ہیں، اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزاریں تو خسارہ کبھی نہیں ہو سکتا، واقعی اسلام سارے مسائل کا حل ہے۔

ایک گزارش کرنی ہے، حصہ بیگم گویا ہوں۔ رافعہ کو ماں کی اس وقت مداخلت پر بہت کوفت ہوئی اور چڑ کر بولی، لگتا ہے آپ آج پھر کسی لیکچر..... خیر بولیں، حصہ بیگم بولی، بیٹی آپ اب بالغ ہو، ہم نماز کو فرض سمجھتے ہیں تو پردے کو کیوں فرض نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ بے پردگی اور غیر محرم کو دیکھنے کی وجہ سے ہماری نمازوں میں سکون نہیں، نماز میں سارے جہاں کو سوچ رہے ہوتے ہیں، ایسی نماز قبول نہیں ہوتی، ہم کیوں نہیں اس بات کو سمجھتے اور بیٹی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علی! میرا جنازہ رات کو اٹھانا، حضرت علیؑ نے فرمایا: آپ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہو، اگر دن کو جنازہ ہو تو زیادہ لوگ شرکت کریں گے تو حضرت فاطمہؑ نے خوب صورت جواب دیا، مجھے یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے یا علی المرتضیٰ نے، میں نہیں چاہتی مجھے کوئی اور دیکھے، تو سوچنے کا مقام ہے وہ تو وفات کے بعد تک بے پردگی سے بچنے کا انتظام کریں اور ہم ہر ایرے غیرے کے سامنے کھلے منہ آتے رہیں، حصہ بیگم کا پریشانی سے سانس پھول چکا تھا، لیکن وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھیں، لیکن رافعہ ماں کے الفاظ پر توجہ دیئے بغیر موبائل میں میسجز میں مصروف تھی، ویسے بھی کہا جاتا ہے تا کہ ہدایت صرف مانگنے سے آتی ہے اور رافعہ کمال بھی کمال صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہی سوچ لئے ہوئے تھی کہ دنیا کی ہر چیز تو موجود ہے میرے پاس، مجھے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں، حصہ بیگم جب سے قریبی مدرسے ماہانہ درس سننے گئی، ان کی سوچ بدل چکی تھی، انہوں نے درس میں سنا، معلمہ صاحبہ نے کہا: ہر دعا جو کسی کے لئے مانگی جائے، قبولیت کا امکان ہوتا ہے، سوائے ہدایت کے، ہدایت خود مانگنے سے ملتی تھی، اگر کسی کے مانگنے سے ہدایت ملتی تو ابو طالب ضرور مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا اپنے نبی صلی

دل کے دروازے پر یہ دستک کیسی!

دیر میں مجھے آرام آ گیا، ڈاکٹر نے حسب معمول ڈھیر سارے ٹیسٹ لکھ کر دے دیئے، مگر میں ایک ٹیسٹ کے لئے بھی راضی نہ ہوئی، میرے نزدیک یہ سب صاف صاف بل بنانے کا دھندہ تھے، کچھ عرصے بعد پھر بڑی ہی شدت نے مجھے آخر اسپتال کے پلنگ پر لٹا ہی دیا، درد کا معاملہ دراز ہی ہوتا گیا، مختلف ٹیسٹوں اور الٹراساؤنڈ کی رپورٹ کے مطابق میرے پتے میں کئی پتھر ہیں، جن میں سے ایک دو بالکل پتے کی نالی پر ہیں، جس کی وجہ سے پتے کے پھٹنے کا ڈر ہے، ڈاکٹروں کی رائے تھی، میری سرجری جلد سے جلد ہو جانی چاہئے، آپریشن کے سوا اس کا کوئی علاج بھی نہیں تھا، مجھے تو شاید ہی سمجھی بخار ہوا ہو، میں دواؤں اور ڈاکٹروں سے بہت گھبراتی تھی، آپریشن کا سن کر تو میرے اوسان خطا ہو گئے، امی، ابو اور الیاس کی بے پناہ تسلیوں سے اور اس بے پناہ درد کی شدت سے نجات کے لئے جواب میری قوت برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا، میں سرجری کے لئے تیار تو ہو گئی لیکن دل پر دہشت سی طاری رہی، یہی ڈر کے دوبارہ ہوش میں آؤں گی بھی یا نہیں، اپنے معصوم بچوں کو نہ جانے کس طرح اپنے امی ابو کے حوالے کر کے کلمہ

عزم و یقین کی نعمت اگر ہمارے پاس ہو تو امید کی باریک کرن، آس کا ننھا جگنو ماپوسی کے اندھریے میں روشنی کا بلند و بالا مینار نظر آتا ہے، میں کیا ہر جاندار چیز زندہ رہنے کی خواہشمند رہنا چاہتی ہے مگر موت کو زندگی سے ازلی ہیر ہے، وہ زندگی کے تعاقب میں رہتی ہے کہ کب اسے موقع ملے اور وہ اسے اپنے پنجے میں جکڑ لے، یہی میری کہانی ہے، اچھی خاصی زندگی کی خوشیوں کو سمیٹنے سمیٹنے زندگی کے دن گزار رہی تھی، اچانک ایک دن منیب اور انوشہ کو پڑھاتے پڑھاتے پیٹ میں شدید درد اٹھا، پہلے تو بہت برداشت کیا، مگر درد برداشت سے بھی باہر ہونے لگا، تو میاں جی کو آواز دی، الیاس بھی مجھے پسینے پسینے دیکھ کر پریشان ہو گئے، وہ میری فطرت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ میں کبھی بے وقت بستر پر ڈھیر نہیں ہو سکتی تھی، پہلے تو انہوں نے بھی ٹھنڈی ٹھنڈی سیون اپ پلائی کہ ٹیس کا درد ہوگا، مگر درد دھکی لہروں نے تو جیسے مجھے حواس باختہ کر دیا، میرے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں، دونوں بچوں کو دادی کے حوالے کر کے یہ مجھے ایمر جنسی میں اسپتال لے گئے، ڈاکٹروں نے فوراً ایمر جنسی وارڈ میں لٹا کر پین کلر کا انجکشن میرے بازو میں لگا دیا، تھوڑی

ہوں کہ دینی تربیت کا فقدان ہے اور میری نوجوان نفس کفار کے بنے ہوئے جال میں پھنسی جا رہی ہے اور یہ برہنہ حالت میں اسٹوروں، چوکوں اور مشہوری کے لگائے گئے پوسٹروں کی زینت بنتی جا رہی ہیں، یہی نہ برہنہ پھرنے والیاں جب اللہ کے گھر سے بلاوا آجائے، حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے جائیں تو اپنے آپ کو سیاہ حلیوں میں چھپا لیتی ہیں، یہ حکومت سعودیہ کا حکم ہے، کاش قرآن کا مطالعہ کریں کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھی حکم ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ فرماتے ہیں: ”اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں (کہ شریف زادیاں ہیں) تو انہیں تکلیف نہ پہنچائی جائے اور اللہ بے حد بخشنے والا مہربان ہے۔“

یاد رہے، اللہ تبارک و تعالیٰ عورت کو سیپ میں بند موتی کی طرح چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ موتی کی خوب صورتی برقرار رہے، بری نظروں کے تیروں سے داغدار نہ ہو، لیکن عورت اپنی کم علمی کی وجہ سے دین سے دور ہونے کی بنا پر بے پردگی کرتی ہے اور رب کے حکم کی نافرمانی کرتی ہے۔

میں نے اپنی بہت ساری بہنوں اور بیٹیوں کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کا مذاق اڑاتی ہیں، حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے گئیں، عبایا اور چادر اوڑھ لی، ادائیگی کر کے واپس آئیں تو عبایا اور چادر کو الماری کی زینت بنا دیا کہ دوبارہ جب اللہ کے گھر جائیں گی تب پہن لیں گی، یا پھر جہاں عورتوں کا دینی درس ہوتا ہے وہاں باجی بے پردہ جانے کی وجہ سے شرمندہ کرتی ہیں تو اس لئے پہن لیا، خدا را ایسا کرنے والی میری بہنیں ذرا اس بات پر غور کریں کہ کیا وہ سعودی حکومت سے ڈرتی ہیں، یا درس والی باجی سے اگر اللہ کا حکم مان کر کرتی ہیں تو اللہ کا حکم تو ہر جگہ ہے اور وقت ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنا مقصود ہے۔

کا کہنا ہے کہ برقعہ یا چادر عورت کا حفاظتی قلعہ ہے جو اسے شیطان اور برے انسانوں کی پڑھوس اور بری نظروں سے محفوظ رکھتا ہے۔

میں ان نو مسلم عورتوں کے احساسات اور جذبات کو داد دے رہی تھی کہ یا اللہ تیری یہ فرمانبردار بندیاں، یورپین معاشرے کی پیداوار ہیں، انہوں نے دین اسلام کو سینے سے لگایا تو اس کے ایک ایک حکم کا حق ادا کر دیا۔ پابندی حجاب کے باوجود استقامت اختیار کی، (اللہ ان کی مدد فرمائے، آمین) اور ادھر میری مسلم بہنوں اور بچیوں کا حال دیکھو، ابھی کچھ دن پہلے میں سودا سلف خریدنے کے لئے ایک سپر اسٹور پر گئی، ابھی سامان ٹرالی میں رکھ رہی تھی کہ تنگ پیٹ اور مختصر شرٹ پہنے ہوئی لڑکی میرے سامنے آئی، میک اپ سے چہرہ لتھڑا ہوا، کہنے لگی کہ کون سا ٹوٹھ پیٹ استعمال کرتی ہیں، ابھی میں کچھ بولنے ہی نہ پائی تھی کہ اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹوٹھ پیٹ کی تعریفیں شروع کر دیں، میں نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں لوں گی پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم مسلمان ہو؟ بڑے فخر سے گویا ہوئی: ”جی آئی۔“ میں نے کہا: ”تم نے جو لباس پہن رکھا ہے، کیا وہ ایک مسلم عورت ہونے کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔“ کہتی ہے: ”نہیں آئی، یہ تو کمپنی والوں کا لباس ہے، جو مجبوراً پہننا پڑتا ہے۔“ غربت کی ماری یہ بی اے پاس لڑکیاں ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے اور یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی چیزوں کو متعارف کروانے کے لئے جوان خوبصورت لڑکیوں کو تھوڑی تھوڑی تنخواہوں پر بڑے بڑے اسٹوروں اور پوش علاقوں میں ڈور ٹو ڈور بھیجتے ہیں اور پھر خدا کی مار لباس بھی کافروں کا چٹا ہوا، بہر حال! میرے سمجھانے پر مذکورہ لڑکی کی حمیت جاگی اور اس نے وعدہ کیا، وہ جلد ہی اس بے ہودہ لباس سے جان چھڑائے گی اور اپنے لئے کوئی معزز راستہ تلاش کرے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ میں مسلم بیٹی کو کفار کی چالوں کا نشانہ بننے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں اور کڑھ رہی

شہادت پڑھ کر جالیٹی، آپریشن تھیز کا ماحول ہی مجھے
نروس کر رہا تھا کہ نرس نے میری ناک کی کیل کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا، آپ یہ بھی اتار دیتیں تو اچھا تھا،
کیونکہ اگر ڈیجھ ہو جائے تو پھر اس کو اتارنا مسئلہ بن جاتا
ہے، میری تو دل کی دھڑکن جیسے رک سی گئی ہو، تو کیا واقعی
میں، آخر وقت آپہنچا؟ نہیں، نہیں، میں یہ آپریشن نہیں
کراؤں گی، یہ الفاظ ادا ہونے سے پہلے ہی انیس تھیسیا کا
ڈاکٹر میری ورید تلاش کر کے میری بے ہوشی کا سامان
کر چکا تھا، ہوش میں آتے ہی تازہ زخموں کی تکلیفوں کے
باوجود دل کو یہ اطمینان ہوا کہ میں اپنے بچوں سے دوبارہ
مل سکوں گی اور دوبارہ ایک نئی مطمئن زندگی گزاروں گی،
مگر زندگی کی اصل آزمائش تو اب شروع ہوئی تھی، جب
آپریشن کے بعد میرے لیبارٹری ٹیسٹوں کی رپورٹ
سے یہ انکشاف ہوا کہ میرے پتے میں کینسر تھا اور جو
تیزی سے پھیل چکا ہے، میں جو آپریشن کے بعد بہت
مطمئن طریقے سے تندرستی کی طرف مائل اور اب بستر
سے اٹھ کر اپنے معمولی معمولی کام بھی کر لیا کرتی تھی، یہ
خوفناک خبر سن کر دوبارہ بستر پر جالیٹی، یا اللہ، میرے
پروردگار، اتنی جلدی ان چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو
چھوڑنا پڑے گا، ان معصوم جانوں پر رحم فرمادے، اے
رب العزت! تو تو ستر ماؤں سے زیادہ رحم کرنے والا
ہے، میری متا پر رحم کر دے، ان ننھے ننھے بچوں کی خاطر
مجھے زندگی عطا کر دے، کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنے کئے
گئے اچھے اعمال کے حوالے سے دعا کرتا ہے تو ضرور دعا
قبول ہوتی ہے، لیکن یہاں جب اپنے اعمالوں کا
احساب کرنے بیٹھی تو کوئی ایک عمل بھی اس قابل نہ نظر
آیا کہ کوئی حوالہ بن جاتا، جو تھوڑے بہت اچھے اعمال
سوچے تو ان پر بھی ریا کاری کی دنیاوی چھاپ، اعمالوں
کے خالی کشکول نے میری روح تک کو ہلا دیا، یہ زندگی
اتنی ناپائیدار کہ کسی وقت بھی ہمیں دھوکہ دے سکتی ہے،
کسی بھی موڑ پر ایک لمحہ میں ہمارا ہاتھ چھوڑ سکتی ہے، اس

بے اعتبار فریبی زندگی کے لئے اتنا کچھ، مگر آخرت
جو لافانی پائیدار ٹھکانہ ہے، وہاں کے لئے خالی ہاتھ
اپنے اعمال، اپنی زندگی کے روشن، جس میں شاید
کچھ لمحے میں نے اللہ کو یاد کیا ہو، اس کی بے بسی، مجھ
لاچار مخلوق کے بارے میں سوچا ہو، اپنے ہی نفس کی
غلامی، صرف اپنے سے محبت، صرف اپنی ہی خواہشوں کی
تکمیل میں زندگی گزار دی، اب موت کی سختی، قبر کی گھبراہٹ،
جہنم کا عذاب، سب میرے منتظر تھے، موت کا پروانہ پھٹ
چکا تھا، اب تو شاید میرے لئے توبہ کے دروازے بھی بند
ہو چکے ہوں، یہ سوچ کر میری ہچکیاں لگ گئیں، پھوٹ
پھوٹ کر اپنے رب کو پکارنے لگی، اے میرے پالہنار،
اے میرے رب، مجھے اتنی تو مہلت تو دے کہ توبہ
کر سکوں، جب صحت تندرستی، جب ہاتھ پاؤں طاقتور
تھے تو تیرے سامنے جھکتے کا ہر موقع گنوا دیا اور اب دل چاہ
رہا ہے کہ یہ جین نیاز تیرے سامنے سے کبھی اٹھاؤں ہی
نا، انسان کی غرض ہی اسے تیرے سامنے جھکا دیتی ہے،
ورنہ ہم انسان تو کبھی بھی تیرا حق خدائی کا حق ادا نہیں
کر سکتے، نجانے یہ سات آٹھ دن کیسے گزرے، میرے
ماں باپ، شوہر، بہن بھائی، دوست احباب، سب ہی غم
کی تصویر بنے، مگر مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتے، مایوسی
سے نکالنے کی کوشش کرتے، ننھے ننھے انداز سے
امیدیں بندھواتے، مگر میں جانتی تھی کہ کینسر کو شکست دینا
کوئی آسان کام نہیں، مجھے کسی سے ملنے، کسی سے بات
کرنے کا دل نہیں چاہتا، بس دل چاہتا، امی کا شفقت
بھرا ہاتھ میرے سر پر پھرتا مجھے سکون دیتا رہے اور میاں
اور بچے میری آنکھ کے سامنے رہیں، تاکہ جب ہمیشہ
کے لئے آنکھیں بند ہوں تو ان کی تصویریں آنکھوں میں
بچی رہیں، میں جو کبھی بستر پر چند گھنٹوں سے زیادہ لیٹنا
اپنے لئے مصیبت جان سمجھتی تھی، ایک ماہ دو دن سے
مستل بستر پر لیٹی تھی، جب مجھے کینسر کے وارڈ میں
شفٹ کیا گیا تو میرا دل چاہنے لگا کہ میں اپنے بیٹھے رہنے

کے بجائے کھڑے ہو کر نماز ادا کروں، تاکہ میں اپنے
رب کو سجدہ بھی کر سکوں، یوں بھی میں نے زندگی میں
کتنے کم سجدے کئے ہوں گے اور ایسا سجدہ، جس میں سر
کے ساتھ دل بھی جھک جائے، ایسا تو سجدہ تو شاید ہی ادا
کیا ہو، سب کے منع کرنے کے باوجود میں ہر نماز
کھڑے ہو کر اتنے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتی کہ
میرا دل رب سے ملاقات میں ہر جسمانی تکلیف کو بھول
جاتا، گھنٹوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سجدہ ریز اپنے
رب سے راز و نیاز میں مصروف رہتی، اب میرے ننھے
سرے سے تمام بلڈ کیمسٹری، یورین ٹیسٹ الٹرا ساؤنڈ
وغیرہ شروع ہو گئے، اما جان بھائی وغیرہ نہ جانے کن
بزرگ کے پاس سے پھونکی ہوئی پڑیاں بھی لے آئے، دو
دن بعد کینسر اسپیشلسٹ ڈاکٹر زیدی خود تمام ٹیسٹ
رپورٹوں کے ساتھ میرے بیڈ کے پاس موجود تھے، وہ
بے پناہ میٹھی آواز میں میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بی بی آپ کو تو کچھ بھی نہیں
ہے، پہلے کی تمام ٹیسٹ رپورٹیں سو فیصد غلط ہیں، اس
لئے میں نے آپ کے ٹیسٹ اپنے لیب کے علاوہ
دوسری لیب میں بھی بجھوائے، تمام ٹیسٹوں کے مطابق
آپ کے پتے میں پتھریاں تھیں، جو نکالی جا چکی ہیں،
اب آپ کے جسم کے تمام سسٹم بخیر و خوبی اپنا فنکشن
انجام دے رہے ہیں، اپنے ان میچا سے زندگی کی نوید
سن کر میں سب سے بڑے میچا کے آگے سجدہ ریز ہو گئی
، بعد میں میرے والد اور شوہر نے پرانی رپورٹوں کے
لئے لیب جا کر معلومات اکٹھا کی تو معلوم ہوا کہ یہ
رپورٹیں کسی عالیہ عباس کی تھیں، جو کسی بندے کی ذرا
کی غلطی سے میرے نام عالیہ الیاس کے نام پر بھیج دی
گئیں، اس رب ذوالجلال کے صدقے جس نے اپنی
حکمت سے ایک بندے کی ذرا سی غلطی سے مجھے اپنا
قرب عطا کر دیا۔

اہم نصیحتیں

- ☆..... قیامت اس وقت آئے گی جب
زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ ہوگا۔
- ☆..... جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی
بدبو سے فرشتے ایک میل دور ہٹ جاتے ہیں۔
- ☆..... اللہ کی یاد اور عمل صالح کے لئے نیت
لازم ہے۔
- ☆..... ضرورت کی ایک حد ہے مگر حرص کی
کوئی حد نہیں۔
- ☆..... بہادری یہ ہے کہ کمزور ہونے کے باوجود
دوسروں کو اپنی کمزوری کا احساس مت ہونے دو۔
- ☆..... کامیابی کے حصول کیلئے ضروری ہے
کہ کامیابی حاصل کرنے کا احساس دل میں زندہ
رکھا جائے۔
- ☆..... منجھ لوگوں کا سہارا مت لو ورنہ وہ
تمہیں منجھ کر دیں گے۔
- ☆..... اللہ والے بات بات پر تکلیف کا
اظہار نہیں کرتے۔
- ☆..... جس کا کوئی مقصد نہیں اس کی کوئی
منزل نہیں۔
- ☆..... سختیاں انسان کو طاقتور بنادیتی ہیں
اگر انسان کو صبر کرنے کی طاقت حاصل ہو۔
- ☆..... شخصیت کی نشوونما اس وقت رکتی ہے
جب انسان اپنے آپ کو کامل سمجھتا ہے۔
- ☆..... کوشش تمہارا کام ہے اور نتیجہ نکالنا خدا
کا کام ہے۔
- ☆..... شیخی انسان کے دل میں چپکے سے پیدا ہوتی
ہے اسے برباد کردیتی ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔
- ☆..... تم جس کام کی ذمہ داری اٹھاؤ گے
تمہارا ذہن اس کے لئے ہی کام کرے گا۔

کیا آپ کی ماں رحمہ ہے؟

عبدالرشید شاہد

”اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں ایک یا وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما، جیسے انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔“

وہ آواز اسی پیغام ابدیت کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ لوگو! اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اور انہیں اپنی خدمت سے خوش رکھ کر جنت کے حقدار بن جاؤ۔

ماں کی خدمت کی ایک ایسی شاندار مثال سعودی عرب کے شہر تقیم کی شرعی عدالت میں اس وقت سامنے آئی، جب عدالت اپنی نوعیت کے انوکھے مقدمے کا فیصلہ سناتے جا رہی تھی۔

کمرۂ عدالت فریقین کے علاوہ صحافیوں، ذرائع ابلاغ کے نمائندوں اور اس عجیب و غریب مقدمے میں

صبح کے دس بجے ہوں گے، نیند مکمل ہو چکی تھی۔ اب پورا دن تھا اور روزمرہ کے مسائل کے انبار۔ جن سے ہر شخص پورا دن نہروں آزار ہوتا ہے۔ کھڑکی سے ایک روشن دن جھانک رہا تھا کہ دفعتاً ایک آواز نے توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ آواز نہایت بلند اور بے حد سریلی تھی، وہ بار بار ایک پیغام دنیا کو یاد دلارہی تھی۔ جسے حاصل دنیا و آخرت کہا جاسکتا ہے۔ ہر گزرنے والا شخص اسے سنتا اور فوراً ہی چہرے پر اس کا رد عمل ظاہر ہو جاتا۔ کئی مورکھ چہرے سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ جاتے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے قدم رک جاتے اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی۔ وہ ہنس سوز آواز کہہ رہی تھی۔

اپنی جنت کو دنیا ہی میں دوزخ نہ بنا اپنے ماں باپ کا دل نہ دکھا دل نہ دکھا وہ ایک ہی شعر بار بار دہرا رہا تھا اور قرآن حکیم کا ارشاد سن رہا تھا کہ لوگو! اپنے ماں باپ کی اطاعت کرو۔ ان کا دل نہ دکھاؤ۔ کیونکہ اللہ نے جنت ماں کے قدموں کی نیچے رکھ دی ہے۔ ان کی تابعداری اور خدمت کر کے ہی تم اسے حاصل کر سکو گے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 میں ارشاد خداوندی ہے:

وہ ماں کو اپنے ساتھ شہر لے جائے گا اور جتنی مدت ماں حیزان کے ساتھ رہی ہے، اتنی ہی مدت میرے ساتھ رہے گی۔

حیزان کو اپنی دنیا اندھیرا اور لٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بھائی کو سمجھایا کہ وہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے بڑھاپے پر رحم کھاؤ، مگر چھوٹا بھائی ٹس سے مس نہ ہوا۔ گاؤں کے بڑوں اور پنچایت نے صلح صفائی کی ہر ممکن کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر مقدمہ شرعی عدالت میں لے جایا گیا، جہاں قاضی صاحب نے بھی ان دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی، مگر کوئی صورت نہ بن سکی۔

مقدمے کی طوالت اور فریقین کے بے لچک رویے سے تنگ آکر قاضی صاحب نے اگلی پیشی پر بوڑھی ماں کو طلب کر لیا تاکہ عدالت خود اس سے استفسار کر سکے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی۔ چنانچہ اگلی پیشی پر دونوں بیٹے ماں کو اٹھا کر لے آئے، تو لوگوں نے عجب منظر دیکھا۔ سن رسیدہ نوے سالہ بڑھیا ہڈیوں کا ایک ڈھانچا تھی، جس کا وزن بمشکل 20 کلو ہوگا۔ قاضی صاحب نے بڑھیا سے پوچھا کہ کیا وہ جانتی ہے کہ اس کے دونوں بیٹوں کے درمیان اس کی خدمت اور نگہداشت کے سلسلے میں مقدمہ چل رہا ہے۔ بڑھیا نے اثبات میں جواب دیا کہ وہ اس مقدمہ سے باخبر ہے۔

قاضی صاحب نے بڑھیا سے پوچھا کہ وہ بتائے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ بڑھیا نے اپنے پلو سے دونوں آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا: ”میرے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ حیزان میری ایک آنکھ اوم اس کا چھوٹا بھائی میری دوسری آنکھ ہے۔ ماں ایک بچے کے حق میں اور دوسرے کے خلاف کیسے فیصلہ کر سکتی ہے۔ میرے لئے دونوں برابر ہیں۔“

چنانچہ بڑھیا نے گیند دوبارہ قاضی صاحب کے

دلچسپی لینے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی عدالت نے مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ سنایا تو کمرۂ عدالت مدعا علیہ کی وردناک چیخوں سے گونج اٹھا۔ مقدمے نے حاضر لوگوں کے دل کے تار چھیڑ دیئے تھے۔ عدالتوں میں بہت کم ایسے مواقع آتے ہیں جب ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی آنکھوں میں آنسو جھللا اٹھتے ہیں اور تو اور خود قاضی صاحب بھی فیصلہ سناتے وقت جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ اس واقعہ کو سعودی اخبارات اور عربی ویب سائٹس پر بہت اہمیت ملی اور علمائے کرام نے جمعہ کے خطبات میں اس کا تذکرہ تو اتر کے ساتھ کیا۔

”یہ واقعہ ”حیزان الشہیدی الحرثی“ سے متعلق ہے جو ”بریدہ“ سے 90 کلومیٹر دور ایک گاؤں ”اسباح“ کا رہنے والا ہے۔ حیزان اپنی ماں کا بڑا بیٹا ہے اور تنگی و ترشی سے گزر اوقات کرتا ہے۔ وہ پرانی اقدار کا مالک ہے۔ حیزان کو اپنے گاؤں، تھوڑی سی بنجر زمین، بکریوں اور اونٹوں سے اس قدر لگاؤ ہے کہ وہ کسی قیمت پر انہیں چھوڑ کر شہر میں جا بسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حیزان اب سفید پوش بوڑھا ہے اور اس کی ماں کی عمر 90 برس سے تجاوز کر چکی ہے۔ حیزان کی کل کائنات اس کی ماں ہے جس کی وہ دن رات بچوں کی طرح نگہداشت کرتا تھا اور اس بوڑھی ماں کو بھی اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔ اور وہ صبح شام اس کے لئے دعائیں کرتے نہیں تھکتی تھی۔ حیزان کی سب سے بڑی مشغولیت بھی اس کی ماں تھی اور اس کی خدمت کر کے وہ دنیا میں پرسکون اور آخرت میں لامتناہی اجر کا امیدوار تھا۔

سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا کہ اچانک حیزان کی مدسکون زندگی میں بھونچال آگیا، جس سے اس کی زندگی کا نظام تہہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ حالات نے کچھ اس طرح کروٹ لی کہ اس کا چھوٹا بھائی جو کافی عرصے سے شہر میں مقیم تھا اور خاصا خوشحال تھا اس نے اسے اپنے پاس رکھا، اب وہ اپنے حق خدمت کا مطالبہ کرتا ہے، لہذا اب

تعزیت کا جوڑا



نسیم انجم

کہ ان کا دفتر میں فون آگیا۔ بولیں۔ ”وہ مسز انیس ہیں نا، وہ آگئی ہیں، اب آپ کو چھٹی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ان ہی کے ساتھ بازار جا رہی ہوں، آپ دل لگا کر کام کیجئے۔“ میں ان کے اس جملے کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا اور سا لہا سال سے میں اس پر عمل پیرا بھی ہوں، یعنی خوب دل لگا کر کام کر رہا ہوں، میں بھی پیچھے نہیں ہوں، بعض اوقات تو کلرک بھی اس طرح کے امور بنا میرے حکم کے ہی انجام دے ڈالتا ہے، میں اس کی ذہانت و لیاقت کا قائل ہو چکا ہوں اور اسے اس کے حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا، اس طرح ہم دونوں خوش بھی ہیں اور خوش حال بھی۔

میں نے چند سال قبل بسم اللہ اسٹیک بار کھلوا یا تھا، یہ نام میں نے سوچ سمجھ کر رکھا تھا تا کہ اس کی برکت سے برکت ہی برکت ہی ہو، اب واقعی خوب خوب منافع ہو رہا ہے کہ قوم کو کھانے پینے کا بہت شوق ہے اور کیوں نہ ہو، پیسہ جو ہے اور پیسہ کمانے کے فن سے لوگ اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں، لہذا سیدھی انگلیوں کے بجائے ٹیزھی انگلیوں کا استعمال شروع کر دیا ہے کہ یہ کام بھی اوپر والوں کا سکھایا ہوا ہے، خیر! جیسا دلیس ویسا بھیجیں۔

ہماری بیگم ایک نہیں، بے شمار خوبیوں کی مالک ہیں، سلیقہ شعار، ہنرمند اور دور اندیش، ہر کام کرنے سے پہلے منسوب ہندی ضروری کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ کامیابی کے امکانات سو فیصد ہوتے ہیں، اگر ناکامی ہو تو اسے خاطر میں نہیں لاتیں، برجستہ فرماتی ہیں، انسان تو ہے ہی خطا کا پتلا، اتنا کہنے کے بعد مجال ہے جو وہ شرمندگی کا اظہار کریں، ہر معاملے میں ان کا اعتماد دیدنی ہوتا ہے۔ بیگم صاحبہ اکثر میری جمع شدہ رقم پر اس انداز اور ترکیب سے شب خون مارتی ہیں کہ نہ ڈکیتی کا رنگ غالب آتا ہے اور نہ ہی چوری چکاری کا واقعہ جنم لیتا ہے، میرے صبر کرنے پر ہی معاملہ رفع دفع ہو جاتا ہے اور صبر سے اچھا کوئی ہتھیار بھی نہیں، بیگم صاحبہ کا ہر کام دانشمندی اور حکمت عملی کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آتا ہے، کئی دنوں سے وہ مجھ سے فرما رہی ہیں کہ مجھے شاپنگ کرنی ہے، آپ کسی دن یا تو چھٹی کر لیں یا ذرا جلدی گھر واپس آ جائیں، ان کے چہرے کی بردباری اور سنجیدگی کو دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ایک وقت نکال کر انہیں شاپنگ کرا دوں گا، چوں کہ ان کے تیور مجھے کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں، میں اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانا ہی چاہتا تھا

اس واقعہ کو پڑھ کر میں دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اولد ہاؤس میں اپنے بیٹوں کے گھروں سے دھتکاری ہوئی ماؤں نے اگر یہ پڑھ لیا تو ان کی کیفیت ہوگی۔

چچ جیج کر ماؤں کو جواب دینے والے، ان کی خدمت سے لاپرواہی اور ان کی نگہداشت سے غفلت برتنے والے، بیویوں کے ہر حکم کی فرماں برداری کرنے والے اور ماؤں کو یکسر نظر انداز کرنے والے ”حیزان“ کے اس واقعہ کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ماں کی شکل میں کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے، جس کی وہ قدر نہیں کر رہے۔

”یقیناً دنیا کا سب سے مالدار اور خوشحال ہے وہ شخص، جس کی ماں زندہ ہے۔“

☆.....☆.....☆

کورٹ میں پھینک دی۔ قاضی صاحب نے حیزان کی کمزور مالی حالت، جسمانی کمزوری اور اس کے بھائی کی مالی خوشحالی اور اسباب خدمت اور فراوانی کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بھائی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

قاضی صاحب کا فیصلہ سنانا تھا کہ کمرۂ عدالت حیزان کی دردناک چیخوں اور دھاڑیں مار مار کر رونے سے گونج اٹھا۔ حیزان کے بلک بلک کر رونے نے قاضی صاحب اور کمرۂ عدالت میں موجود تمام افراد کو اشکبار کر دیا۔ قاضی صاحب آنکھیں پونچھتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئے اور صحافی اور ذرائع ابلاغ کے لوگ حیزان کے گلے لگ کر رونے لگے۔ کمرۂ عدالت میں جب حیزان نے ماں کے پاؤں چھو کر رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو چھوٹے بھائی کی بھی چیخیں نکل گئیں۔“

ایک حیرت انگیز واقعہ

ابو محمد الازری نے ایثار و قربانی کا ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کیا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مروی مسجد میں آگ لگ گئی، مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ یہ حرکت عیسائیوں نے کی ہے، غصے میں آکر انہوں نے عیسائیوں کے کلیساؤں اور عبادت گاہوں میں آگ لگا دی اور انہیں جلا ڈالا، اس وقت کے بادشاہ کو یہ حرکت ناگوار گزری، اس نے ان لوگوں کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا، جنہوں نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو آگ لگائی اور انہیں جلا یا تھا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس سلسلے میں گرفتار ہوئی اور سلطان کے سامنے پیش کی گئی کہ وہ ان کے لئے سزا تجویز کرے، سلطان نے چند پرچیوں پر یہ الفاظ لکھے۔ (۱) کوڑے کی سزا، (۲) ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا، (۳) قتل کی سزا، اور یہ پرچیاں گرفتار شدگان میں پھینک دی گئیں۔ جس کے حصہ میں جو پرچی آئی اس کے لئے وہی سزا نافذ کرنے کا حکم ہوا۔..... جو اس میں لکھی تھی۔ قتل کی پرچی ایک شخص پر پڑی اس نے کہا، خدا کی قسم میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا، لیکن رہ رہ کر مجھے اپنی ماں کا خیال آتا ہے، میرے بعد اس کا کوئی سہارا نہیں رہ جائے گا، نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی نہ کوئی اور عزیز۔..... پاس ہی ایک اور نوجوان موجود تھا، اس پر جو پرچی پڑی تھی اس میں کوڑے کی سزا لکھی ہوئی تھی، اس نے کہا، میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے، تم ایسا کرو اپنی پرچی مجھے دے دو اور میری پرچی تم لے لو، میں قتل ہو جاؤں گا تم کوڑے کی سزا بھگت لیتا، اس نوجوان نے اپنے دوست کی پیشکش قبول کر لی، چنانچہ دونوں نے پرچیاں بدل لیں وہ جوان قتل ہو گیا اور یہ کوڑے کی سزا بھگت کر اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا، قتل سے بچ جانے والا نوجوان ہمت کی داستان کو ہمیشہ کے لئے تاریخ میں نام رقم کر گیا۔

جب میں شام کو گھر پہنچا تو بیگم نے توقع سے بڑھ کر گرجوٹی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور جھٹ سے بولیں۔ ”کھانا بعد میں کھائیے گا، پہلے میری شاپنگ دیکھ لیجئے۔“ مرتا کیا نہ کرتا، ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گھر کو نقار خانہ تو بنانا نہیں تھا، بیگم کے چہرے پر سکون، خوشی اور سنجیدگی جلوہ گر تھیں، آخر ایسی کیا شاپنگ کر لی ہے جو اس قدر رغبت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے میں نے سوچا، انہوں نے پاس رکھا وہاں اس اشاپر میرے سامنے رکھ دیا اور اس میں سے ایک جوڑا نکال کر کچھ وضاحتی انداز میں گویا ہوئیں۔

”دیکھئے! میرے پاس سیاہ جوڑے ختم ہو گئے ہیں اور ان کی آج کل بڑی ضرورت پیش آتی ہے۔“

”آج کل؟“ میں سوالیہ نشان بن چکا تھا۔

”آج کل سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں ٹارگٹ کلنگ بہت ہو رہی ہے، اب غمی کے مورچ پر رنگ برنگ کے کپڑے اچھے نہیں لگتے ہیں، اس لئے تعزیت کا جوڑا خرید لیا ہے، دیکھیں، کپڑا اچھا ہے نا، جاپانی سلک ہے اور کام سیاہ موتیوں اور دبکے کا ہے، دو پٹہ نرم و نازک، بالائی کی طرح ہاتھوں سے پھسلا جا رہا ہے اور پچھلنا چاہئے بھی، چوں کہ اذان یا ایسے موقعوں پر سر پر ڈالنا تو پڑتا ہی ہے، پھر ہاتھ سے اتارنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔“ میں ان کی سمجھداری کا قائل تو ہوں، لیکن اس وقت تو داد دینے پر مجبور تھا۔

”اور ہاں..... جیولری بھی ہلکی پھلکی سی خریدی ہے، ایئر رنگ اور چوڑیاں سیاہ موتیوں اور رنگوں سے جڑی ہوئی ہیں، ایک دو دکانیں ایسی کھل گئی ہیں، جہاں اس طرح کا سامان آسانی سے مل جاتا ہے، ارے چل تو میں نے دکھائی ہی نہیں۔“ وہ چکیں۔

”دیکھئے..... یہ بھی کپڑوں اور جیولری سے میچ کر رہی ہیں۔“

”پھر تو میک اپ کا سامان بھی تعزیتی ہوگا، یعنی

”سیاہ؟“ میں نے استفسار کیا۔

انہوں نے بھرپور قہقہہ لگایا، ان کا یہ انداز دیکھ کر مجھے چڑیل یا ڈائن جیسی نظر آنے لگیں اور بے ساختہ میرے ہاتھ حفظہ ماتقدم کے تحت گردن پر چلا گیا، قہقہہ تھا تو بولیں۔ ”نہیں بھئی، بلکہ رنگوں کا ہے، بالکل اسکن سے نیچے کرتا ہوا، لپ اسٹک گلابی رنگ کی ہے، پتہ ہی نہیں چلے گا کہ لگائی بھی ہے کہ نہیں، البتہ ہونٹ تر و تازہ نظر آئیں گے اور کا جل کی جگہ آئی لائسنر کا استعمال ایسے موقعوں پر بہتر رہتا ہے، اگر اتفاق سے رونا آجائے تو کا جل بہر جاتا ہے، لیکن آئی لائسنر نہیں لائی اور اتفاق ایسا ہے کہ مجھے رونا کم ہی آتا ہے..... اور یہ جوڑے (انہوں نے تھیلے سے مزید کپڑے نکالے) یہ سرمئی والا موت کے دوسرے دن کا اور کالا اور سفید سوئم اور قرآن خوانی کے موقع کے لئے خریدا ہے اور یہ فیروز چالیسویں کے لئے ہے۔“

اللہ رحم کرے، کیا کوئی قریبی عزیز مرنے والا ہے یا میں خود؟ چوں کہ یہ تو مرنے والے کے ہر پروگرام میں شرکت کا ارادہ رکھتی ہیں، دل کی بات دل ہی میں رہ گئی، کہہ نہ سکا، چوں کہ بیگم کے غصے سے واقف ہوں، وہ گفتگو کے دوران مداخلت پسند نہیں کرتیں۔

میں اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ انہوں نے جھٹ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولیں۔

”کیا موت کے گھر میں، میں اکیلی ہی جاؤں گی؟ دیکھئے (انہوں نے بیڈ پر رکھا ہوا دوسرا شاپر گھسٹا) آپ کی تیاری بھی بالکل اپنی ہی طرح کی ہے۔“ انہوں نے سیاہ، سفید اور ملیشیا رنگوں کے شلوار قمیص کے جوڑے میرے سامنے پھیلا دیئے۔ میں نے اپنا چہرہ الٹے ہاتھ کی پتیلی پر نکا دیا۔

”اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟“ میری حالت دیکھ کر کچھ جھنجھلائی گئیں، پھر اسی ہی کیفیت میں فرمانے لگیں۔

”آخر اتنے بڑے افسر کی بیوی ہوں، موقعوں کی مناسبت سے کپڑوں کا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے، پچھلے دنوں جب پڑوس میں دو بھائی ٹارگٹ کلنگ میں مارے گئے تھے تو میرے پاس کوئی ڈھنگ کے کپڑے نہیں تھے، رنگین کپڑوں میں چلی تو گئی تھی، لیکن وہاں جا کر بہت شرمندہ ہوئی تھی، سب بیگمات، ان جی اوز کی خواتین اور وہ اداکارہ جو فلاجی کام بھی کرتی ہے، اس کا نام کیا ہے بھلا، ہاں یاد آیا، رفیقہ دھوڑو، سب نے تعزیت کے جوڑے اور میچنگ کی جیولری پہنی ہوئی تھی۔“

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو وہ ایسے چوکیں، جیسے ان کی مطلوبہ خبر آگئی ہو، کپڑوں کا شاپر انہوں نے سینے سے لگالیا اور لپک کر آگے بڑھیں، یا اللہ خیر، کسی قریبی عزیز کو مروانے کا انتظام تو نہیں کر ڈالا؟ تیاری تو یہ ہی بتا رہی ہے، لیکن فون سننے کے بعد ان کے چہرے پر مایوسی طاری تھی۔

”وہ مسز مہر نے مایوں اور مہندی میں شرکت کی یاد دہانی کرائی ہے، بس اب آپس واپس دفتر چلے جائیں۔“

”لیکن کیوں؟ ابھی تو آیا ہوں۔“ میں نے خوشامدی شوہروں کی طرح اپنی اس دم کو ہلایا جو تھی ہی نہیں، پھر نرمی سے پوچھا۔

”مسئلہ کیا ہے؟“

”سیدھی طرح آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی ہے۔“

”ہائیں..... اس نے تو پہلے ہی سے پورا انتظام کر لیا ہے، میں چونکا اور زیر لب بڑبڑایا۔

”اوچھا بولونا..... کیا منہ ہی منہ میں بد بدائے جا رہے ہو۔“

”میں دست بستہ یہ عرض کر رہا ہوں کہ خاتون اول آپ اپنے کپڑے جملے پر غور فرمائیے۔“

”غور فرما کر ہی بات کرتی ہوں۔“ ان کی گفتگو سے

مجھے اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میدان جنگ میں اتر آئی ہیں اور اپنے سے کمزور کو پسا کر دینا چاہتی ہیں۔

”بھئی..... آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے، میں کس طرح مہندی، مایوں اینڈ کرسکوں گی، آپ جنوعہ صاحب کی فائل اوپر لے آئیے، وہ کب سے یاد دہانی کر رہے ہیں اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے پرانے جوڑے سب دیکھ چکے ہیں۔“

”تو یہی پہن لو، آج کل تو شادی کے گھروں میں بھی جنازے اٹھتے ہیں، اس طرح ایک پنتھہ دوکان والا معاملہ ہو جائے گا، بے شک یہ الیہ ہے، لیکن تمہارے لئے نہیں۔“ جواب میں انہوں نے گھورنے سے کام چلایا۔

”الو بنایا ہوا ہے.....“ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”بنایا نہیں ہے.....“ ان کی آواز میری سماعت سے اس وقت ٹکرائی جب میں کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

جھوٹی دلیل

احمد بن عبد اللہ الجوباری کی قریب کار یوں میں سے ایک مشہور فریب یہ ہے کہ جب اس کے سامنے محدثین کا اختلاف ذکر ہوا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ تو اس نے فوراً ایک سند شروع کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کر کہا: ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: سمع الحسن من ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن نے ابو ہریرہ سے سنا ہے۔“

☆.....☆.....☆

زوال امت کا سبب

محمد اقبال

بلاچوں و چراں امریکہ کی ہر بات تسلیم کریں، ورنہ وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچا دے گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ امت مسلمہ پر سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنا یا اس میں ترقی کرنا واجب ہے یا نہیں؟ ہماری ناقص رائے میں یہ بحث عوام الناس کو الجھانے اور اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے کے لئے کی جا رہی ہے، غور فرمائیے کہ اگر کسی شخص پر کتا حملہ آور ہو تو کیا اسے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے اور کتے کو مار بھگائے؟ یہ بات اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے کہ وہ دشمن سے اپنا دفاع کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے اور پھر اس کا حکم بھی ہو اعدو اللہم ما استطعتم اپنی جان یا اپنے وطن کے دفاع کے لئے ٹیکنالوجی کا حصول یا اس میں ترقی کے لئے کوشش کرنا ایک قطعی اور طے شدہ امر ہے جس سے کسی بھی ہوش مند انسان کو انکار نہیں ہو سکتا، اصل اور ہمارے پیش نظر سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کے پاس کم از کم اپنا دفاع کرنے کے لئے ٹیکنالوجی ہے یا نہیں؟

ہم زمینی حقائق کی بنا پر پورے وثوق سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان کے پاس اپنے دفاع کے لئے

نائن الیون کے خود ساختہ ڈرامے کے بعد امت مسلمہ، خاص طور پر اہل پاکستان جس الناک صورت حال سے دوچار ہیں، اس پر دل حساس رکھنے والا ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ آخر مسلمانوں کے اس زوال اور پستی کا اصل سبب کیا ہے؟

”ذات باری تعالیٰ پر اعتقاد اور اعتماد رکھنے کو شرط ایمان ٹھہراتے ہوئے، دنیا کے دارالاسباب ہونے کے تحت اللہ تعالیٰ نے عملی رویہ کے طور پر امت مسلمہ کو دنیاوی اسباب کی جستجو کی تلقین کی ہے۔“ بطور مثال قرآن کریم ہمیں واعدو اللہم ما استطعتم کی ہدایت دیتا ہے۔۔۔۔۔ دور حاضر کے تناظر میں امت مسلمہ پر سائنس و ٹیکنالوجی کا حصول واجب ہو جاتا ہے۔

نائن الیون کے مکروفریب پر مبنی حادثہ کے فوراً بعد اس وقت کے صدر نے امریکہ کے مطالبے پر سب کچھ اس کے حوالے کر دیا، تب سے اس صدر کے حواریوں اور امریکہ کے نمک خواروں نے بڑے زور و شور سے یہ بحث شروع کر رکھی ہے کہ ہم ٹیکنالوجی میں امریکہ سے بہت پیچھے ہیں، ہم کسی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لہذا ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپریشن نہیں کہ ہم

الحمد للہ بھر پور قوت اور ٹیکنالوجی موجود ہے، آج پاکستان کی سلامتی اور خود مختاری کے لئے جو بات سوالیہ نشان بن چکی ہے اور جس وجہ سے وطن عزیز کا باشعور طبقہ دن رات آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا ہے، وہ ہمارے ملک کے قبائلی علاقوں میں دشمن کے ڈرون حملے ہیں جن کی وجہ سے بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے آئے روز شہید ہو رہے ہیں، ہماری عسکری قیادت کا یہ بیان پہلے شائع ہو چکا ہے کہ ہم ڈرون حملوں کو روکنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں اور اب روزنامہ جنگ کے معروف کالم نگار عرفان صدیقی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ملاقات میں براہ راست فضائیہ کے سربراہ چیف مارشل راؤ قمر سلیمان سے ڈرون حملوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا: ”سیاسی حکومت فیصلہ لے، ہمیں حکم دے، ہم ان ڈرونز کو چڑیوں کی طرح مار گرائیں گے۔“ (روزنامہ جنگ 21 مارچ 2011ء)

سوال یہ ہے کہ ٹیکنالوجی اور کس بلا کا نام ہے؟ اپنے دفاع کے لئے ہمیں اور کس نوعیت کی ٹیکنالوجی چاہئے؟ کیا ہندوستان کے آخری کونے تک مار کرنے والے میزائلوں کی ٹیکنالوجی پاکستان کے پاس موجود نہیں؟ جس ملک کے سائنس دانوں کے پاس ایٹم بم بنانے کی ٹیکنالوجی موجود ہے، کیا وہ ہائیڈروجن بم یا مدریم بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے؟

(۱)۔۔۔۔۔ حال ہی میں پاکستان نے ملٹی ٹیوب ہیلیکس میزائل خف 9 نصر کا کامیاب تجربہ کیا ہے جو ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ 60 کلومیٹر تک زمین سے زمین تک مار کرتے ہوئے دشمن کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ (روزنامہ جنگ 20 اپریل 2011ء)

ٹیکنالوجی کی رٹ لگانے والوں سے ہم یہ پوچھتے ہیں کیا یہ ٹیکنالوجی نہیں؟

(۲)۔۔۔۔۔ امریکی ویب سائٹ ”دی ہوفنگ ٹاؤن پوسٹ“ نے پاکستانی سائنس دانوں کی ٹیکنالوجی میں

کامیابیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پاکستان رواں دہائی کے آخر تک دنیا کی چوتھی بڑی جوہری طاقت بن جائے گا، پاکستان نے ایٹمی وار ہیڈز لے جانے کے لئے کروڑوں دیگر میزائلوں کے ساتھ ساتھ آبدوزوں کے بھی کامیاب تجربے کئے ہیں۔ پاکستان کے پاس 70 سے 90 ایٹمی وار ہیڈز ہیں جو اس کے حریف سے بھی زیادہ ہیں۔ جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایٹمی صلاحیت کے حامل یہ ملک حملہ کرنے والے کو بھرپور جواب دینے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔“ (روزنامہ اردو نیوز جده، یکم اپریل 2011ء)

(۳)۔۔۔۔۔ پاکستان اور سعودی عرب میں اپنی چالیس بیالیس سالہ ملازمت کے دوران مجھے الحمد للہ سعودی، ترکی، مصری، سوڈانی، مالی، امریکی اور یورپی سائنسدانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے، اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدے کی بناء پر میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلم ممالک کے سائنس دان کسی طرح بھی صلاحیت کے اعتبار سے یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں سے کم نہیں۔

(۴)۔۔۔۔۔ آپ نے یہ خبر ضرور پڑھی ہوگی کہ 2009ء میں ایک امریکی بینک کی اے ٹی ایم مشین کے ٹیٹ ورک میں خرابی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے مختلف ممالک میں اس کی سینکڑوں برانچوں کو کروڑوں کا نقصان ہوا، امریکہ میں ٹیکنالوجی کے بڑے بڑے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے، لیکن حل تلاش کرنے میں ناکام رہے، بینک نے امریکہ کے علاوہ برطانیہ میں متعدد یونیورسٹیوں سے رابطہ کیا لیکن تمام ماہرین وہ خرابی دور کرنے میں ناکام ہو گئے، اس دوران ماچسٹر یونیورسٹی کے چانسلر نے اپنے سیکریٹری کو پاکستان میں 15 سالہ طالب علم عمار سے رابطہ کرنے کا حکم دیا، رابطہ کرنے پر چانسلر نے خود عمار سے بات کی، عمار نے چانسلر سے سافٹ ویئر کا کوڈ طلب کیا اور چند منٹوں میں ٹھیک کر کے

واپس بھیج دیا، جس پر عمار کو بینک نے 25 ہزار ڈالر انعام دیا، یاد رہے کہ عمار اس واقعے سے قبل مائیکسٹر یونیورسٹی سے کمپیوٹر کے مشکل ترین امتحان اور یکل نائن آئی (ORACLE) میں سب سے زیادہ نمبر لے کر ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکا تھا۔ (روزنامہ ایکسپریس، لاہور 5 جولائی 2009ء)

(۵)..... 2007ء میں پاکستان کی 9 سالہ ذہین و فطین طالبہ ارفع کریم کمپیوٹر کے عالمی امتحان مائیکروسافٹ ویئر سرٹیفیکیشن میں کامیاب ہو کر ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکی ہے، جس ملک کے 15 سالہ اور 9 بچے ٹیکنالوجی میں ورلڈ ریکارڈ قائم کر سکتے ہیں، اس ملک کے پختہ کار سائنس دانوں کا کوئی ثانی نہیں ہو سکتا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اردو ڈائجسٹ اپریل 2007ء پاکستان کی ونڈر گرل)

(۶)..... شاید آپ جانتے ہوں گے، برطانیہ اور جرمنی سے برآمد ہونے والے بعض کیمیکلز پاکستان میں تیار ہوتے ہیں، عالمی معیار کے مطابق بعض کیمیکلز پاکستان میں تیار ہونے کی وجہ سے برطانیہ اور جرمنی پاکستان سے اپنے ہاں درآمد کر کے کمپنیوں کے نام سے خوبصورت پیکنگ کر کے کئی گنا زیادہ منافع پر درآمد کرتے ہیں۔

(۷)..... سرجری کے سامان کے بارے میں پاکستان کا ہر ہنرمند جانتا ہے کہ برسوں سے یہ سامان سیالکوٹ میں عام کارگر اور ہنرمند تیار کرتے ہیں جہاں سے برطانیہ اور جرمنی درآمد کر کے اس سامان پر Made in England اور Made in Germany کی مہر لگا کر درآمد کرتے ہیں۔

(۸)..... چار پانچ سال قبل مجھے اپنے بھائی صاحب سے ملاقات کے لئے تربیلا ڈیم جانا تھا، راستے میں واہ کینٹ کے قریب بعض دوستوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رکھی تھی، دوستوں سے ملاقات کے بعد انہوں نے مجھے اپنی ورکشاپ دکھائی، جہاں وہ اسپئیر پارٹس تیار کر رہے تھے، میرے استفسار پر انہوں نے بتایا

کہ یہ اسپئیر پارٹس ہم واہ آرڈی نیس فیکٹریز کے لئے تیار کرتے ہیں، عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کا المیہ ٹیکنالوجی ہرگز نہیں، اصل المیہ ایمان سے محروم نالائق عیاش اور بزدل قیادتیں ہیں، جن میں ٹیکنالوجی اور قوت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور توکل نہیں کہہ کر اٹھا کر دشمنوں سے بات کرنے کا حوصلہ کر پائیں۔

(۹)..... بدر دین اور موتہ و تہوک کی مثالیں تو جانے دیجئے کہ مادہ پرست اور ٹیکنالوجی کے شاخوآں کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو خیر القرون کی باتیں ہیں، اب کہاں؟ آج سے دو عشرے قبل جب روس جیسی سفاک سپر پاور نے افغانستان پر حملہ کیا، تب امریکہ بھی روس سے خوف زدہ تھا اور پاکستان کو نصیحت کر رہا تھا کہ روس کی مزاحمت نہ کرو، روس جہاں جاتا ہے وہاں سے واپس نہیں لوٹتا، امریکی امداد شروع ہونے سے کم از کم ڈیڑھ دو سال پہلے تک آخر وہ کون سی قوت ور ٹیکنالوجی تھی، جس نے ضیاء الحق اور افواج پاکستان کو روس کے مد مقابل لا کھڑا کیا۔

چلئے لمحہ بھر کے لئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ کفار کے مقابلے میں ہمارے زوال اور پستی کا سبب ٹیکنالوجی کی قلت یا محرومی ہے، لیکن اس سوال کا جواب کیا ہے کہ ملک کے اندر معیشت کی تباہی، بد امنی، دہشت گردی، ڈاکے، اغوا، چوریاں، ٹارگٹ کلنگ، کرپشن، اسٹیل مل اسکیڈنڈل، پنجاب بینک اسکیڈنڈل، انشورنس کارپوریشن اسکیڈنڈل، نیشنل پاور کمپنیز اسکیڈنڈل اور اب جج اسکیڈنڈل، لوپر سے لے کر نیچے تک جرائم کی بھرمار، ساری دنیا کی نظروں میں یہ جگہ ہنسائی اور ذلت بھی کسی ٹیکنالوجی کی قلت کے سبب ہے؟

آخر اس ذلت اور رسوائی کا ذمہ دار کون ہے؟ جس اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر قوم سے خطاب میں گلہ طیبہ صحیح نہ پڑھ سکے، وزیراعظم تعدد ازدواج کا سرعام مذاق اڑائے اور شراب پینے کا اعتراف کرے، جس ملک کا وزیراعظم حدود قوانین کو ظالمانہ سزائیں قرار دے اور جس کا مبلغ علم اتنا ہی ہو کہ اسے اذان بجنے اور کہنے کا فرق

بھی معلوم نہ ہو، جس ملک کا صدر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر داڑھی، حجاب اور قانون حدود کا مذاق اڑائے، ڈالروں کے لالچ میں مجاہدین، محب وطن افراد اور قوم کی بیٹیوں کو بیچ ڈالے، جس ملک کا وزیر تعلیم قرآن مجید کے چالیس پارے بتائے، جس ملک کا وزیراعظم خود ڈرون حملوں کی اجازت دے اور قوم کے سامنے ان کی مذمت کرے، جس ملک کے وزیر داخلہ کو سورہ اخلاص تک پڑھنی نہ آئے، جس ملک کے ایک صوبے کا گورنر توہین رسالت کو کالا قانون کہے، جس ملک کی اسمبلی کے بیش تر ارکان نہ صرف ان پڑھ ہوں، بلکہ جعلی ڈگریوں کی دھوکہ دہی میں ملوث ہوں، جس ملک کے کلیدی عہدوں پر خائن اور مجرم قابض ہوں، عدالت انہیں سزا دے اور حکومت خود ان کا تحفظ فرما رہی ہو، وہاں ایمان اور ٹیکنالوجی کی بحث چہ معنی وارد؟..... کون سا ایمان اور کیسا ایمان؟

ہمیں معلوم نہیں کہ حسین نصر اور اس کا گروپ کون ہیں لیکن آپ یقین کریں، امریکہ اور یورپ کے نمک خوروں کے بہت سے گروپ آج تمام اسلامی ممالک میں سرگرم عمل ہیں، جن کے پیش نظر درج ذیل دو مقاصد ہیں:

اولاً:..... مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ ٹیکنالوجی میں امریکہ سے صدیوں پیچھے ہیں، لہذا عافیت اسی میں ہے کہ بلاچوں چراں امریکہ کی غلامی اختیار کر لی جائے اور اسے اپنا آقا اور ان دانا تسلیم کر لیا جائے۔

ثانیاً:..... عوام الناس کو یہ یقین دلایا جائے کہ موجودہ زوال اور پستی کا سبب ایمان سے محروم بزدل اور عیاش حکمران نہیں بلکہ ٹیکنالوجی کی قلت یا اس کی محرومی ہے تاکہ امریکہ کے ان پسندیدہ حکمرانوں کی حکومتیں قائم رہیں اور عوام ان سے تعرض نہ کریں۔

پس حاصل گفتگویہ ہے کہ آج ملت اسلامیہ خصوصاً اہل پاکستان کے زوال اور پستی کا اصل سبب ٹیکنالوجی سے محرومی یا قلت نہیں بلکہ ایمان سے محروم قیادتیں ہیں، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل ایمان و دانش ور

ٹیکنالوجی کی اس بحث سے ہرگز متاثر نہ ہوں اور واضح الفاظ میں کھل کر اصل سبب یعنی ضعف ایمان کی نشاندہی کریں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ غلبہ کا وعدہ ایمان کی شرط کے ساتھ فرمایا ہے، ٹیکنالوجی کی شرط کے ساتھ نہیں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (سورہ آل عمران: 139)

”کمزوری نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو، تم غالب ہو اگر مومن ہو۔“

یہاں ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم غیر ضروری طور پر بڑی طاقتوں سے انجھیں اور اپنے لئے مسائل پیدا کر لیں، مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک امن پسند قوم ہے لیکن ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونے کی وجہ سے کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ دنیا ہمیں ایک باوقار اور خود مختار قوم کی حیثیت سے جانے اور پہچانے۔

آخر میں ایک گزارش ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کوئی ایسی مقدس متبرک شے نہیں جس کی تنقیص پر کبیرہ گناہ واجب ہوتا ہو، سائنس کے بعض فوائد تو گنوائے جاتے ہیں لیکن انفرادی زندگی میں اس کی تباہ کاریوں اور اجتماعی زندگی میں اس کی ہلاکت خیزیوں سے قطعی طور پر صرف نظر کیا جاتا ہے، معلوم نہیں کیوں؟ میری ناقص رائے میں انسانیت کے لئے سائنس کی خدمات کم اور اس کی تباہ کاریاں کہیں زیادہ ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو بات جو شراب کے بارے میں فرمائی ہے، وہ سو فی صد سائنس پر سچ ثابت ہوتی ہے۔ یعنی ﴿وَإِنْهُمْ لَكَاظِمُونَ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (سورہ البقرہ: آیت 219) ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے تاہم وطن کے دفاع کے لئے اس کا حصول یقیناً واجب ہے۔

اخت حافظ ابوبکر صدیق معاویہ

☆ ☆ ☆

”کون تو جو ان اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور رسولؐ کے صحابہؓ کے دشمنوں کو جہنم واصل کر کے مالک دو جہاں کے ہاں سرفراز ہو کر جنت کی دائمی نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔“ میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ نہیں میں۔۔۔۔۔ میں سب

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

”اللہ کے نام پر کچھ دے دو، لنگڑا ہوں، معذور ہوں، دعائیں دوں گا۔“ فقیر نے دوڑتے ہوئے انپکڑ کے آگے ہاتھ پھیلا یا، انپکڑ نے اسے گھور کے دیکھا، مکھرے مال گردوغبار میں، اٹا لسا، اس کی ٹانگیں

☆.....☆.....☆

سمرض ڈراننگ روم میں بیٹھا اپنے دوستوں سے کپ شپ میں مصروف تھا کہ ایک شخص کچھ گنگنا تا ہوا تیزی سے ڈراننگ روم میں داخل ہوا اور کرسیوں کے گرد چکر کاٹ کر الماری کے پاس جا کھڑا ہوا، الماری کے لاکڈیٹ کو کھولنے کے لئے زور زور سے اسے کھینچنے لگا، چمدن کی آواز سن کے سمرض جلدی سے اٹھا۔ ”ارے ٹوٹ جائے گا یا، یہاں بیٹھ پانی پی۔“ سمرض نے اسے پکڑ کر اپنی نشست پر بٹھایا۔ ”یہ دے دے۔“ اس نے سمرض کے ہاتھ سر پر رکھی ہیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”اچھا پانی تو ہو۔“ اس نے سمرض کے ہاتھ سے گلاس پکڑا اور ایک ہی سانس میں ختم کر کے گلاس میز پر بٹھا، سمرض کے دوست اس کی بے ذہنی حرکات کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ”دے دے بھائی۔“ اس نے پھر ہیٹ مانگی، سمرض نے ٹالتے ہوئے اسے دس کانوٹ تھمایا۔ ”نہیں، نہیں، یہ، یہ۔“ اس نے ہیٹ کو ہاتھ لگایا۔ ”دے دو یا سمرض!“ دوستوں کے کہنے پر اسے ہیٹ دینے ہی بنی، وہ ہیٹ ہاتھوں میں اچھالتے، قہقہے لگاتے ہوئے باہر نکل گیا۔ ”کون تھا یہ؟“ سپار نے پوچھا۔ ”تم اسے نہیں جانتے، اسے تو آدھی دنیا جانتی ہے، میں دوسری آدھی میں رہتا ہوں۔“ سپار کے کہنے پر ڈراننگ روم فلک شگاف قہقہوں سے گونج اٹھا۔

☆.....☆.....☆

اچانک سپاہی کی نظر ہیٹ پر پڑی، ہیٹ پر ایک ساتھ پچیس تیس فائر ہوئے، دشمن فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ چلتا ہوا ہیٹ کے قریب پہنچا تو دھک سے رہ گیا، حوطب ہیٹ کو گرنے میں اڑکا کر دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے بچ نکلنے میں

مسکرانا منع ہے

بنت یوسف

”سنو! میں پیاری لگ رہی ہوں نا۔“ مابدولت نے غالباً کوئی تیسری دفعہ ”لپ لاسر“ لگانے میں مصروف نورین سے پوچھا تو وہ جل کر بولی۔ ”نہیں، بالکل بھی نہیں۔“ ہم جواپے تئیں اپنے آپ کو سرخاب کے پرتک لگا چکے تھے، یہ انکشاف سن کر اپنی پھوٹی پھوٹی آنکھیں پھیلا کر بولے۔ ”کک..... کیا لیل..... لیکن تم نے تو کہا تھا جب میں نے پہلے پوچھا تھا کہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ وہ ”وہ تو میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا تھا۔“ وہ کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے بولی تو ہمارا خون کھول اٹھا، دل تو چاہا کہ ابھی اس کی..... مگر پھر دوبارہ بھی تو اسی سے پوچھنا تھا، کیونکہ ہماری جماعت میں موجود واحد شخص پر پی الحال کسی اور کا قبضہ تھا، جس کو حاصل کرنا ہماری دسترس میں نہ تھا، تو صبر کے گھونٹ پیئے اور ایک مرتبہ پھر سرے کا ٹرک آنکھوں میں الٹایا، سر پر موجود چار بال جو کہ بقول باجی صاحبہ کے کہ یہ بال نہیں ”بھلجیاں ہیں“ پر از سر نو نکھی کرنے کے لئے کنگھا اٹھایا تو کنگھا غدارو، آپس پاس نظر دوڑائی تو ایک ہم جماعت دانت کھولے کنگھی کرنے میں مصروف تھی، چونکہ ہماری جماعت میں ماشاء اللہ اتفاق حد درجے تھا،

سو چیزیں بھی مشترک تھیں، لہذا ہم نے بھی..... یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں کو.....

یہ پڑھنے کی جا ہے بیوٹی پارلر نہیں بناتے ہوئے صرف ایک کنگھا، جس کے کچھ دندانے اس پر ہونے والے ہمہ وقت حملوں سے نذر جنگ ہو چکے تھے، ایک سرمہ، جس کو دیکھ کر قبل مسیح کا زمانہ یاد آئے، ایک شیشہ، جس پر شکل نہ دیکھنا ہی بہتر تھا، کیونکہ خدا معاف کرے، اتنے بد صورت ہم تھے نہیں، جتنا وہ بنا دیتا تھا، لہذا ہم بھی حدیث مبارکہ کے مفہوم ”مومن، مومن کا آئینہ ہے۔“ پر جی جان سے عمل کرتے ہوئے کلاس فیلوز سے ہی اپنی حسین صورت کے بارے میں پوچھنے پر اکتفا کرتے ہوئے شیشہ کسی اور کو دے دیتے، تاکہ اس پر اپنی فراخ دلی کی دھاک بٹھا سکیں، اب بھی ہم سب ہم جماعتیں جن کی تعداد ۷۰ تھی، نے اپنا بیوٹی بکس کھولا ہوا تھا جس میں آج ایک نئی چیز کا اضافہ ہوا تھا اور وہ تھی لپ لاسر (جو کہ دوران صفائی ہماری کسی ہم جماعت کے ہاتھوں لگی تھی اور اب بیوٹی بکس میں براجمان ہو کر مستقل ایک رکن کا عہدہ بھی سنبھال

بچی تھی) اور تھی اتنی چھوٹی کہ اس کو تھامنے کے لئے انتہائی محنت کی ضرورت تھی اور اب ایک کے بعد ایک لڑکی اس پر طبع آزمائی کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

قصہ کچھ یوں ہے کہ ہم یعنی مابدولت مدرسہ المہیات میں درجہ دورہ حدیث میں تھے، مدرسہ بھی ہاسٹل کا تھا، لہذا شرارتیں بھی خوب کرتے تھے، آج بھی جو تیاریاں ہو رہی تھی تو ان کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہمارے مہتمم صاحب کی بیٹی جو کہ ہماری عزیز از جان باجی بھی تھی، ان کی شادی تھی، مدرسے سے متصل ان کا گھر تھا، ہم نے پورے مدرسے میں مشہور کر رکھا تھا کہ دورہ حدیث بھی شادی میں مدعو ہے، مگر بھلا ہو مہتمم حضرات کا، جنہوں نے ہماری تمام تر خواہشات پر پانی پھیرتے ہوئے دعوت نامہ جاری کیا، جس میں مدرسے کے اساتذہ و معلمات سے لے کر چپڑاسی، چوکیدار تک بمعہ اہل و عیال مدعو تھے، سوائے طالبات کے، حتیٰ کہ دورہ تک کو بھی دعوت نہیں دی، خیر ہار ماننے والے ہم کہاں تھے، ہم نے بھی زبردستی اپنے آپ کو اس شعر.....

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
حلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرا یا نہیں کرتے

کا مصداق بناتے ہوئے سب سے پہلے تیاری شروع کی، ہمارا خیال تھا کہ جب ہم تیار ہو جائیں گے تو ہمیں بھی لے کر جایا جائے گا، مطلب وہ ہماری تیاریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انکار نہیں کریں گے، لہذا اسی خیال کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں مصروف تھے مگر مجال ہے کہ قدرت نے ہمیں جو حسن دیا ہے، اس سے رتی بھر بھی زیادہ حسین نظر آئیں، بلکہ چیزوں کی زیادتی کی وجہ سے اب اپنے اصلی حسن سے بھی محروم ہو رہے تھے، خیر ہماری تیاریاں زور و شور سے جاری تھی کہ باجی صاحبہ تشریف لے آئی، فرمانے لگی کہ دورہ حدیث والیوں ابھی تو کسی نے بلایا

بھی نہیں اور آپ کی یہ تیاریاں ہیں اور اب اگر خدا نخواستہ مدعو ہوتی تو آپ لوگ تو حد ہی کر دیتی، ہم نے باجی کا یہ طنز بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے قبول کیا اور جواباً پر عزم ہنسی ہنس دیئے، دل ہی دل میں یہ کہتے ہوئے کہ دیکھنا باجی ان شاء اللہ جا کے دکھائیں گے، خیر اللہ اللہ کر کے پوری جماعت نے بیوٹی بکس کی جان چھوڑی، جس کو ہم نے اپنی قیمتی متاع سمجھتے ہوئے تالے والے بکس میں اپنی نگرانی میں رکھوایا، کیونکہ ماشاء اللہ ہماری پوری جماعت میں چند بکسوں کے سوا کسی کا تالا بھی نہ تھا، اب مجلس شوریٰ قائم کی گئی کہ ہم کس طرح جائیں گے؟ کسی کا کیا مشورہ تھا تو کسی کا کیا، آخر کار سب کی متفقہ رائے پر باجی سے بات کرنے کی ٹھانی گئی اور مجلس برخاست کر کے باجی ”مہناز“ صاحبہ، جو کہ ہماری مسلم شریف کی معلقہ تھیں، کے پاس دھرنا مارا گیا کہ ہم نے بھی دلہن دیکھنے جانا ہے، کھلے عام ہم شادی کا لفظ استعمال کرنے میں تھوڑا گریز کر رہے تھے، باجی مہناز صاحبہ، جو بیچاری پہلے بھی نرم سی ہیں، ہماری فریادیں سن سن کر، جو کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے، لطیفوں کی کتاب بن جانا تھی، اگر طبع کرائی جاتی تو..... اور ساتھ میں ہماری عجیب و غریب شکلیں دیکھ کر کہ چلو ساری بارات مفت میں عجوبے دیکھ لے گی، فرمانے لگی کہ دیکھیں بھی طالبات، آپ باجی زاہدہ (مہتمم صاحب) کی بیوی سے بات کریں، ہم تو تھے ہی اسی بات کے منتظر، ادھر باجی نے کہا، ادھر ہم جھٹ پٹ تیار، میں اور امیمہ اٹھے اور برقعے پہن کر چل دیئے۔ ”کیونکہ مدرسے اور گھر کے درمیان ایک گلی تھی۔“ ساری لڑکیاں ہمیں حیرت و رشک سے تک رہی تھی کہ کاش ہم بھی جاتے، کیونکہ آج کے دن مہتمم صاحب کے گھر جانے پر کرفیو لگا ہوا تھا، لیکن ہم بغیر کسی غرور و تکبر کے خراماں خراماں چلتے سب کی جانب اپنی قیمتی مسکراہٹیں اچھالتے جا رہے تھے، کیونکہ اور کسی کو نہیں تو کم از کم ہمیں تو پتہ تھا نا کہ ہم زبردستی کے مہمان



بننے جا رہے ہیں، خدا کسی دشمن کو بھی یہ دن نہ دکھلائے، ڈوب مرنے کا مقام تھا مگر ہم نے اتنی خوشی کے موقع پر ڈوب مرنے کا پروگرام کسی اور دن پر موقوف کر دیا، خیر وہاں پہنچ کر باجی زاہدہ سے جو ہم نے مذاکرات شروع کئے تو آخر کار ان کو مانتے ہی بنی اور ناچار انہوں نے اجازت دے دی، ہم تو ایسے خوش ہوئے کہ جیسے ہمیں ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو یا قارون کا خزانہ لوٹ لیا ہو، خیر اللہ بھلا کرے باجی یا سکین صاحبہ کا، جنہوں نے کسی ضروری کام کی غرض سے ہمیں باجی کی جانب شادی والے گھر بھیجا، ہم وہاں پہنچے تو دلہن کو کرسی پر بیٹھنے کا ابتدائی مرحلہ تھا، ہم نے دیکھا تو خوشی سے ہماری باجی کھل گئی، ہم جو باجی کو سلام تحیہ کر چکے تھے، ایک منٹ رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے پنچوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے دلہن کو جی بھر کر دیکھنے لگے، جب خوب اچھی طرح دیکھ لیا تو دل ہی دل میں اوکے کیا، دلہن کی خوبصورتی کو سراہا اور پھر عاجزی و مسکینی میں حد کرتے ہوئے توجہ دوبارہ باجی صاحبہ کی جانب مرکوز کر لی، جو کہ ہمارے تاثرات و عجیب و غریب حرکتیں دیکھ کر کچھ بھی نتیجہ اخذ کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی، خیر ہم نے بات کی اور واپس آ گئے، اب جو ہم نے مدرسہ سر پر اٹھایا تو اللہ کی پناہ کہ ہم نے دلہن دیکھ لی، ہم نے دلہن دیکھ لی، کچھ دیر کے بعد تمام معلومات جا کر دلہن کے پاس جلوہ افروز ہو گئی، ساتھ کے ساتھ دور کو بھی بلا لیا گیا، جانے والوں میں سب سے آگے آگے ہم تھے، وہاں جا کر بجائے دلہن دیکھنے کے آس پاس موجود کمرے کی ڈیکوریشن اور بارات میں شامل لڑکیوں کے میک اپ کی تہہ میں چھپے اصلی چہروں کو دیکھنے لگے، وہ تو بھلا ہو باجی کا، وہاں بھی سکون سے نہ رہنے دیا اور حکم دیتے ہوئے فرمانے لگی کہ جس چیز کو دیکھنے آئے ہو، پہلے وہ دیکھو، اب ان کو کون بتاتا کہ دلہن تو ہم پہلے تسلی سے دیکھ چکے ہیں، خیر جیسے ہی واپس آئے تو درجہ عالیہ کو گروپوں میں تقسیم کر کے بلایا

جائے گا، مگر ہائے ری قسمت..... خدا خدا کر کے کھانا کھانے کا مرحلہ آیا تو طے یہ کہ پہلے شادی میں موجود مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے اور دورے کی طالبات معاونت کریں گی، ہم نے یہ سنا تو اپنے پیٹ میں دوڑتے چوہوں کو فی الحال مجبوراً اشارت بریک کا کہہ کر گیٹ پر کھڑے ہو گئے تاکہ آنے والے مہمانوں کو کھانے والے ہال کی طرف بھیج سکیں۔

سب سے پہلے لڑکیاں عبایا و نقاب میں ملیں سامنے آئیں، جو کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کی عملی تفسیر لگ رہی تھیں، ہم نے آؤ دیکھانہ تاؤ اور لگے ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا آئیں کھانا کھالیں، مگر وہ بھی نمبروں و ڈھیت تھی بلکہ یوں کہتے کہ ہمیں گھاس تک نہ ڈال رہی تھی اور ہم اپنی ازلی بیوقوفی کو حاضر و ناظر کئے یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید شرمارہی ہیں، وہ تو خدا بھلا کرے ایک طالبہ کا، جس نے آکر ان کی ہم سے اور ہماری ان سے جان چھڑوائی اور اطلاع دی کہ یہ شادی میں مدعو مہمان نہیں بلکہ درجہ عالیہ کی ایک طالبہ مصباح کمال کے گھر سے اس کو لینے آئی ہیں، یہ انکشاف سن کر ہم کھیلانے سے ہو کر ایک طرف ہو گئے اور وہ ہمیں تمسخرانہ نگاہوں سے گھورتی اور ان معلومات پر افسوس کرتی، جنہوں نے اس استقبال کے لیے کی ڈیوٹی ہمیں سونپی تھی، آگے بڑھ گئی۔

خیر بس آگے آپ نہ پوچھیں کہ کھانا کھلاتے ہوئے ہم نے کتنی عقلمندی دکھائی کیونکہ اتنا تو اندازہ آپ کو ہماری تحریر پڑھ کر ہو ہی چکا ہوگا، لہذا آپ کی عقل پر اکتفا کرتے ہوئے، کیونکہ ہمیں امید واثق ہے کہ آپ ہماری طرح کی سمجھ دار، عقلمند نہیں ہوں گی، اختتام کرتے ہیں۔

میں بچپن ہی سے بے حس اور ضدی واقع ہوا ہوں، اس کا احساس مجھے تب ہوا جب میرا بسا بسا گھر اجڑ گیا۔ 7 جولائی 2000ء میں میری شادی ہوئی۔ میری بیوی نے شادی کے چند ہی دنوں بعد گھر کی ذمہ داری سنبھال لی۔ میرا کوچنگ سینٹر تھا۔ میں صبح نو بجے گھر سے چلا جاتا اور رات بارہ بجے فارغ ہو کر گھر لوٹتا۔ دو مہینہ کام وقت پر کرتی۔ وہ رات کو 12 بجے مجھے کھانا دیتی، کھانے کے بعد گرم گرم چائے پی کر تو میری ساری تھکان دور ہو جاتی۔

میں لاابالی قسم کا انسان تھا، اس لئے اس کی ہر ہر فرمائش کو رد بھی کر دیتا تھا، میں ہر دم اس پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا تھا اور میرا گھر ان روایتی گھرانوں میں سے ہے جہاں بہوؤں کی کوئی عزت نہیں ہوتی، مگر روزانہ گھر آ کر اس سے گھر کے حالات دریافت کرتا، وہ روزانہ گھر والوں کی بدسلوکی کا ذکر کرتی، میں اسے چپ رہنے کی نصیحت کرتا رہتا، کیونکہ اس کی ساری شکایتوں کا ازالہ کرنے کی مجھ میں ہمت اور حوصلہ نہ تھا، حالات اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ میں سرال جاتے ہوئے گھر آتا تھا، اگر وہ مجھ سے ملے جانے کی فرمائش

کرتی تو میں نال دیتا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم میرا ہر حکم مانو گی اور کسی قسم کی فرمائش مجھ سے نہیں کرو گی، وہ خاموش رہی، اتنی معمولی سی بات پر میں نے اسے ایک طلاق دے دی، وہ رونے لگی، میں نے اس سے کہا کہ اب ہمارے رشتے میں دراڑ پڑ چکی ہے، مجھ سے کسی بات میں ضد نہ کرنا، وہ خاموش ہو گئی اور معمول کے مطابق میرے ساتھ رہنے لگی، گھر والوں سے جھگڑا روز کا معمول بن چکا تھا، وہ مجھے اپنے اوپر بیٹنے والے واقعات بتاتی، میں اس ہی کو قصور وار ٹھہراتا، اس نے مجھے بتایا کہ امی نے مجھے معمولی بات پر ناراض ہو کر دھکا دیا اور کہا کہ ہمیں تیرا کوئی کام پسند نہیں، یہاں سے نکل جا اور تمہاری بہنوں نے بھی مجھے یہاں سے نکلنے کا حکم دیا ہے، میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گی، میں نے اس سے کہا، بات کا بتلگڑ نہ بناؤ اور چپ رہو، وہ میری بات سن کر رونے لگی اور کہا کہ آپ میری ذرا بھی حمایت نہیں کرتے، اس پر میں نے اسے دوسری طلاق دے دی، دو طلاقیں دینے کا مقصد یہ تھا کہ وہ مزید دب کر رہے گی لیکن اب وہ ضد پر اتر آئی تھی، میں اسے کھوتا

نہیں چاہتا تھا لیکن اب وہ تنگ آچکی تھی، وہ گھر سے نکل گئی، میں نے روکا لیکن وہ ضدی لڑکی نہ مانی اور یہ کہتے ہوئے چلی گئی کہ آپ کو میری ذرا پروا نہیں، آپ کا رویہ میرے ساتھ بڑا سخت ہے، آپ انصاف کی بات نہیں کرتے، بیوی کو بیوی کا حق دیں اور والدین کو والدین کا حق دیں اور میرے لئے الگ گھر کا انتظام کریں۔

ایک ہفتے کے بعد میں نے اسے فون کیا کہ میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا، تم مجھ سے کینے میں ملو، وہاں بیٹھ کر بات کریں گے، مقررہ وقت پر وہ کینے پہنچ گئی، کھانے پینے کے دوران باتیں کرتے رہے، میں نے اس پر زور دیا کہ وہ گھر چلے، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا، آپ میری ذرا بھی حمایت نہیں کرتے، میں اپنا گھر سمجھ کر ہر کام کرتی ہوں، میرے کام کو ناپسند کیا جاتا ہے، میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے میرے کام پر ایوارڈ دیا جائے لیکن مجھے سکون سے زندگی گزارنے دی جائے۔ میں نے روکھا سوکھا کھایا، مار کھائی، کیسے کیسے ظلم ہے، کیا مجھے اس گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے؟ آج میں آپ کو بتاتی ہوں کہ شادی کے موقع پر تحفے میں سونے کی انگوٹھیاں اور دوسرے بہت سے تحائف آئے تھے، جو مجھ سے چھین لئے گئے، میرا زیور جو بری میں آیا تھا، وہ بھی چھین لیا گیا، آخر آپ کے گھر والے کیا چاہتے ہیں۔

سکون سے رہنا میرا مذہبی، معاشرتی اور قانونی حق ہے، مذہب، معاشرہ اور قانون یہ کب کہتا ہے کہ عورت ناجائز ظلم ہے، مجھے میری غلطی بتا دو، آخر مجھے کیوں اس قدر تنگ کیا جاتا ہے، یہ سب کہتے ہوئے اس کا دل بھر آیا، اس کی گہری گہری آنکھیں آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب گئیں اور چہرے پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہو گئے۔

میں نے اس کی باتیں سن کر الگ گھر کی ہائی بھرلی اور کہا، میں تم کو ایک اچھا گھر فراہم نہیں کر سکتا، کسی بھی

غریب آبادی میں کوئی سستا گھر لے لوں گا، اس نے کہا، مجھے سکون چاہئے، مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے لیکن اگلے لمحے میں اپنی بات سے پھر گیا، کیونکہ والوں کی خوش نودی زیادہ مقدم تھی، بات بے نتیجہ رہی اور وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئی۔

گھر آ کر میں بڑا بے قرار رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ اسی کش مکش میں ایک ہفتہ اور گزر گیا، میں نے اسے پھر فون کیا لیکن اس نے طے سے انکار کر دیا اور کہا، آپ سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ آپ میری بات ماننے کو تیار نہیں ہیں، میں نے بے حد اصرار کیا اور کہا کہ کل گلی کے کونے پر دو بجے آ جاؤ، وہ وعدے کے مطابق وہاں موجود تھی، میں نے ٹیکسی پکڑی اور اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا۔

میں نے اس سے پھر کہا کہ وہ گھر چلے، جب اسی کھانا بنا لیا کریں اس کے بعد تم اپنا کھانا بنا لینا، اس کے بعد تمہیں سارا دن اپنے کمرے میں بند رہنا ہوگا تاکہ لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے، اس نے کہا، یہ قید و بند کی زندگی مجھے منظور نہیں، تمہارے گھر والوں نے میری اتنی بے عزتی کی ہے کہ اس کا تصور بھی کسی عذاب سے کم نہیں، اس نے پھر یہی کہا کہ تمہاری ماں نے مجھے دھکا دیا اور گھر سے نکل جانے کو کہا، لہذا میں اس گھر میں ہرگز ہرگز بھی نہیں جاؤں گی، دوسری جانب وہ جذباتی لڑکی آنسو بہانے میں مصروف تھی، یہ آنسو ہی تو اس کے ہتھیار تھے۔

میں نے اسے طلاق کی تیسری دھمکی دے دی اور کہا کہ آج منگل ہے، اتوار کو رات بارہ بجے تک تم آ جاؤ، اگر تم نہ آئیں تو میرے اور تمہارے راستے جدا ہو جائیں گے، وہ میری بات سن کر گرم صم بیٹھی رہی، اس کے بعد وہ ہونٹ سے باہر آ گئی، راستہ بھر میں اسے سمجھاتا رہا لیکن وہ نہ مانی، اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرے لئے کتنی اہم ہے، وہ اتنی رحم دل، اتنی بھولی فطرت والی کہ

بھی روتی ابھی بھول جاتی، پتھر کی ہو گئی تھی، اس کی اجنبیت اور روکھا پن مجھے احساس دل رہا تھا کہ شاید اب ہم بھی مل سکیں۔

گھر آ کر میری بے سکونی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ایک دن گن گن کر گزارا وہ نہ آئی، میں علماء کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو مشروط طلاق دی ہے، کیا اسے طلاق ہو گئی، انہوں نے کہا کہ ہاں طلاق ہو چکی ہے، میں نے اسے طلاق نامہ بھجو دیا، آج میں نے اپنے پاؤں پر آپ کلباڑی مار دی تھی، وہ اب میری نہیں تھی، میرے دل کی دنیا ویران ہو گئی تھی، اس کا فون آیا، میں نے اس سے کہا کہ دو روز میں طلاق نامہ آ جائے گا، اب وقت گزر چکا ہے، وہ زار قطار رو رہی تھی، اس نے کہا کہ تمہارے گھر والوں نے مجھ پر زیادتیوں کیں، لیکن آپ ان پر آنکھ بند کر کے یقین کرتے رہے، آج تمہارے گھر والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں، وہ مجھے اور آپ کو خوش دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

تمہارے گھر والوں نے مجھے برباد کیا، اللہ انہیں برباد کرے، اس کی باتیں سن کر میں رو ہاںسو ہو گیا، آخر میں اس سے کہا کہ میں یوم آخرت اپنے آنسوؤں کا حساب آپ سے مانگوں گی، فون بند ہو چکا تھا، ایک دن اس کے گھر والے آئے اور جہیز کا سامان لے گئے، وہ کمرہ جہاں ہم دونوں رہتے تھے، اجڑ چکا تھا، آج مجھے اپنی غلطیوں کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، آج میں اپنے سارے کام خود کرتا ہوں، قدم قدم پر میرا ساتھ دینے والی بیوی مجھ سے دور ہو گئی تھی، اللہ نے مجھے نبوی نعمت کی صورت میں دی تھی لیکن میں نے رب کائنات کی اس نعمت کی قدر نہ کی، میں اپنے کئے پر سخت نادم ہوں، اب پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اس کو طلاق کیوں دی۔

☆.....☆.....☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ایسے آدمی پر گزر ہوا جو کوڑھی اور برص کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر فاج گرا ہوا تھا۔ وہ بے دست و پا پڑا ہوا کہہ رہا تھا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں بہت مخلوق مبتلا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا وہ کون سی بلا باقی ہے جس سے خدا نے تمہیں محفوظ رکھا ہے؟ اس نے کہا، میں اس شخص کی بہ نسبت یقیناً عافیت میں ہوں، جس کے دل میں خدا نے وہ معرفت پیدا نہیں کی جو میرے دل میں پیدا کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے واقعی سچ کہا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو فوراً اچھا بھلا تندرست ہو گیا اور اٹھ بیٹھا اور خوبصورت و مینا ہو گیا، پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

شک و تردد سے نجات کا حل

ایک مرتبہ حجاج شاعر ایک گلی سے گزرا جس میں پر نال تھا، تورک کر سوچ میں پڑ گیا کہ اس کے چھینٹے مجھ پر پڑے ہیں یا نہیں، جب تردد اور اضطراب بڑھ گیا اور کوئی فیصلہ نہ کر پایا تو آکر پر نالے کے نیچے بیٹھ گیا، کہنے لگا، اب اطمینان ہو گیا اور یقین نے شک کو ختم کر دیا۔

☆.....☆.....☆

داغ قیمتی

تھی پراسی (۸۰) سال کی عمر میں شادی کا شوق ہوا، کسی نے اس عمر میں اس شوق کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ اس زمانے کی اولاد بڑی نافرمان ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ انہیں داغ قیمتی دے جاؤں، اس سے پہلے کہ وہ میری نافرمانی کر کے مجھے رسوا کریں۔

☆.....☆.....☆

بہترین سودا

حافظ محمد بابر یونس

اس سال خادم حرمین شریفین نے حج کے موقع پر حرم مکہ کی توسیع کا اعلان کیا اور ساتھ ہی ارد گرد کی آبادی سے مکانات خالی کرنے کا کہا، فی مکان کی قیمت 100 گز 10 لاکھ ریال کے حساب سے مقرر کی، تاکہ لوگوں کو نئے علاقہ میں مکانات کی تعمیر نو میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو، ان کی رضا اور خوشی سے مکانات خالی ہو جائیں، یہ اعلان سن کر جہاں کچھ لوگوں کو خوشی ہوئی، وہاں یہ اعلان کتنے ہی لوگوں کے لئے مدد کا باعث بنا۔

بی بی ہاجرہ بھی ان لوگوں میں شامل تھیں، ان کے لئے یہ بات باعث رشک تھی، بی بی ہاجرہ کا مکان باب فتح کے بالکل سامنے کی جانب تھا، وہ اپنے 200 گز کے مکان میں تہما زندگی گزار رہی تھی، عرصہ ہوا تھا جب وہ اپنے بیٹے اور شوہر کے ہمراہ فلسطین سے ہجرت کر کے مکہ پہنچی تھی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس کا شوہر اور بیٹا جہاد فی کبیل اللہ کے لئے اپنے آبائی وطن چلے گئے، جہاں وہ بیت المقدس کو آزاد کرنے کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی خاطر جام شہادت نوش کر گئے۔

اب بی بی ہاجرہ کا پورا دن حرم میں گزرتا، کبھی طواف کرتی، تو کبھی نماز پڑھتی، رحیم و کریم اللہ کے گھر کی چوکھٹ پر سر رکھ کر اپنے دکھڑے سناتی اور دل ہلکا کرتی۔

شام ڈھلتے ہی وہ اپنے غریب خانہ پہنچ جاتی اور تسبیح بنانا شروع کر دیتی، جو مکمل ہوتے ہی پڑوسی ابو صالح کے بیٹے سالم کے ہاتھوں حرم کے قریب ایک تاجر کو بھجوا دیتی اور اس سے ملنے والی اجرت سے گھر خرچ چلاتی، یوں بی بی ہاجرہ

کے روز و شب بڑی سادگی اور سکون سے گزر رہے تھے۔

اس روز جب سالم تاجر کو تسبیحیں فروخت کر کے آیا تو اس نے بی بی ہاجرہ سے کہا کہ خالہ اب چند دنوں میں ہمارے حالات بدل جائیں گے۔ ہم اپنا مکان حکومت کو اچھے داموں میں بیچ کر نئے علاقے میں خوب صورت گھر خرید لیں گے، آپ بھی اپنا مکان فروخت کر کے ہمارے ساتھ نئی آبادی میں چلے گا، آپ کا مکان ویسے بھی بہت بڑا ہے، اس کے دام بھی اچھے مل جائیں گے، یہ سن کر بی بی ہاجرہ تڑپ اٹھی اور دکھ بھرے لہجے میں سالم سے کہا کہ نہیں سالم بیٹا، میں نے تو یہ عہد کر رکھا ہے، جب تک سانس باقی ہے، اللہ کے گھر سے دور نہ جاؤں گی اور ویسے بھی میری عمر کتنی باقی ہے، جو اتنے پیسے میں گھر بیچوں؟ زندگی کی صرف چند سانس تو رہ گئی ہیں، نجانے کب سانسوں کی مالا جو کچے دھاگے میں پروئی ہے، ٹوٹ جائے، نہ بیٹا نہ، میں اپنی زندگی کے آخری ایام حرم میں گزارنا چاہتی ہوں۔

سالم نے اس موضوع پر زیادہ بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اٹھ کر گھر آ گیا، اب حکومتی وفد آنا شروع ہو گئے تھے، وہ لوگوں سے منہ مانگی قیمتوں پر ان کی جائیداد خرید رہے تھے، کیونکہ خادم حرمین کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت سے زیادہ رقم کا مطالبہ بھی کرے تو اسے عطا کیا جائے، آہستہ آہستہ اس پاس کے مکانات خالی ہونا شروع ہو گئے، ایک دن بی بی ہاجرہ مسجد الحرام سے گھر پہنچی ہی تھی کہ دروازہ پر دستک

ہوئی، دروازہ کھولنے پر سالم کو اپنے والد ابو صالح اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ پایا، ابو صالح نے کہا! اماں جی یہ لوگ حکومت کی طرف سے آئے ہیں اور آپ کا مکان خریدنا چاہتے ہیں، آپ کو اختیار ہے کہ اس کے بدلے میں کسی بھی جگہ خوب صورت گھر یا منہ مانگی رقم طلب کریں، اس پاس کے تمام مکانات خالی ہو چکے ہیں اور ہم نے بھی اپنے مکان کے بدلے میں نئی آبادی میں ایک بڑا گھر لے لیا ہے، کل صبح ہم بھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں، صرف آپ کا مکان بچا ہے، بی بی ہاجرہ نے یہ سن کر کہا، ابھی تک میں اس بارے میں فیصلہ نہیں کر پائی، برائے مہربانی آپ کل تشریف لائیے گا، میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی۔

ان کے جانے کے بعد بی بی ہاجرہ اپنے دو پٹے کے بلے سے منہ چھپا کر رونے لگی، اتنے میں موزن نے اپنی پرستارہ واز میں نماز مغرب کے لئے اذان دینا شروع کی تو بی بی ہاجرہ اپنا دکھ درد بھول کر مسجد الحرام کی طرف چل پڑی، پوری رات بی بی نے اللہ رب العزت کے حضور روتے ہوئے گزاری، صبح ہوئی تو وہ اپنے گھر لوٹ آئی۔

سالم اپنی ماں اور بہنوں کو بی بی ہاجرہ سے ملاقات کے لئے ان کے گھر لے گیا، اس نے ہی دروازہ پر دستک دینے کے لئے ہاتھ رکھا، دروازہ خود بخود کھلتا ہی چلا گیا، وہ بہت حیران ہوا کہ آج پہلا موقع تھا کہ جب بی بی ہاجرہ نے اپنا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا، اسے کسی انہونی کا احساس ہوا، اس نے اندر پہنچ کر آواز دی، لیکن کوئی جواب نہ ملا، وہ بھاگ بھاگ ان کے کمرے میں پہنچا، درکھتا تو وہ چادر اوڑھے سو رہی تھیں، سالم نے سوچا کہ اللہ کو شہید سے بیدار کرنا اچھا نہیں لگے گا، ادب کے خلاف ہے، مگر آج ہی وہ یہ جملہ چھوڑ کر جا رہے تھے، پھر نجانے کب ملاقات ہوئی، اس سوچ کے پیش نظر سالم نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ اماں ہاجرہ کو بیدار کرے۔

تھوڑی دیر بعد بہن بھاگتی ہوئی آئی اور کہا کہ سالم

بھائی خالہ آنکھ نہیں کھول رہی اور نہ ہی کسی کی بات کا جواب دے رہی ہے، سالم اور اس کی والدہ دوڑے ہوئے اماں ہاجرہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ بی بی ہاجرہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی اور ان کی بندھنی میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا، سالم نے وہ کاغذ نکالا اور پڑھنا شروع کیا، اس میں لکھا تھا۔ ”سالم بیٹے، میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنا گھر جنت کے بدلے میں دے دیا، میں نے اپنے رب سے بارہا اس بات کی التجا کی کہ یارب میں تیرے گھر سے دور ہونا نہیں چاہتی، لیکن اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ مجھے تیرا گھر چھوڑنا پڑے گا، میں نے یہ حدیث سن رکھی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے، میرا یہ گھر مسجد حرام کے لئے وقف ہے اور اس کے بدلے میں اللہ سے جنت میں اپنے لئے محل مانگتی ہوں۔ والسلام..... تمہاری اماں بی بی ہاجرہ!“

سالم خط پڑھ کر بے اختیار رو دیا، سالم کی ماں بہنوں نے ہاجرہ بی بی کو غسل و کفن دے دیا اور ظہر کی نماز کے بعد مسجد الحرام میں بی بی ہاجرہ کی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جنت المغلی میں تدفین ہوئی، اگلی رات سالم جب اپنے نئے گھر میں سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی خوب صورت باغ میں ایک خوب صورت ساحل ہے اور اس پر لکھا ہے۔ ”قصر بی بی ہاجرہ“ اتنی دیر اسے سامنے سے بی بی ہاجرہ دکھائی دیتی ہیں، وہ بھاگ کر ان کے پاس جاتا ہے، وہ کہتی ہیں۔ ”سالم بیٹا“ میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ پورا کیا اور مجھے جنت میں عظیم الشان محل عطا کیا، یہ سنتے ہی سالم کی آنکھ کھل گئی اور بے یقینی نے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور ایک نظر اپنے نئے گھر پر دوڑائی، اسے یہ گھر بی بی ہاجرہ کے مقابلے میں بالکل موزوں نہیں لگا، اسے اپنے والد کا سودا بی بی ہاجرہ کے سودے کے مقابلے میں بالکل بھی فتح بخش نہیں لگا۔

☆.....☆.....☆



ماں

بنت حافظ عبدالواحد

شیوہ، ایثار اس کا ایمان اور بچے پر ناز اس کی کمزوری ہے، اگر دنیا کے اس طلسم کدے میں صرف ”م“ کے حرف پر ہی غور کیا جائے تو ”محبت، محب، محبوب، محمود، محمد، مغفرت“ سب اسی حرف کے مرہون منت ہیں۔ لفظ ”ماں“ کے یہ تین حرف اتنے متبرک و معنی خیز ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے نام نامی ”آمنہ“ کے بھی عناصر ترکیبی یہی متبرک حروف ہیں، اگر یہ حروف اتنے متبرک اور معنی سے پر نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ”ماں“ کے نام میں یہ تینوں حروف استعمال نہیں ہوتے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”ا“، ”ن“ میں ضرور کوئی نہ کوئی خاصیتیں ایسی پوشیدہ ہیں، جنہیں ”ماں“ جیسے مقدس اور متبرک لفظ میں استعمال کیا گیا ہے۔

ماں کی محبت:..... ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی یا معشوقہ کو اپنی محبت کا یقین دلانے کی وجہ سے اپنی ماں پر پے در پے چاقوؤں کے وار کر کے اسے شہید کر دیتا ہے اور ماں کے خون سے صحن رنگین ہو جاتا ہے، بیٹے کے اندر کا حبث تسکین پاتا ہے، اتنے میں وہ ہٹ کر دوسری طرف جانے لگتا ہے کہ ناگاہ پیر

یہ سہ حرفی لفظ بڑی محبت، عزت و احترام کا حامل ہے، ماں کہتے ہی ذہن میں ایثار و خلوص، بے لوث محبت اور سراپا خیر و برکت کا ایک پیکر ابھرتا ہے، اس لفظ کے اظہار ہی سے ایک ایسی لہر خاکساری اور نیاز مندی کی انسان کے جسم و جان میں دوڑتی ہے کہ جس کی طرف مخاطب کا جذبہ، ہمدردی کا رجوع ہونا لازمی ہوتا ہے، جیسے ہی زبان سے ”ماں“ کا لفظ ادا ہوتا ہے، کہنے والے میں اپنی نیاز مندی، کمتری اور تعلق خاطر کا احساس جنم لیتا ہے اور سننے والے کے دل میں جذبہ رحم، شفقت و محبت کا جھریک بکھٹھٹھیں مارنے لگتا ہے اور تمام واقعات، رشتے و تعلقات، صبر و تحمل، ضبط و قرار پوری طرح سامنے آجاتے ہیں، جو گرانی حمل کے ایام سے بچے کے کبرنی تک دامتہ رہتے ہیں، اس لفظ ”ماں“ کے تین حرف ”م“، ”ا“ اور ”ن“ بڑے رموز اور نکات کے حامل ہیں، ان تینوں حروف کا خیر تین مختلف اقلیموں میں تیار کیا گیا ہے۔ ”م“ نے محبت کے اقلیم میں جنم لیا ہے۔ ”ا“ نے انار کی آغوش میں آنکھیں کھولی ہیں اور ”ن“ کا وطن مالوف ”ناز“ ہے، اس لئے ”ماں“ کے اجزائے ترکیبی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ محبت کرنا اس کا

منہ دیکھنے لگے کہ ایسا بھی ہوتا ہے، پھر بولے، شکرا کر میں کہ آپ نے زیادہ نہیں استعمال کی، خیر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، انہوں نے 15 انجکشن کا کورس کر دیا اور ادویات کا بھی، جس سے میری طبیعت بہتری کی جانب مائل ہوئی۔ یہ تو ایک واقعہ ہے اور پتہ نہیں کتنے ایسا مسحا ہیں جو مسحا نہیں، قصائی ہیں، لوگوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں، اللہ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے، آمین

☆.....☆.....☆

دو محبوب گھونٹ - دو محبوب

قطرے - دو محبوب قدم

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ کسی بندے نے دو گھونٹ ایسے نہیں پیئے جو اللہ تعالیٰ کو ان دو گھونٹوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

(۱) غصہ یا غضب کا گھونٹ جو بربادی کی وجہ سے وہ نیچے اتار لیتا ہے۔
(۲) مصیبت کا گھونٹ، جسے آدمی صبر کے ساتھ نگل لیتا ہے۔

اور کسی بندے نے دو قطروں سے زیادہ محبوب کبھی دو قطرے نہیں بہائے۔
(۱) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خون کا قطرہ۔
(۲) رات کی تاریکی میں آنسو کا قطرہ جبکہ وہ اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوتا ہے اور اللہ کے سوا اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔

اور کسی بندے نے دو قدموں سے بڑھ کر کبھی قدم نہیں اٹھائے۔
(۱) فرض نماز کی ادائیگی کی طرف جو قدم اٹھاتا ہے۔
(۲) وہ قدم جو صلہ رحمی کے لئے اٹھاتا ہے۔

☆.....☆.....☆

بات میں نے انہیں نہیں بتائی، ایک ہفتہ دوائیں استعمال کرنے کے بعد بھی کچھ افاقہ نہ ہوا تو ہم دوبارہ ان ہی ڈاکٹر کے نزدیک والے کلینک پر جا پہنچے، جو کہ (Kidney care clinic) کڈنی کیئر کلینک تھا وہ تو بہت عجیب سی جگہ معلوم ہو رہی تھی، بدیوبے انتہا، الٹرا ساؤنڈ مشین بھی خراب ہی معلوم ہو رہی تھی، جس میں ان کی بیگم الٹرا ساؤنڈ کرتی تھی، وہاں مریض جو پہلے سے موجود تھے، ان سے پتہ چلا کہ وہ پینل والوں (Panail) کو بھی دیکھتے ہیں، باری آنے پر ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے تو وہ گویا ہوئے کہ ”میں نے دوائیں پھر بدل دی ہیں لیکن بخار پھر بھی ہو تو یہ اور ٹیسٹ کروا کر مجھے بتائیں۔“ میرا دل نہ مانا کہ ہر بار تجربہ اور اب تو مجھ میں اور ہائی انٹی بائیوٹک ادویات کھانے کی ذرا بھی سکت نہیں ہے، میں نے اپنے شوہر سے مودبانہ عرض کی، آپ فیملی ڈاکٹر کے پاس ہی چلے چلیں، وہ جو کہیں گے، میں مان لوں گی، میں اس گردوں کے ڈاکٹر سے مطمئن نہیں ہوں اور میں روہانی ہوگی، میرے یہ جملے سن کر انہیں واقعی مجھ پر رحم آیا اور بولے، ہمیں تمہاری صحت کی زیادہ فکر ہے، واقعی تم صحیح کہہ رہی ہو، مجھے بھی یہ ڈاکٹر صحیح نہیں لگ رہا اور ہم اسی وقت دوبارہ اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت تھی کہ وہ ہمیں صحیح سمت کی جانب لے جا رہا ہے۔ فیملی ڈاکٹر نے گردوں کے ڈاکٹر کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور تمام رپورٹس دیکھی، ادویات کا پرچہ دیکھا تو ایک دم چونکے کہ بھابھی ایک بات بتائیں، ایک یہ جو کپسول آپ نے استعمال کیا تھا تو آپ کیا محسوس کر رہی تھی، یعنی دل بند ہوا، گھبراہٹ ہوئی، پہلے تو میں حیران ہوئی کہ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں لیکن جلد ہی جواب دیا۔ ”ہاں، ایسا ہی ہوا تھا، دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔“ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور میرے شوہر سے مخاطب ہوئے، بھائی اس دوا پر تو کافی عرصے سے پابندی ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کا

مس کال

سدرہ پرویز

مسلسل چوتھی بیٹی کی پیدائش پر اس کا نام ”مس کال“ رکھ دیا جس پر اس کی بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی اور مطالبہ کیا کہ وہ اس کا نام تبدیل کرے۔“

مجھے دکھ اس بات پر ہوا کہ قابل احترام والد صاحب مسلمان بھی ہیں، شاید ان کی نظر سے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر 49 اور 50 نہیں گزری، جس میں اللہ رب العزت فرما رہے ہیں کہ ”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں ملا کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے، وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔“

اللہ رب العزت اپنی ہی اس مقدس ترین کتاب کی سورہ النحل آیت نمبر 58، 59 میں ارشاد فرماتے ہیں: ”ان میں جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لئے ہوئے ہی رہے، یا اسے مٹی میں دبا دے۔ آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔“

سورہ الزخرف آیت نمبر 17 میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ”جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس (اللہ) نے جن جن کے لئے بیان کی

چند روز پہلے اخبار میں ایک خبر پڑھی، ویسے تو اخبار پڑھ کر ہر روز دل بچھ سا جاتا ہے مگر اس خبر نے دل کو واقعی زخمی کر کے رکھ دیا، کیونکہ خبر ایک بیٹی کے حوالے سے تھی، اس لئے فطری طور پر اس خبر کو پڑھ کر میرے دل پر بھی کاری ضرب لگی، جس کا درد اب تک میں محسوس کر رہی ہوں، مجھے تو یوں لگا، جیسے ابن آدم کی طرف سے بنت حوا کے گال پر ایک زور دار تھپڑ رسید کیا گیا ہے جس کی سرخی ابھی تک میرے چہرے سے نہیں ہٹی، پڑھے لکھے جاہل لوگوں کو شاید یہ تحریر عبث ہی لگے، مگر میرے نزدیک بلکہ ہر بیٹی کے نزدیک یہ خبر ایک غلیظ گالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

یہ گالی کسی غیر نے نہیں دی بلکہ یہ گالی ایک بیٹی کو اس کے حقیقی باپ نے دی ہے، یہ غلیظ گالی ہر بیٹی بلکہ ہر عورت کی ذات پر ایک سوالیہ نشان ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس ترقی یافتہ اور روشن خیال دنیا میں جس میں ایک عورت کو اتنا ہی حقوق حاصل ہیں، ہر طرف عورت کے حق اور عورت کے احترام کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، برابری کا نعروں بلند کیا جا رہا ہے، مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ اس دنیا کی بھٹی میں جلنے کو کہا جا رہا ہے، اسی دنیا میں ایک باپ اپنی چوٹی کی بیٹی کی پیدائش پر اس کا نام ”مس کال“ رکھ دیتا ہے۔

عورت ذات کی اس قدر تذلیل، اس قدر توہین!!!
ہاں ہاں قارئین، خبر کچھ یوں ہی تھی کہ ”ایک شخص نے

ضرب لگاتے ہیں کہ ماں ان ڈنک کی تاب نہ لا پاتی، اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے اور وہ مر جاتی ہے، اس طرح دوسرے بچھواس کے پیٹ سے نکل پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبرت اور سبق کے لئے بچھو کی پیدائش کا عجیب و غریب طریقہ پیدا کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں کہ جو ماں سے دعا کرتا ہے یا ماں کو ایذا پہنچاتا ہے، اس کا حشر کیا ہوتا ہے، حشر یہی ہوتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے، جہر نکلتا ہے، جس طرف کا رخ کرتا ہے، لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور اسے مارنے دوڑتے ہیں۔

ماں کا احترام:..... جب نیولین بونا پارٹ کرتی شہنشاہیت پر جلوہ افروز ہوا تو معززین شہر اور اس کے رفقاء و احباب اس کی خوشنودی کی خاطر اس کو مبارک کہاؤ دینے کے لئے حاضر و خد مت ہوئے، تو نیولین شان بے نیازی کے ساتھ کرسی سے اٹھا اور اپنا ہاتھ لوگوں کی طرف بڑھایا، تمام لوگوں نے ادب کے ساتھ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کی عزت و تکریم کی خاطر دوزانو ہوئے، انہی لوگوں کے اثر و دھام میں اس کی ماں بھی اپنے بیٹے کو کرسی شہنشاہیت جلوہ افروز ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے پہنچی، نیولین نے شہنشاہیت کے نشے میں ماں کے سامنے بھی ہاتھ بڑھا دیا، یہ سوچتے ہوئے کہ ایک شہنشاہ کی حیثیت سے ماں کو بھی میرے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہئے، جب ماں نے نیولین کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتی، اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا، کیونکہ اس کے نزدیک نیولین کی حیثیت ایک شہنشاہ کی نہیں، بلکہ ایک بچے کی تھی، نیولین نے جب ماں کے اس طرز کو دیکھا تو اس نے اپنا ہاتھ گرا دیا اور ماں کے سامنے دوزانو ہو کر اس کے ہاتھ کو چوم لیا، اس طرح ایک شہنشاہ کا غرور ماں کے سامنے سر بسجود ہوا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ صحیح معنوں میں ہم سب کو والدین کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆.....☆.....☆

ماں کے خون ہی پر پڑتا ہے اور بیٹا پھسل جاتا ہے، یکبارگی ماں کے پھسلے ہوئے خون سے آواز آتی ہے۔
بسم اللہ..... یہ عبرتناک واقعہ ہے کہ شتی سے شتی دل بھی ایسی درد انگیز واقعہ کو سن کر پھسل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کی نافرمانی سے بچائے اور عاقبت بخیر کرے۔ آمین

ماں کا لحاظ:..... حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتے ہیں، مگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انداز آج کچھ بدلا ہوا ہے، رحم و کرم کی وہ بارش جو پہلے ہوتی تھی، آج نہیں ہو رہی، جو گھلاوٹ، نرمی، شیرینی پہلے رہتی تھی، آج نہیں پائی جاتی، رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، گڑ گڑاتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے توبہ و استغفار کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ آج مجھ سے کیا خطا ہو گئی ہے کہ آپ کچھ بدلے بدلے سا نظر آتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: موسیٰ کل تک تمہاری ماں زندہ تھیں، وہ تمہارے حق میں دعا کرتی تھی، آج وہ حیات نہیں ہیں اور تمہارے حق میں دعا کرنے والا اٹھ گیا ہے، اسی واسطے میرے لہجے میں پہلی سی نرمی کا اظہار نہیں ہو رہا۔

ماں سے دعا:..... حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف گلستان میں لکھا ہے کہ ماں کا ادب و احترام بہت ضروری ہے، جس کسی نے ماں کا ادب و احترام، اس کی قدر و منزلت نہ کی، تو وہ زمانے کی نظر میں ذلیل، خوار اور رسوا ہوتا ہے اور جہاں کہیں بھی جاتا ہے، اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی مثال یہ دی ہے کہ اگر کسی بچھو کے سوراخ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بچھو ہی کی کھال پڑی ملتی ہے، یہ دراصل اس کی ماں کی کھال ہوتی ہے، کیونکہ جب بچھو پیدا ہونے والے ہوتے ہیں تو اپنے ڈنک سے ماں کے پیٹ میں اتنی

بیت



ثانیہ ساجد

لئے زیادہ سے زیادہ چار قدم ہی چلنا پڑتا تھا۔ ہاشم نے جب دروازہ کھولا تو سامنے ایک فرشتہ نما آدمی کو کھڑا پایا۔ پر نور چہرہ، سفید ٹوپی، چہرے پر بچی خوب صورت داڑھی اور ٹخنوں سے اونچی شلوار اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ شخص محلے کی مسجد سے آیا ہے۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام!“ ہاشم نے جواب دیا۔

”جی میں محلے کی مسجد کا ممبر ہوں، مجھے ہاشم زاہد سے ملنا ہے۔“

”جی میں ہاشم ہوں۔“ اس نے اپنا تعارف کرایا۔

”مسجد کی طرف سے زکوٰۃ کے پیسے ضرورت مندوں میں تقسیم کئے جا رہے ہیں، یہ مولوی صاحب نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں، آپ کو ہر ماہ مسجد کی طرف سے وظیفہ کے طور پر کچھ رقم دی جائے گی۔“

یہ کہہ کر اس نے ہاشم کی طرف ایک لفافہ بڑھایا، اس لفافے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ہاشم کی خودداری چیخ چیخ کر اسے روکنے لگی، اس کا جی چاہا کہ وہ اس لفافے کو یہ کہہ کر واپس کر دے کہ ہم زکوٰۃ پر پلنے والے لوگ نہیں۔ دوسری طرف اس کے کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونجنے لگی۔ ”اگر

”ٹھک ٹھک ٹھک“ دروازے پر دستک کی آواز سن کر ہاشم خوفزدہ ہو گیا۔ ”اگر یہ مالک مکان ہوا تو میں اسے پیسے کہاں سے دوں گا؟“ اس نے سوچا۔ ”میرے پاس تو ماں کی دوائی کے لئے پیسے نہیں ہیں، اب میں کیا کروں؟“ وہ رو ہانسا ہو گیا۔ دروازہ دوبارہ بجا۔ ”ہاشم بیٹا دروازہ کیوں نہیں کھولتے؟“ اس کی بیمار بوڑھی ماں نے لڑکھائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اماں میرے پاس مالک مکان کو دینے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔“

”ارے بچے!“ اس کی ماں نے کھسپانی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

”وہ جواب کبھی اس تپتی دھوپ میں گھر سے نکلا ہے کیا؟ جا کر دیکھ کون آیا ہے۔“

”رہنے دو اماں! کوئی سائل ہو گا ہمارے پاس کون سا کلمہ ہے دینے کو، ہم تو خود دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں۔“ ہاشم نے چڑ کر جواب دیا۔ دروازہ دوبارہ بجا۔

”اللہ بہت بڑا ہے، اب جا بھی۔“ اماں نے اسے لڑکھائی بھجوا۔

اس ایک کمرے کی کونجی میں دروازہ کھولنے کے

ہے کہ توبہ کر لیں اور صرف اتنا سوچیں کہ خطائیں دیکھتا بھی ہے خطائیں کم نہیں کرتا سمجھ میں نہیں آتا وہ اتنا مہرباں کیوں ہے؟ بیٹی، اللہ رب العزت کی رحمت ہے اور اللہ رب العزت کی رحمت کو ٹھکرانے والوں کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے، آگہی اور یاد دہانی کے بعد اپنی بہتری اور فلاح کے لئے اپنے اعمال کو درست کرنا ہی عقل مندی ہے، ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

بیٹے بیٹی کے فرق کو تم مٹا دو آج یہ ہے برسوں کی گتھی اسے سلجھا دو آج صرف چاہت سے سینے سے لگاؤ اس کو صدقہ جاریہ بس صرف بناؤ اس کو گزارش ہے اس محترم باپ سے جس نے اپنی بیٹی کا نام ”مس کال“ رکھا ہے کہ وہ لمحے بھر سے پہلے اپنی بیٹی کا نام تبدیل کرے اور اپنے اس فعل پر اللہ رب العزت سے معافی کا طلبہ گار ہو۔

☆.....☆.....☆

تین اعمال درجوں کو بلند کرنے والے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بڑھاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا، ضرور بتلائیے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: وضو کا کامل کرنا، ناگواری کی حالت میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی مسجد میں دور سے آنا یا پھر مسجد میں بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (مسلم شریف و بخاری شریف)

ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو ہم عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے دعوے دار ہیں اور دوسری طرف ہم فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے ہی بھلا بیٹھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو نبی کی آمد پر اپنی چادر بچھاتے اپنی جگہ پر بیٹھتے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ ”جس آدمی کو بچیاں دے کر آزمایا گیا، پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو یہ بچیاں آگ اور اس کے درمیان (قیامت کے دن) رکاوٹ بن جائیں گی۔“

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش دلی سے بیٹیوں کی پرورش کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ ”جس کسی نے جوان ہونے تک دو بچیوں کی پرورش کی، میں اور وہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملایا، ایک جگہ پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، پھر وہ اللہ کا خوف کھا کر ان کی پرورش کرتا رہے، وہ میرے ساتھ اس طرح جنت میں ہوگا، آپ نے درمیان اور شہادت والی دونوں انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ واہ! بیٹیوں کی بدولت کیا ”ساتھ“ نصیب ہوگا۔ کاش! کوئی اس طرف بھی دھیان کرے۔ بیٹیوں کی آمد پر ناگواری کا اظہار کرنا، ان کی تذلیل کرنا، ان سے بیزاری ظاہر کرنا، نہ صرف مشرکانہ فعل ہے بلکہ اس سے قرآن و سنت کی بھی نفی ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس خواہش کے ہوتے ہوئے نسل انسانی کی بقا ممکن نہیں ہے، بہتر معاشرتی نظام اور نسل انسانی کی بقا کے لئے جہاں بیٹوں کی ضرورت ہے، وہاں بیٹیوں کی بھی ضرورت ہے۔

اللہ رب العزت نے کائنات میں ایسی کوئی شے نہیں بنائی جو عبث ہو، مجھے ان والدین سے جو بیٹیوں کی آمد پر خوش نہیں ہیں یا نہیں تھے ان سے صرف اتنا کہنا

اماں کا جلد علاج نہ کرایا تو ان کا بچنا مشکل ہے۔“

چند ماہ پہلے ابا کے انتقال کے بعد اب ہاشم کے پاس اماں کے علاوہ کوئی نہیں تھا، چودہ سال کی عمر میں ماں باپ کا سایہ کھودینے کے بعد ہاشم کو ظالم سماج کا اکیلے ہی سامنا کرنا پڑا، ابا کے غم میں اماں بستر سے لگ گئیں، جس فیکٹری میں ابا کام کرتے تھے، انہوں نے تو سوئم کے بعد اپنی شکل بھی نہیں دکھائی۔ کچھ ماہ تو جمع پونجی سے گزر بسر ہوا، لیکن پھر ہاتھ خالی ہو گئے۔ اب اللہ نے غیبی امداد بھیجی تھی، جسے اماں کے علاج کے لئے اس نے قبول کیا۔

”کون تھا بیٹا؟“ ہاشم کے دروازہ بند کرتے ہی اماں کی آواز آئی۔

”مسجد سے ایک آدمی آیا تھا، زکوٰۃ کے پیسے دے کر گیا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا ہوا بیٹا؟“ ماں نے ہاشم کو کھویا ہوا چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

”اماں، کیا اب ہم اتنے غریب ہو گئے ہیں کہ زکوٰۃ کے پیسوں پر پلپیں گے۔“

”اللہ بہت بڑا ہے بیٹا! اللہ بہت بڑا ہے۔“ اماں نے جواب دیا۔

ہاشم نے لفافہ کھولا تو اس میں سے سو سو کے دس نوٹ نکلے، یعنی ایک ہزار روپے، ہاشم سوچ میں پڑ گیا، اتنے

پیسوں میں اماں کا علاج کراؤں، ان کی دوائیاں لوں یا گھر میں اتنا خرید کر لاؤں، پانچ سو روپے تو صرف ڈاکٹر کو دکھانے کے لگ جائیں گے، کیا کروں، کہاں سے

شروع کروں، ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اماں کو کھانسی شروع ہو گئی، اس نے اٹھنے کے لئے انہیں سہارا دیا، وہ اور

زیادہ کھانسنے لگیں، ہاشم دوڑ کر پانی کا گلاس لے آیا، لیکن پھر بھی ان کی کھانسی نہ رک سکی، ہاشم فوراً انہیں لے کر ڈاکٹر کے کلینک کی طرف روانہ ہوا، جب تک ان کا نمبر آیا، اماں

کھانستے نڈھال ہو چکی تھیں، ڈاکٹر اماں کا معائنہ کرنے لگا، وہ گہری سانس لے رہی تھیں۔

بیٹا ہاشم! میں نے پہلے جو دوائیاں لکھ کر دی تھیں انہیں کھلائیں؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”نہیں ڈاکٹر! پیسے ہی نہیں تھے۔“ ہاشم نے کہا۔

”میں نے کہا تھا نا، ان کا جلد سے جلد علاج کرنا ضروری ہے، آپ نے بہت دیر کر دی۔“ ڈاکٹر نے ابھی

اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ اماں کی گہری سانسیں تیز سانسوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہاشم ان کی طرف بھاگا،

لیکن ڈاکٹر ٹرس سے مس نہ ہوا۔ ہاشم نے ڈاکٹر کو آواز بھی دی، لیکن انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا، ہاشم پریشانی کے

عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا، اتنے میں اسے اماں کی آواز آنا بند ہو گئی، اس نے دوسری طرف دیکھا تو اماں پلنگ پر

بالکل ساکت پڑی نظر آئی، ڈاکٹر نے اٹھ کر ان کی آنکھیں بند کیں اور چادر اوڑھادی، ہاشم کا دل اور دماغ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، ایسا اپنے

ساتھ اس کی آدمی دنیا لے گئے تھے اور جو آدمی بچی تھی وہ اب اماں لے گئیں۔

”مجھے کیوں ساتھ نہیں لے گئیں؟“ اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ آہستہ آہستہ وہ یہ جملہ دہراتا رہا،

آنسوؤں کی لہر آنکھوں سے بہنا شروع ہوئی، جو تین دن تک نہ تھمی، کفن دفن کا سارا انتظام محلے والوں نے

سنجھالا، ہاشم کو کچھ ہوش نہیں تھا، وہ صرف اپنی اماں کا پر نور چہرہ دیکھتا رہا، جیسے وہ ابھی اٹھیں گی اور کہیں گی۔

”اللہ بہت بڑا ہے بیٹا! اللہ بہت بڑا ہے۔“

نہ جانے کتنے دنوں تک اس گھر کا چولہا نہ جلا اور نہ ہی ہاشم کے پاس خریدنے کے لئے پیسے باقی بچے تھے،

ہر وقت ہر جگہ اسے اماں ہی نظر آتی، اس کا دل چاہتا کہ کہیں سے اماں کو واپس لے آئے، اللہ تعالیٰ سے روزِ نماز

رو کر اماں کو واپس مانگتا، لیکن اماں واپس نہ آئی، وقت کے ساتھ ساتھ زخم بھرتا گیا اور چوں کہ غربت اور تنہائی ہاشم کے ہم نشین تھے، اس لئے زخم بھرنے کی رفتار تھوڑی تیز

تھی، جب مہینے کے زکوٰۃ کے پیسے موصول ہوئے تو کچھ

پیسوں سہاشم نے گھر کا ضروری سامان خریدا اور جو باقی آرمے بیچ گئے تھے، اس سے ہاشم نے کچھ کام کرنے کا

سوچا، وہ دو سو روپے کرایہ پر ایک ریڑھی لے آیا اور باقی تین سو روپے کی وہ بچوں کے لئے چاکلیٹ، چپس اور

بیکٹ وغیرہ خرید کر ریڑھی پر لا کر بیچنے کے لئے نکل پڑا، پورے ماہ میں کچھ زیادہ نہیں، صرف چار سو روپے ہی

کما سکے، جس میں سے دو سو روپے اس نے کرایہ ادا کیا، باقی دو سو روپے لے کر وہ گھر آ گیا، وہ خوش تھا کہ اس نے

کچھ کمایا ہے، وہ سوچنے لگا کہ یہ دو سو روپے کس طرح سے استعمال کرے، ایک اکیلی جان کو کھانے پینے کے

علاوہ کیا چاہئے اور جو راشن وہ پچھلے ماہ خرید کر لایا ہے، وہ ابھی تک چل رہا ہے، اس نے اپنی ریڑھی کے لئے جو

سامان کم یا ختم تھا، وہ خریدا، باقی بچیں روپے جو بیچ گئے تھے، اس نے ایک بکسے میں محفوظ کر کے رکھ دیئے، ابھی

وہ پیسے رکھ کر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ جس طرح ان زکوٰۃ کے پیسوں نے مجھے میرے

بیروں پر کھڑا کرنے کے قابل کیا، میری اماں کی تدفین کا انتظام کیا، اسی طرح کیا خبر میری دی ہوئی زکوٰۃ کسی کی

اسی طرح معاون و مددگار ثابت ہو سکے اور کیا خبر ان بیسوں کے وقت پر پہنچ جانے سے کسی کی اماں کی جان بچ

سکے، یہ سوچ کر اس نے بکسے میں بچیں روپے نکالے اور سمجھ کی طرف روانہ ہوا، وہ پیسے اس نے زکوٰۃ کے ڈبے

میں ڈالے اور اپنا نام زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں کٹوا کر گھر آیا۔

آج بہت دنوں بعد وہ سکون کی نیند سویا، خواب میں اسے اپنی اماں نظر آئی، جو کہہ رہی تھیں۔ ”ہاشم بیٹا! تم نے

بہت اچھا کام کیا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، وہ تمہارے دن بھر دے گا۔“

جوں ہی ہاشم کی آنکھ کھلی، اس نے خود کو غیر معمولی طور پر مسکراتے دیکھا، تھوڑا بہت کھاپی کر وہ ریڑھی اٹھا

کر باہر نکلا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس ماہ ہاشم

نے 800 روپے کمائے، وہ بہت حیران تھا، کرایہ اور گھر کا راشن، پھر ریڑھی پر پہلے سے زیادہ سامان لانے کے

بعد بھی اس کے پاس 200 روپے بچے، جو اس نے اپنے پاس جمع کرنے کے بجائے زکوٰۃ کے ڈبے میں

ڈال دیئے، اسی طرح ہاشم دن دو گنی اور رات چو گنی ترقی کرتا رہا، پہلے تو اس نے وہ ریڑھی خرید لی، پھر آہستہ

آہستہ وہ کرائے کی ایک دکان پر شفٹ ہو گیا، جہاں وہ ہول سیل میں کھانے پینے کی اشیاء بیچنے لگا، پھر رفتہ رفتہ وہ

دکان بھی اس نے خرید لی اور پھر ایک دن وہ دکان ہاشم جنرل اسٹور بن گئی، ان چند سالوں میں ہاشم نے خوب

ترقی کر لی تھی، ایک کرائے کی ریڑھی سے جنرل اسٹور کا مالک بن گیا، لیکن کچھ چیزیں اب بھی ویسی ہی تھیں، وہ

گھر جس میں اماں کی یادیں بسی تھیں اور وہ بکسا جس میں وہ اپنے پیسے جمع کرتا اور مسجد میں جا کر زکوٰۃ کے ڈبے

میں ڈال آتا، اسے آج بھی امید تھی کہ شاید یہ پیسے وقت پر پہنچ کر کسی کی اماں کی جان بچالیں۔

جب وقت بدلتا ہے تو حالات بھی بدل جاتے ہیں اور حالات پھر لوگ اور ان کے رویے بھی بدل دیتا ہے،

جو رشتہ دار والدین کے انتقال کے بعد فون پر حال احوال پوچھ کر اپنا فرض ادا کرتے تھے، وہ آج ہاشم کے ارد گرد

منڈلا رہے تھے، نہ صرف اسے کاروباری مسائل اور Techniques سے آگاہ کرتے تھے، بل کہ اس کی

مزید ترقی کے لئے بھی کوشاں رہتے، وہ نہیں جانتے تھے کہ ہاشم کی ترقی کا انتظام اس رب نے کر رکھا ہے، جس

کے بندوں کی مدد کے لئے وہ فرض اور ضرورت سے زیادہ دیتا ہے۔

ایسے ہی ایک رشتہ دار کی بیٹی ہانیہ سے کچھ ماہ بعد ہاشم کی شادی طے پائی تھی، جس کے لئے وہ اپنی ایک

کمرہ کٹھی کو ایک عالی شان مکان میں تبدیل کر رہا تھا، شادی کے بعد بھی ہاشم کی عادتیں بالکل نہ بدلیں، وہ اسی

طرح سے ترقی کی سیڑھیاں چڑھتا رہا، اب تو اس سفر

میں ایک اور ہم سفر بھی شامل تھا، زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ تھی، وہ بالکل ہاشم کی اماں کی طرح نزاکت اور سلیقہ مندی سے گھر کی چیزوں کا خیال رکھتی اور ان کی صفائی کا اہتمام کرتی، ایک دن وہ ہاشم کی الماری صاف کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ وہ یکساں لگ گیا، جو ہاشم کی کامیابیوں کا راز تھا۔

”یہ کیا ہے ہاشم؟“ اس نے سوال کیا۔

”یہ اماں کا بکسا ہے، وہ ہمیشہ اس میں اپنے پیسے، زیورات اور ضروری چیزیں سنبھال کر رکھتی تھیں۔“ ہاشم نے بتایا۔

”لیکن یہ تو ابھی بھی بھرا ہوا ہے، اس میں کیا ہے؟“ اس نے ایک اور سوال کیا۔

”اب اسے میں استعمال کرتا ہوں۔“ ہاشم نے جواب دیا۔

”یعنی یہ تمہارا Money box ہے۔“ وہ انہی نے اس کے ادھورے جوابات کو سمجھنے کی کوشش کی۔

”بابا! ہاشم مسکرایا۔

”Money box تو ہے، لیکن میرا نہیں۔“

”تو پھر کس کا؟“ ہانیہ چڑ گئی۔

”تم مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے؟“

”کیوں کہ یہ راز کی بات ہے۔“ ہاشم نے سرگوشی کی۔

”ٹھیک ہے مت بتاؤ! میں ہونی ہی کون ہوں

تمہارے راز کے بارے میں پوچھنے والی؟ مجھے حق ہی کیا

ہے تمہارا ہم راز بننے کا؟ ہاشم دی گریٹ ہونا تم تو۔“ ہانیہ

نے جذباتی تقریر کر ڈالی، جس پر ہاشم نے بڑی مشکلوں

سے اپنی ہنسی کو روکا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور

کہا۔ ”یہ میری زندگی کا سب سے بڑا راز ہے ہانیہ! غور

سے سنو! میں نے آج تک جتنا پیسہ بھی کمایا، کچھ بچا کر

نہیں رکھا، جتنی ضرورت ہوتی، اتنا خرچ کرتا اور باقی سارا

پیسہ زکوٰۃ میں دے دیتا ہوں، اس کی برکت سے اللہ نے

مجھے ایک کرایہ کی ریڑھی سے جزل اسٹور کا مالک بنا دیا۔“

ہاشم نے اپنی بات ختم کی، اسے لگ رہا تھا کہ ہانیہ یہ سن کر حیرت انگیز طور پر مسرت کا اظہار کرے گی، لیکن اس کے تاثرات کچھ برعکس نکلے۔

”تو کیا مطلب ہے تمہارا کہ تم نے اپنے لئے کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھا؟“

”نہیں! میں اکیلا ہی تھا، ایک تنہا شخص کی ضرورت ہی کتنی ہوتی ہے؟“ ہاشم نے اسے سمجھایا۔

”میرے لئے تو یہ بات بے حد ناقابل یقین ہے کہ تم بغیر کسی بچت کے ایک کرایہ کی ریڑھی سے جزل اسٹور کے مالک بن گئے۔“ ہانیہ نے اپنی حیرانگی کا اظہار کیا۔

”ایک تو عورتوں کی سمجھ بھی اتنی ناقص ہوتی ہے،

کہ بس تو ہے۔“ ہاشم نے اسے سمجھانے کی دوبارہ کوشش

کی۔ ”یعنی اگر میرا آگے کوئی کام کرنے کا مقصد یا ارادہ

ہوتا تو میں اس کے لئے بچاتا تھا، لیکن اپنا وہ کام پورا

ہو جانے کے بعد میں زکوٰۃ کے لئے دے دیتا، میری

ضروریات ہی کیا ہیں۔“

”ہاں! ہاشم تمہاری بات ٹھیک ہے، لیکن اب تم

اکیلے نہیں ہو، اب ہم دونوں ہیں اور کل اگر اللہ نے چاہا تو

ہماری فیملی شروع ہوگی۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ہاشم اپنی بیوی کے اس

اچانک حملے سے گھبرا گیا، اس نے وہ دوسری راہ محسوس

کر لی تھی، جو ہانیہ اسے دکھا رہی تھی، لیکن اس کے لئے

اپنے برسوں پرانے عمل کو چھوڑ کر اس دوسری راہ کو قبول

کرنا خاصا مشکل تھا۔

”دیکھو ہاشم! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“ ہانیہ

نے اپنے لہجے کو دھیمہ کر لیا۔ ”میری امی کہتی تھیں کہ سمجھ

دار عورت وہ ہے، جو اچھے وقت میں مشکل وقت کے لئے

بچا کر رکھے، پہلے کی بات اور تھی، اب ہماری ایک فیملی

ہے، جس کی مستقبل کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اور

مستقبل کے لئے بچت بھی ضروری ہے، زکوٰۃ دینے کے

پانچ ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ارکان اور

فرائض میں سے ہے، لیکن اللہ نے اس کی بھی ایک مقدار طے کی ہے، زندگی میں اور بھی بہت کام ہوتے ہیں،

میرے پیسے زکوٰۃ دے دینے کے لئے نہیں ہوتے۔“

”لیکن آج تک میرا کوئی کام زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ

سے نہیں رکھا اور نہ ہی اس فعل نے مجھے مفلس کیا ہے۔“

ہاشم نے کہا۔

”لیکن اب ہمیں اپنے اور اپنی ہونے والی فیملی کے

مستقبل کے لئے Saving کرنی ہوگی۔“ ہانیہ نے ہار

مانتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ ہاشم وہیں بیٹھا اس کی

باتوں پر غور کرتا رہا۔ بظاہر تو ہانیہ ہار مان کر اٹھی تھی، لیکن

اصل میں ہاشم ہار گیا تھا، دل ہی دل میں کہیں نہ کہیں

اسے ہانیہ کی بات ٹھیک لگ رہی تھی، لیکن اس کے اندر کی

ایک آواز اسے یہ بھی بتا رہی تھی کہ جس رب نے اسے

اس مقام تک پہنچایا ہے، وہ اس کے بڑھنے والی فیملی کا

انتظام بھی کر سکتا ہے، وہ الجھ گیا تھا، کش مکش کا شکار تھا،

اس نے اپنے ذہن سے تمام خیالات جھڑک دیئے اور

وہاں سے اٹھ گیا۔

میں نے آخر میں جب مسجد جاتے ہوئے ہاشم نے

وہ یکساں اٹھایا تو پچھلی تمام باتیں درد سر بن کر ابھریں، وہ

دوبارہ سے الجھنا نہیں چاہتا تھا، اس کے پاس وقت نہیں

تھا، ہاشم جزل اسٹور کی توسیع کر کے اسے ہاشم سپر

مارکیٹ بنانے کی تیاریاں کر رہا تھا، اس نے یکے میں

سے تھوڑی سی رقم نکال کر علیحدہ کی اور باقی پیسے لے کر

مسجد چلا گیا، اسی طرح دن گزرتے رہے، ہاشم کی

مصرفیات اتنی بڑھ گئیں کہ اس کے پاس کچھ بھی سوچنے

کے لئے وقت نہیں تھا، ایک طرف ہاشم کی سپر مارکیٹ کی

تیاریاں اور دوسری طرف گھر میں آنے والا نیا مہمان،

ہانیہ سے بڑے پیار سے اپنے بیٹے کا نام حماد رکھا، حماد کی

پیدائش کے بعد ہاشم اپنی بڑھتی ہوئی آمدنی میں سے

صرف شرعی دستور کی مقرر کردہ شرح ہی زکوٰۃ کرنے لگا،

کچھ سال بعد اللہ نے اسے ایک بیٹی سے بھی نوازا، جس

کا نام ہاشم نے حمزہ رکھا۔

زندگی یوں ہی گزرتی رہی، لیکن اس بار کچھ بھی نہیں بدلا، ہاشم کا سپر مارکیٹ اسی طرح چلتا رہا اور وہ اپنی آمدنی میں سے مقرر کردہ زکوٰۃ دیتا رہا، صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ اب حماد اپنے ابا کے ساتھ کام میں مدد کرتا تھا اور حمزہ اپنی امی کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

ایک دن ہاشم اپنے تمام accounts چیک کر رہا تھا، مہینہ کی آمدنی کے اس نے تین حصے کئے، ایک حصہ گھر کے خرچ کا، دوسرا حصہ بچت کا، مشکل وقت کے لئے اور تیسرا حصہ زکوٰۃ کے لئے، ابھی وہ یہ سب چیزیں Calculate کر رہی رہا تھا کہ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ”اگر میں اپنی بچت کے پیسوں کو کسی مقصد کے لئے جیسے حج کے لئے رکھ دوں تو ان پیسوں پر زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی، اس طرح میں نے جو پیسے زکوٰۃ کے لئے نکالے ہیں، وہ میں بچا سکوں گا۔“ قدرت حیران تھی کہ ہاشم کے ذہن میں یہ خیال کیسے آسکتا ہے، لیکن ہاشم نے نہ صرف یہ کہ ایسا سوچا بلکہ اپنے ضمیر کی آواز کو پکڑ کر اس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

اگلے ماہ پھر ہاشم نے اسی طرح کیا، اب بار مقصد حمزہ اور حماد کی شادی تھا، اس کے اگلے ماہ ہاشم کو کوئی بہانہ یا مقصد تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، کیوں کہ اس بار ہاشم کی سپر مارکیٹ اس قدر نقصان میں گئی کہ نہ صرف اسے یہ حج اور شادی کے لئے بچائے ہوئے پیسے استعمال کرنے پڑے، بل کہ گھر کا خرچہ بھی آدھا ہی دیا۔

وہ اس اچانک نقصان کی وجہ سے بہت پریشان ہو گیا، اسے کوئی وجہ دکھائی نہیں دے رہی تھی، اگلے ماہ اتنا نقصان ہوا کہ سپر مارکیٹ کے بجلی کے بل کی ادائیگی کے بھی پیسے نہ بچے، اتنا نقصان ہاشم کو اپنی زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا، وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی آنکھ لگ گئی، ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سر

ڈوبتے کو خلا ہی بچاتا ہے

بنت اعظم

لگ رہا تھا، جو بہت بڑا ہے، اسے گزرے ہوئے وقت سے ڈر لگ رہا تھا، جو دوبارہ آمد کی خبر دے رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور اپنی جیب ٹٹولنے لگا، اس میں 25 روپے نکلے، وہ مسجد کی طرف روانہ ہوا اور وہ 25 روپے زکوٰۃ کے ڈبے میں ڈال کر دوبارہ ہاشم سپر مارکیٹ کی جانب چل دیا۔

☆.....☆.....☆

میں لاکھ نیکیاں

☆..... حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ”لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ احدا صمدا لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد“ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بیس لاکھ نیکیاں لکھیں گے، مذکورہ کلمہ ایک بار کہنے پر بیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں، اگر ہر فرض نماز کے یا اس سے پہلے یہ کلمہ ایک بار کہہ لیا کریں تو روزانہ با آسانی ایک کروڑ نیکیاں حاصل ہو سکتی ہیں، آپ بھی حاصل کر لیجئے، کل یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

☆..... دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے، آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ)، جو شخص مسجد سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ (ارشاد نبوی)، بد بخت ہے وہ شخص جو خود مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)، جب تم کسی صاحب علم کو دنیا کی طرف مائل دیکھو، تو سمجھ لو وہ دین کے بارے میں قابل الزام ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)، بے کار ہے وہ عالم جس سے علم کی بات نہ پوچھی جائے۔ بے کار ہے وہ دولت جس کو کار خیر میں خرچ نہ کیا جائے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)، زمانے کے پل پل کے اندر آفات پوشیدہ ہیں۔ (حضرت علیؓ).....

میں شدید درد کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی، تھوڑی دیر تک تو اسے اپنی آنکھوں کے سامنے صرف اندھیرا دکھائی دیا اور اچانک اس اندھیرے میں سے اسے اماں نمودار ہوتی نظر آئی۔

”اماں! آپ!“ حیرت کے مارے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، جوں جوں اماں اس کے قریب آتی گئیں، اسے ان کا چہرہ صاف نظر آنے لگا، اس نے دیکھا کہ اماں کی آنکھوں میں نمی ہے، وہ رورہی ہیں۔

”ہاشم! یہ تم کیا کر رہے ہو بیٹا! کیوں اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کھباڑی مار رہے ہو؟ تم تو اتنے ہی دل تھے، یہ بخل کہاں سے سیکھا تم نے؟“

”اماں! اب میرے پاس ہے ہی کیا، جو میں سخاوت کروں؟ پچھلے چند ماہ میں، میں اتنا بے بس ہو گیا ہوں کہ کاروبار کرنے کے بھی پیسے نہیں بچے میرے پاس۔“ ہاشم نے اپنی پریشانی بیان کی۔

”بیٹا! کوئی صدقہ اور کوئی زکوٰۃ کسی مال میں کی نہیں کرتا، تم نے زکوٰۃ میں جانے والی رقم کو بچانے کے لئے حیلے، بہانے بنائے، اب تم ایسی مشکل میں ہو کہ تمہارے پاس کچھ نہیں بچا، یاد کرو وہ وقت ہاشم! جب ہمیں زندہ رہنے کے لئے دوسروں کی زکوٰۃ کی ضرورت پڑتی تھی، اگر تم اب نہ سنبھلے تو عن قریب وہ وقت دوبارہ آجائے گا، زکوٰۃ ادا کرنے سے تم کبھی مفلس نہیں ہوئے، بل کہ تمہارے مال میں اتنی برکت ہوئی کہ جو کام ہزاروں میں نکلتا چاہئے تھا، وہ سینکڑوں میں نکل جاتا تھا، جب تک تم دوسروں کی مدد کرتے رہے، اللہ تمہیں ترقی دیتا رہا اور جب تم نے خود غرضی دکھائی، اللہ نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا اور تم مفلسی کے قریب پہنچ گئے، مت بھول ہاشم کہ اللہ بہت بڑا ہے، وہ تم سے بھی زیادہ بڑا ہے۔“ اماں اپنی بات ختم کر کے وہاں سے ایسے عائب ہوئیں جیسے کبھی وہاں نہیں ہی نہیں۔

ہاشم بہت گھبرا گیا، اسے ڈر لگنے لگا، اسے اماں سے اور ان کی ناراضی سے ڈر لگ رہا تھا، اسے اس اللہ سے ڈر

”اومائی گاڈ! ماما آپ کو یہ چالوسی لگ رہی ہے، میں معصوم بے چارہ چالوسی کرنی نہیں آتی مجھے۔“ عدنان اس انداز سے بولا کہ امی کے ساتھ ساتھ صبا بھی ہنس پڑی۔

”اچھا، ماما اگر آپ برا نہ مانیں تو اپنی ایک خواہش بیان کروں۔“ عدنان نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”دیکھا جناب! ماما کی بٹرنگ اسی لئے ہو رہی تھی کہ آخر کوئی تو خواہش..... مقصد ہے۔“ صبا نے کچن سے آتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

”میری پیاری ماما، کبھی نام نہ نکل کر میرے پاس بھی بیٹھ جایا کریں۔“ عدنان نے امی کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں، اب صبا کو سارا کام دے کر بیٹھ گئی اپنے بیٹے کے پاس۔“ امی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تھینک یو! مائی Sweet mom“ عدنان نے شوخ انداز میں کہا۔

”خیریت، آج اتنی چالوسی کیوں کی جا رہی ہے۔“ ماما نے مشکوک لیکن مسکراتے ہوئے کہا۔

”او ہو.....!“ عدنان نے بہن کو گھورا، اتنے میں مغرب کی اذان شروع ہو گئی۔

”مما، اب نماز کے بعد ہی بات کروں گا، نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔“ عدنان نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا، لیکن ممّا کے جواب دینے سے پہلے ہی صبا بول پڑی۔

”کتنے نمازی کب سے ہو گئے تم، جمعہ، جمعہ نماز پڑھتے تھے۔“ صبا بھی آج تنگ کرنے کے فل موڈ میں تھی۔

”تم سے تو آ کے نمٹ لوں گا۔“ یہ کہتے ہی وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

”میں نے آج تک اپنے بیٹے کی کوئی بات ٹالی ہے اور پھر زندگی تم نے گزاری ہے، لڑکی بھی مجھے بہت ہی پیاری لگی ہے، کل چل لوں گی رشتے کی بات کرنے، اوکے Any tention“ ممّا نے عدنان کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

”تھینک یو! ممّا آپ نے میری بات مان لی۔“ عدنان نے مختصر سا جواب دیا اور ممّا اخبار پڑھنے لگیں، عدنان سوچوں میں گم تھا کہ ممّا کو حقیقت سے آگاہ کرے یا نہ کرے، ممّا کو ان کے گھر جا کے تو اندازہ شاید ہو ہی جائے گا، ماہ نور ان کے گھر والے تو کبھی منع نہیں کریں گے، انہیں تو میں بہت پسند ہوں، انہی سوچوں میں گم تھا کہ کیا کروں۔

”مما آپ اخبار رکھ کر پلیز میری ایک بات سن لیں۔“ عدنان بے اختیار ہی ممّا کو کہہ اٹھا۔

”ہاں بیٹا، بولو، مجھے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔“ ممّا نے اخبار سا بیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”مما، آپ اس کا بیک گراؤنڈ پوچھ رہی تھیں تو میں ناں گیا، ممّا وہ لوگ دراصل قادیانی ہیں، لیکن ممّا، اس سب کے باوجود مجھے ماہ نور بہت پسند ہے، بہت خوب صورت ہے اور اس کے گھر والے بھی میرا بہت اچھا استقبال کرتے ہیں، اگر ان کے گھر چلا جاؤں۔“ عدنان نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوری حقیقت سے ممّا کو آگاہ

کر دیا۔ مہاجریت کا بت بنے عدنان کو گھور رہی تھیں۔

”تم مجھے سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ ان کے گھر کیوں جاتے ہو، میں سمجھی تھی کہ یونیورسٹی میں ملتے ہو۔“ ممّا ایک دم غصہ آ گیا تھا، بات ہی ایسی تھی۔

”مما، میری وہ کالج لائف سے کلاس فیلو ہے، تو اب اتنا تو چلتا ہے، اس کی ممّا کو واپسی کبھی کبھی بس پر جانا ہوتا تھا، اگر ان کا ڈرائیور نہیں ہوتا تھا تو میں ان دونوں کو یونیورسٹی سے ان کے گھر تک ڈراپ کرتا تھا، اس لئے مجھے اندر آنے کے لئے کہتی تھیں، ویسے بھی وہ سیکنڈ ایئر میں ہماری لیکچرار تھیں۔“ آج ساری حقیقت کھل رہی تھی، دوسری جانب ممّا پر یہ انکشافات پہاڑ بن کر ٹوٹ رہے تھے، اتنے میں صبا کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

”کھانا لگ گیا ہے، سب سے درخواست کی جاتی ہے کہ باہر تشریف لے آئیں۔“ یہ سنتے ہی ممّا اور عدنان کمرے سے باہر نکل گئے۔ ممّا کو چپ سی لگ گئی تھی، فراز صاحب بھی کھانے کی ٹیبل پر آ گئے تھے، صبا اور اس کے ابو، سارہ صاحبہ کی اس خاموشی کو نہ سمجھ سکے، کھانے سے فارغ ہوتے ہی ممّا نے اپنے کمرے کا رخ کیا، فراز صاحب کے بہت پوچھنے پر بھی کہ ”بیگم کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“ لیکن سارہ بیگم انہیں مسلسل مالتی رہیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ فراز صاحب کو بھی یہ دکھ پہنچے، ویسے بھی وہ غصے کے تیز تھے، اس ڈر سے انہوں نے نہیں بتایا کہ معاملہ بگڑ نہ جائے۔

☆.....☆.....☆

عدنان ممّا کے رویہ کو سمجھ نہ سکا تھا۔ ممّا کو کیا دکھ ہوا میری بات سن کے۔ ”میرے خیال میں تو یہ کوئی اتنا بڑا ایشیو نہیں ہے، نکاح کے بعد مسلمان کر لوں گا۔ اور اگر نہ ہوئی مسلمان تو؟“ اس کے ضمیر نے سوال اٹھایا، لیکن اپنے آپ کو الٹا سیدھا سمجھا کر سو گیا۔

☆.....☆.....☆

یہی تو مسئلہ ہے ہمارے معاشرے میں، لڑکے لڑکی

کو اس حد تک چاہنے لگتے ہیں کہ اس کا مذہب تک نہیں دیکھتے اور..... کیا یہ اس کے لئے اپنا مذہب بدل لے گا، نہیں، نہیں، اللہ نہ کرے، سارہ بیگم انہی سوچوں میں گم تھیں کہ ایک دم بستر سے اٹھ گئیں، ایک نظر سوتے ہوئے فراز صاحب پر ڈالی اور موبائل اٹھائی ڈرائنگ روم میں آ گئیں، یہ لوگ جلدی سونے کے عادی تھے، ابھی گیارہ بجے تھے اور سب اپنے اپنے کمروں میں تھے، انہوں نے جلدی ہی اپنی بہن حفظہ کا نمبر ڈائل کیا، انہیں معلوم تھا کہ ان کی بہن بارہ بجے سے پہلے نہیں سوتی اور وہی ان کا مسئلہ سلجھا سکتی ہے، حال احوال پوچھنے کے بعد انہوں نے عدنان سے ہونے والی تمام گفتگو ان کو بتائی اور بے اختیار ہی ان کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ”حفظہ، میری تربیت میں کہاں کی رہ گئی، جو یہ اتنا بڑا قدم اٹھا رہا ہے، میں نے ہمیشہ اس کا بھلا چاہا، اس کی ہر بات مانی، لیکن اس بات کی تو مجھے قطعاً امید نہیں تھی، اس کے ابو نے تو اس کو آزادی دی ہوئی تھی کہ چلوڑ کا ہے، اپنی پسند سے شادی کر لے، میں مانتی ہوں کہ وہ بھی غلط ہیں، اتنی آزادی نہیں ہونی چاہئے، لیکن حفظہ، اس کو مذہب کا تو خیال کرنا چاہئے تھا، ہم کچھ بھی ہیں، ماڈرن سہی، لیکن مسلمان تو ہیں۔“ سارہ بیگم کو یہ بہت بڑا دھچکا لگا تھا، اسی لئے حفظہ نے بولنے دیا، تاکہ دل کا غبار نکلے۔

”آپی، آپ بے فکر رہیں، میں طلحہ سے کہوں گی کہ باہر والوں کو تو درس دیتے ہی ہوں، اب اپنے بھائی کو بھی سمجھاؤ، آپ پریشان مت ہوں، زندگی میں کتنے موڑ تو آتے ہی ہیں۔“ حفظہ نے سارہ بیگم کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

”حفظہ تم اور طلحہ کل دوپہر کا کھانا ہمارے گھر کھاؤ اور اس بے وقوف کو جو مرا جا رہا ہے اس لڑکی کے پیچھے، آ کے سمجھاؤ۔“

”نہیں آپی، کھانا آپ رہنے دیں، میں کل آ جاؤں گی، میرے بھانجے کی زندگی کا مسئلہ ہے، آپ بے فکر ہو کر سو جائیں، اللہ حافظ۔“

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام!“

”کیسی ہیں آپ خالہ؟“ عدنان حفظہ خالہ کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، اندر آنے دو گے یا نہیں۔“ خالہ شرارت سے بولیں۔ عدنان نے فوراً راستہ چھوڑ دیا۔

”طلحہ بھائی آپ ڈرائنگ روم میں آ جائیں، راستہ کلیئر ہے۔“

تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں سب موجود تھے، سوائے صبا اور فراز صاحب کے، کیونکہ صبا طلحہ کے سامنے نہیں جاتی تھی، طلحہ کو یہ بات پسند نہیں تھی جبکہ فراز صاحب اپنے Business میں آج کل مصروف تھے، عدنان یونیورسٹی کی وجہ سے ابو کے Business کو رات میں دیکھ پاتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”خالہ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے، شادی کے بعد میں اسے مسلمان کر لوں گا۔“ عدنان نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”بیٹا، پہلی بات تو یہ کہ کافر سے نکاح ہی نہیں ہوتا، دوسری بات یہ کہ تم اسے کہو کہ مسلمان ہو جائے، فوراً اپنا مذہب چھینج کر لے تو کیا وہ بدل لے گی؟ اگر تمہیں کوئی کہے کہ بس میری خاطر اپنا مذہب بدل لو تو کیا تم مذہب بدل لو گے؟“ خالہ نے اس پر نظریں جمادیں۔

”نہیں خالہ، اللہ نہ کریں، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ عدنان ایک دم گھبرا گیا۔

”تو پھر میری جان، تم کیسے اسے مسلمان کرو گے، اور کیا تم قادیانیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ وہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے اور جو ہمارے آخری نبی کو آخری نہیں مانتا، وہ کافر ہے۔“ خالہ یہ کہہ کر تھوڑی دیر کی ہی تھیں کہ طلحہ بھائی نے شروعات کی۔

”آخری نبی یا خاتم النبیین کے معنی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوگا اور نہ امت کو ایسے نبی پر ایمان لانا ہوگا، لیکن قادیانی مرزائی یہ کہتے ہیں کہ آپ کے خاتم النبیین کا یہ مطلب نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبی بنا کریں گے، اب دیکھو میرے بھائی، کتنا حماقت والا عقیدہ ہے ان کا، ٹھپے لگنے سے نبی بنے (نعوذ باللہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے نبیوں کی آمد بند ہوگئی، اب کوئی نبی نہیں آئے گا، لفافہ بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں، جس کو سیل کرنا کہتے ہیں۔ (to seal something) ختم کے معنی ”سیل کر دینا۔“ خاتم النبیین کے معنی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے نبیوں کی فہرست سر بمہر کر دی گئی، اب نہ تو اس فہرست سے کسی کو نکالا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کسی کو داخل کیا جاسکتا ہے لیکن مرزائی کہتے ہیں کہ پہلے نبوت اللہ تعالیٰ خود دیا کرتے تھے، لیکن اب یہ محکمہ اللہ پاک نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہر لگائیں اور نبی بنائیں۔ (نعوذ باللہ) یہ ہے زندقہ، کہ نام اسلام کا لیتے ہیں لیکن اپنے کفریہ عقائد پر قرآن کریم کی آیات کو ڈھالتے ہیں، اسی طرح ان کے بہت سے کفریہ عقائد ہیں جن کو یہ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں، کہنا یہ ہے کہ یہ مرزائی زندیق ہیں جو عقائد ایسے رکھتے ہیں، جو اسلام کی رو سے خالص کفر ہیں اور نہ ہی کافروں سے نکاح ہوتا ہے۔“ یہاں تک کہہ کر طلحہ بھائی خاموش ہو گئے اور جوس پینے لگے۔

سارہ بیگم دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ طلحہ نے اتنا اچھا سمجھایا اور ساتھ ساتھ حیران بھی

ہو رہی تھیں کہ اس کو اتنی معلومات کیسے ہیں قادیانیوں کے بارے میں۔

”بیٹا طلحہ، تمہیں یہ سب معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟“ سارہ بیگم آخر طلحہ سے پوچھ ہی بیٹھیں۔

”خالہ جان! یہ معلومات تو میرے خیال میں بچے بچے کو ہونی چاہئے، اگر آپ کفار کے بچے بچے سے پوچھیں مسلمانوں کے بارے میں تو وہ نفرت کا اظہار کریں گے، اس کا مطلب ہے کہ بچپن سے ہی ان کو مسلمانوں کے خلاف کیا جاتا ہے اور ہم ایسے ہیں کہ ہمیں سرے سے ان کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔“ یہ کہہ کر طلحہ عدنان کی فیلینگ جانے کے لئے اس کو گھورنے لگا جبکہ سارہ بیگم اندر ہی اندر شرمندہ ہونے لگیں کہ واقعی اتنی معلومات تو مجھے بھی نہیں تھیں، پھر میرے بچوں کو جب کسی نے بتائیں ہی نہیں یہ باتیں تو ان کو کیسے معلوم ہوتیں۔

”اچھا، پھر ہمیں ان لوگوں کو مسلمان کرنے کی تو کوشش کرنی چاہئے۔“ عدنان نے خاموشی توڑی۔

”میرے بھائی، مسلمان ایسے نہیں کیا جاتا کہ آپ لڑکی کو سمجھائیں، کیونکہ اسلام میں بد نظری سخت گناہ ہے اور یہ مسائل بد نظری کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں، نہ کوئی لڑکا کسی لڑکی سے بات کرے، نہ یہ مسئلہ پیدا ہوں، آخر میں حدیث شریف بھی سنا دیتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”دونوں آنکھوں کا زنا نامحرم کی طرف نظر کرنا ہے۔“ طلحہ آج واقعی کوئی عالم معلوم ہو رہا تھا، ابھی تھا تو چھٹے سال میں، لیکن اپنی بات دوسروں تک پہنچانا بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

”ارے طلحہ بھائی، آج تو واقعی اس کا ر معلوم ہو رہے ہیں، میرے بھائی میرے کرنا کا کام اگر نہیں ہے تو امی وغیرہ کو ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ تو کرنی چاہئے، کیا پتہ اسلام قبول کر لیں، وہ لوگ اتنے برے نہیں ہیں۔“ عدنان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ چاہتا

ہی لڑکی کو ہے۔

”تمہاری خالہ نے بالکل صحیح کہا تھا کہ کوئی اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتا، جب تم سے کبھی اس لڑکی نے اسلام کے بارے میں کوئی دسکشن نہیں کی، تو خاک چینیج ہوئی، ہاں تم پر وہ ضرور حیران ہوتی ہوگی کہ مسلمان ہو کر اسے چاہتے ہو۔“ سارہ بیگم نے بھی اسے سمجھانے کی اپنی کوشش کی۔

”دیکھو بیٹا، ان کا شروع سے ہی یہ طریقہ کار رہا ہے کہ مسلمان لڑکوں کو اپنی لڑکیوں کے ذریعے اپنی طرف کھینچتے ہیں، کیونکہ لڑکے بڑی آسانی سے اس طرح قابو میں آجاتے ہیں، اس لئے تمہاری امی کی بات بھی بالکل صحیح ہے، مجھے امید ہے کہ میرا بیٹا سمجھ گیا ہوگا۔“ خالہ نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی خالہ، بالکل حقیقت ان کافروں کی کھل کر میرے سامنے آگئی ہے، اب ویسے بھی لاسٹ سیکسٹر ہے، میں اس سے بالکل کٹ اوف کر دوں گا، لیکن مجھے بس یہ تھا کہ ہم کہیں گناہ گار نہ ہوں کہ ہم نے اسلام کی دعوت نہیں دی۔“ عدنان نے بھی ان کے اعتقاد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں۔

”نہیں بیٹا، تم گناہ گار نہیں ہو گے، بے فکر ہو، آپنی لب میرے بھانجے کے لئے کوئی خوبصورت سی لڑکی تلاش کریں جو اس سے زیادہ خوب صورت ہو۔“ خالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”سچ پوچھو حفظہ، مجھے تمہاری عرفہ بے انتہا پسند ہے، خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی ہے، اچھا ہے ہمارے گھر کا ماحول بھی چینیج ہو جائے گا، اور یہ بھی کچھ سنو رہا ہے گا۔“ سارہ بیگم نے جان کر عدنان کے سامنے بات چھیڑی، تاکہ وہ شاید رضامند ہو جائے۔ دوسری طرف حفظہ خالہ گھبرا گئیں، لیکن پھر فوراً سنبھل کر بولیں۔

”آئی، آپ جیسی شفیق ساس میری بیٹی کو شاید کبھی

نہ ملے، لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کی بچپن سے ہی تربیت دینداری پر کی ہے، پردہ بھی آپ جانتی ہیں، اس نے گیارہ سال کی عمر میں کر لیا تھا، پھر بیوی وغیرہ بھی ہمارے گھر پر نہیں ہے، آپنی، میں یہی چاہتی ہوں کہ اب اس کی شادی دیندار لڑکے سے ہو تاکہ اس کو مشکل نہ ہو۔“ حفظہ خالہ نے بڑے سلیقے سے اپنی بات آپنی تک پہنچائی۔

”حفظہ، میں یہی تو چاہتی ہوں کہ دینداری سے ہمارا گھر بھی روشن ہو جائے اور سچ بتاؤں فراز کو بھی عرفہ بہت پسند ہے لیکن مجھے معلوم ہے ان باتوں کا کہ ماشاء اللہ پردہ دار بچی ہے، ایڈ جسٹ مشکل سے ہوگی۔“ عدنان بظاہر طلحہ سے باتیں کر رہا تھا، لیکن کان اس کے ادھر ہی لگے ہوئے تھے، دروازہ ناک ہوا، باہر صبا نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور سب کھانا کھانے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

آج سارہ بیگم بے انتہا خوش تھیں، عرفہ دلہن بنی بہت ہی پیاری لگ رہی تھی، جو کوئی عرفہ کو دیکھتا، تعریف کرنا نہ بھولتا۔

”بڑی معصوم اور پیاری بچی ہے۔“ اس آواز نے سارہ بیگم کی سوچوں کا سلسلہ توڑا جو نبی مڑ کے دیکھا تو مسز انصاری یہ مکٹس پاس کر رہی تھیں۔

عرفہ بھی خالہ کے گھر میں بہت خوش تھی، اس کے پردے کے معاملے میں بھی سب نے سپورٹ کی تھی اور وہ بھی آہستہ آہستہ عدنان پر محنت کر رہی تھی، شادی کے بعد سے عدنان پانچوں وقت کا نمازی ہو گیا تھا، وہ بھی اس کی باتوں کو سنتا اور عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرتا، فراز صاحب بھی بہت خوش تھے اور سارہ بیگم تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھیں، جس نے یوں اچانک ان کی مرادیں پوری کر دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آنکھ نہ ناک بہو گئیں سی

غزالہ خالد



کھولنے اور ہمارے ساتھ لڑکی دیکھنے چلیے۔

واہ واہ آقا! دیکھا کیسا شاندار بنگلہ ہے، لگتا ہے ظلم ہوش رہا میں آگئے، اب ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا جا رہا ہے، کیا زبردست ڈرائنگ روم ہے، بھی ہر چیز سے امارت فیک رہی ہے، ایک ایک ڈیکوریشن ہیں ہزاروں کا ہے، اوہو! یہ تو لڑکی کی اماں تشریف لارہی ہیں، کیا ٹھاٹ باٹ ہیں بھی، کیسا شان دار قیمتی لباس پہنا ہوا ہے، دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں بھری ہوئی ہیں، شکل سے البتہ چرب زبان اور تیز طرار لگ رہی ہیں، انہیں پہلے سے پتہ چل گیا ہے کہ آپ کا بیٹا کتنا پڑھا لکھا اور کس عہدے پر فائز ہے، تنخواہ تک معلوم ہے، لہذا وہ آپ کے اوسط درجے کے کپڑوں کو خاطر میں نہیں لا رہی ہیں، آپ کے آگے کچھی جارہی ہیں، ان کے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں کہ اگر آپ نے ان کی بیٹی (جو کہ خاصی تک چڑھی اور خمرے والی ہے) کو پسند کر لیا، تو انہیں ان کا من پسند داماد مل جائے گا۔ ارے ارے آپ! دیکھئے لڑکی کی آمد بھی ہوگئی، اچھی خاصی شکل و صورت کی مالک ہے، چہرے پر دولت کی چمک نے ایک عجیب نکھار پیدا کر دیا ہے، آپ کی تو آنکھیں پھٹی جارہی ہیں،

اچھا آیا، آپ کا بیٹا جوان ہو گیا، خوب پڑھ لکھ بھی گیا، نوکری بھی زبردست مل گئی، شکل و صورت بھی ٹھیک ٹھاک ہے، آپ کے لئے تو پرستان کا شہزادہ لگتا ہے، ہے ناں؟ تو اب اس کی شادی کا ارادہ ہے؟ چاندی دہن ڈھونڈ رہی ہیں، ظاہر ہے بھی پرستان کے شہزادے کے لئے، دہن بھی کوہ قاف کی پری ہونی چاہئے، ساتھ ساتھ والدین کا مال دار ہونا بھی بہت ضروری ہے، ڈھونڈئے، ڈھونڈئے، ضرور ڈھونڈئے، لیکن اس سے پہلے ہم سے مشورہ کرنا نہ بھولئے، جی ہاں ہم! جو آپ کو مفت میں بتائیں گے ”دہن پسند کرنے کا صحیح طریقہ“ بعض لاپچی خواتین بیٹوں کی شادی کرتے وقت مال دار اور حسین و جمیل لڑکیاں ڈھونڈتی ہیں، سفید پوش گھرانوں کی ذہین، سلیقہ مند اور سچھی ہوئی لڑکیاں انہیں بالکل پسند نہیں آتی، ویسے تو مستقبل کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو عقل، سمجھ، سوجھ بوجھ دی ہے، بشرطیکہ یہ اسے استعمال کیا جائے؟ تو آئیے، پہلے ہم آپ کو دکھاتے ہیں دہن پسند کرنے کا غلط طریقہ اور پھر بتائیں گے صحیح طریقہ، یہ بہت ضروری ہے، تاکہ آپ کو صحیح اور غلط میں تمیز کرنے میں مشکل نہ ہو، سو تصور کی آنکھ

تک اس پرستان کی شہزادی کو دیکھئے جارہی ہیں، کبھی جہاں آرا، کبھی چمن آرا، کبھی دل آرا، کبھی حسن آرا، اس شہزادی کے لئے طرح طرح کے شاہی نام ذہن میں آ رہے ہیں۔ کیوں، صحیح کہہ رہی ہوں نا آپ! دل کی مراد پوری ہونے جارہی ہے، مستقبل کا خوش آئند تصور سانس تک لینے نہیں دے رہا، ہر طرف قیمتی جہیز، اسپورٹس گاڑی، زیورات کے ڈبے ناچتے نظر آ رہے ہیں، آپ کے نور نظر، لخت جگر کے ایسے نصیب کھلیں گے، یہ تو آپ نے سوچا بھی نہ ہوگا۔

لیجئے صاحب، یہ تو فنافٹ بات بھی پکی ہوگئی، ادھر آپ نے رشتہ دیا، ادھر لڑکی کی اماں نے آپ کے منہ میں بڑا سارس گاٹھوں کر ہاں بھی کر دی، شادی کی تاریخ طے ہوئی اور تیاریاں شروع ہو گئیں، خوب پیسہ خرچ کیا گیا، اب ظاہر ہے آپ نے اپنے سے زیادہ حیثیت والوں میں رشتہ طے کیا ہے تو تیاری بھی ویسی ہی کرنی پڑے گی، ورنہ ناک کھٹکے کا ڈر ہے، ادھر بھی لینا پڑا، خیر جناب شادی کا دن بھی آگیا، شادی اور ویسے کے دن اس سچ پر بیٹھی دہن کو دیکھ کر لوگوں نے خوب خوب تعریفیں کیں، آپ کا سر فخر سے اونچا ہو گیا، باقی کسر شان دار جہیز نے پوری کر دی، کچھ لوگوں نے تو دیکھ کر انگلیاں تک چبا ڈالیں، پورے خاندان میں آپ کی بہو اور اس کے جہیز کی دھوم مچ گئی، پھر رشتے دار تو جمل کے کباب ہو گئے۔

وقت ذرا آگے سرکا، حسین خواب سے آنکھ کھلنا شروع ہوئی، یہ کیا؟ کوہ قاف کی پری تو اپنے پروں پر پانی ٹپک پڑنے سے رہی، ظاہر ہے بھئی، امیر کبیر گھر کی بیٹی ہے اسے آپ کا گھر، اس کا سامان، اس میں رہنے والے لوگ اور ان کے طور طریقے بالکل پسند نہیں آئے، بروت اپنے کمرے میں بند رہتی ہے، بات کرو تو کدھت لیجئے میں جواب دیتی ہے، گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگانا ب عزتی سمجھتی ہے، تک سک سے تیار ایسے رہتی ہے، جیسے مقابلہ حسن میں شرکت کرنے جارہی ہو، اب

اس شہزادی کو دیکھ کر کوئی دل آرا، چمن آرا، حسن آرا یا نہیں آتی، اب تو اس کی صورت دیکھ کر صرف کلیجے پر آرے چلتے محسوس ہوتے ہیں اور بیٹا، وہی بیٹا جو کبھی پرستان کا شہزادہ لگا کرتا تھا، اب کاٹھ کا الو معلوم ہوتا ہے، ممی ڈیڈی (ساس سر) آجائیں، تو ان کے سامنے باادب، با ملاحظہ، ہوشیار ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے، لگتا ہے ان کے ایک اشارے پر ناک سے زمین پر لکیریں کھینچنا شروع کر دے گا اور بہو کی اماں جو پہلے عاجزی اور سرشاری کی تصویر بنی رہتی تھیں، اب آپ کو سلام تک کرنا پسند نہیں کرتیں۔

ارے! یہ آپ کے چہرے پر عبرت اور خوف کے آثار کیوں نمودار ہو گئے، سانس کیوں چڑھ گیا، اوہو آپ کی تو طبیعت خراب ہونے لگی، ارے کیا آپ بھول گئیں کہ اس وقت ہم اپنی تصوراتی دنیا میں تھے، چلیں اب اس دنیا سے باہر آجائیں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ ابھی آپ کے پاس سمجھنے کا وقت ہے، توبہ کریں، لا حول پڑھیں، ہاں اپنا خوف کم کرنے کے لئے ایک گلاس ٹھنڈا پانی بھی پی لیں، شاباش! اب ذرا اطمینان سے لمبے لمبے سانس لیں اور یاد رکھیں کہ بزرگوں کا قول ہے کہ ”بیٹی اپنے سے ایک درجے اونچی حیثیت والوں میں بیاہو اور بہو اپنے سے کم حیثیت گھرانے سے لاؤ، تو بہت سی پریشانیوں سے بچ جاؤ گے۔“

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ بہو پسند کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے، آئیے، اب ایک چھوٹے سے صاف ستھرے گھر میں چلتے ہیں، سادہ سا ڈرائنگ روم ہے، پر گھر کے لوگ پر خلوص اور سلیقہ مند لگتے ہیں، بڑی کی والدہ گو معمولی کپڑوں میں ہیں، پر خوش اخلاق بہت ہیں، گھر کا سامان سادہ سا ہے، تو کوئی بات نہیں، تہذیب و سلیقہ تو ہر چیز سے فیک رہا ہے ناں، ارے لیجئے لڑکی بھی آگئی اور آپ کے سامنے خاموشی سے آکر بیٹھ گئی، ذہین، سلیقہ مند اور کم گو معلوم ہوتی ہے، شکل صورت بھی ٹھیک ٹھاک ہے،

اسلام اور اخلاق

سمیرا مسکین



اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اپنی تعلیمات دی ہیں اور اخلاق ایک ایسی چیز ہے جو زندگی کے ہر حصے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

اخلاق اصل میں کیا ہے؟ انسان کو مدنی الطبع اور معاشرتی حیوان کہا گیا ہے اور یہ فطری طور پر معاشرت پسند ہے، معاشرت پسند اس کی فطرت بھی ہے اور ضرورت بھی، معاشرت کا اختیار کرنا عقل کا تقاضا بھی ہے اور جامع، کامل، خوبصورت اور بہترین مذہب اسلام بھی اس کو اچھی معاشرت کی ترغیب دیتا ہے۔

جب انسان کو معاشرے میں رہنا ہے تو وہ رہبانیت اختیار نہیں کر سکتا اور سب سے کٹ کر تعلقات منقطع کر کے نہیں بیٹھ سکتا، اسے دوسروں سے تعلقات رکھنے ہوں گے، روابط رکھنے ہوں گے اور اسے دوسروں کے ساتھ واسطہ پڑے گا یا اسے دوسروں کے ساتھ نباہ کرنا ہوگا، یہ نباہ اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی، نباہ کے لئے اسے دوسروں کے ساتھ مختلف معاملات میں ایک خاص

لائی، لیکن اپنے ساتھ تعلیم و ہنر، تہذیب و اخلاق، بہترین تربیت، احساس ذمہ داری، خدمت، برداشت اور خوش اخلاقی جیسی خوبیاں ذہیروں کے لئے کر آئی، اپنی ان ہی خوبیوں کے سبب چند ہی دنوں میں سب گھر والوں کے دل پر راج کرنے لگی، آپ کے گھر کی ہر چیز اسے بہترین لگتی ہے، ہر چیز کی قدر اس کے دل میں حد سے زیادہ ہے، کوئی کام کرنے میں عار نہیں سمجھتی، میکے والے اول تو زیادہ آتے نہیں اور اگر کبھی بیٹی کی محبت میں آ بھی جائیں تو آپ کے سامنے محبت و احترام سے نظر جھکا کر بات کرتے ہیں، آپ کی اور آپ کے پرستان کے شہزادے کی حد سے زیادہ قدر اور عزت افزائی کرتے ہیں۔

اب بولنے کیا خیال ہے؟ اوہو! اب کہہ رہی ہیں کہ ”بھئی مان گئے، آنکھ نہ ناک بہو گیندی“ چلیں آنکھ نہ ناک اگر اب بھی پسند نہیں، تو یہ مانیں کہ بہو گیندی ہے، دیکھا آپ نے یہ ہے ”بہو پسند کرنے کا صحیح طریقہ“ ہر طرف سکون، اطمینان، ٹھنڈک ہی ٹھنڈک، ہم نے دونوں طریقے آپ کو بتا دیئے ہیں، فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، کون سا طریقہ منتخب کرتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

دس باتیں

- (۱) توحید مسلمانوں کے لئے ایمان کی جڑ ہے۔
- (۲) اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کی کامیابی ہے۔
- (۳) شریعت پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے امن ہے۔
- (۴) جہالت پر چلنا انسان کے لئے بربادی ہے۔
- (۵) اتفاق سے رہنا مسلمانوں کی خاص شان ہے۔
- (۶) تقویٰ سے انسان کی معرفت تک پہنچ سکتا ہے۔
- (۷) نفسانی خواہش آدمی کو تباہ برباد کر دیتی ہے۔
- (۸) توبہ کر لینا آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔
- (۹) ضد پر اڑے رہنا ایمان کا عمل ہے۔
- (۱۰) منزل تک وہی پہنچتا ہے جس کو حق کی تلاش ہے۔

لیکن آپ بڑی تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی ہیں، لگتا ہے پسند نہیں آئی؟ ہے ناں، دھیما دھیما انداز لئے سادہ چہرے والی جو ہے، آپ کو تو دل پر بجلیاں گرانے والی حسینہ چاہئے، ارے بھی ذرا غور سے تو دیکھیں، اب بھی پسند نہیں آرہی، کہتی ہیں کہ نہ آنکھ پسند آرہی ہے، نہ ناک، تو ایسا کریں ذرا اپنے برابر میں بیٹھی لڑکی (بیٹی) کو دیکھیں، ہاں ذرا اچھی طرح دیکھیں۔

بس پیاری بہنو! جب کسی کی لڑکی کو ناپسند کرنے والی ہوں، اس میں عیب نکالنے والی ہوں، تو ذرا اپنے برابر میں بیٹھی اپنی بیٹی کی شکل و صورت پر بھی غور کر لیا کریں، ہمیں یقین ہے کہ پھر دوسروں کی بیٹی کے عیب ذرا مشکل ہی سے نظر آئیں گے اور یہ پتے کی بات ہم آپ کو بتا دیں کہ بہو سجانے کے لئے تو نہیں لانی ہوتی ہے کہ ویسے کے اسٹیج سے اٹھایا اور شوکیس میں سجادیا کہ آتے جاتے لوگ دیکھ کر واہ واہ کرتے رہیں، بہو کو ہمارے گھر میں رہنا بسنا ہوتا ہے، دن رات کا ساتھ ہوتا ہے، ہمارے بیٹے اور اس کی آنے والی نسل کا مستقبل اس سے وابستہ ہوتا ہے، اچھی صورت رکھنے والوں کے برے رویے، خود غرضی، گزبھر کی زبان اور صبر و برداشت کی کمی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے، یوں حسین سے حسین صورت بھی بری لگنے لگتی ہے اور معمولی شکلیں اپنی اچھی عادات و مزاج، ایثار پسندی، خدمت و اطاعت گزاری کے باعث حور، پریوں سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہیں، اگر صورت اور سیرت دونوں ساتھ مل جائیں تو سونے پہ سہاگہ ہے لیکن صرف پیسے اور صورت کے بل بوتے پر بہو پسند کرنے والوں کے حصے میں کچھ تو بے ہی کچھ تو سآتے ہیں۔

ہاں تو جناب! اب بتائیے، لڑکی پسند آگئی ہے ناں، ٹھیک ہے، یعنی لڑکی پسند کرنے کا مرحلہ تو طے ہوا، اب لڑکی والوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی گئی، دو چار ملاقاتوں میں بات طے ہوگئی، شادی پر بہت زیادہ اسراف بھی نہیں کرنا پڑا، سفید پوش لوگ تھے، ذرا سی ”بری“ سے ہی خوش ہو گئے اور یوں دہن گھر آگئی، جو چیز تو معمولی

کردار ادا کرنا ہوتا ہے، اگر معاملات میں اس کا یہ کردار اچھا ہوگا تو ایک اچھا نباہ ہوگا اور اگر کردار اچھا نہیں ہوگا تو اس کا کردار برا نباہ کہلائے گا، اگر ہم صحیح الفاظ میں تعبیر کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کا نباہ کرنے کے لئے دوسروں کے ساتھ معاملات میں جو کردار ہے، وہی اس کا اخلاق ہے، اگر وہ اچھا کردار ادا کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اخلاق اچھا ہے اور اگر وہ برا اور گھٹیا کردار ادا کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اخلاق برا ہے، کسی حد تک ہم انسان کی فطرت کو اخلاق کا نام دے سکتے ہیں، اچھی فطرت والا اچھے اخلاق سے متصف ہوگا اور بری فطرت والا برے اخلاق کی صفت کا حامل ہوگا۔

اخلاق کے ساتھ ساتھ ایک چیز علم اخلاق بھی ہے، جو علم دوسروں کے ساتھ معاملات میں انسان کے کردار کی اچھائی اور برائی کو واضح کرے، وہ علم اخلاق ہے، انسان کے دوسروں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کوئی آج سے شروع نہیں ہوئے بلکہ یہ تعلقات اس دن سے شروع ہو چکے تھے کہ جب دو انسان دنیا میں آچکے اور تعلقات میں اچھائی اور برائی بھی کوئی آج پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ بھی شروع دن سے موجود ہے، ظاہر ہے کہ تعلقات کی یہ اچھائی یا برائی آپس میں ادا کئے جانے والے اچھے یا برے کردار کا نتیجہ ہے یا دوسرے لفظوں میں اچھے اور برے اخلاق کی وجہ سے ہے، جب اخلاق اور اس کی اچھائی اور برائی کا تصور شروع دن سے ہے تو کہا جاسکتا ہے، علم اخلاق بھی شروع دن سے ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے، اسے خلیفۃ فی الارض کہا ہے، اس کی تخلیق میں ایک امتیاز رکھا ہے، اس کی ضروریات کو پیدا کیا ہے، کائنات کو اس کے لئے مسخر کیا ہے، یہ سب کیوں ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ اہمیت انسان کو اس کے کسی خاص امتیاز کی بنا پر دی گئی ہے اور اگر انسان اپنے اس امتیاز کو برقرار نہ رکھے تو یہ بہت بڑا کفران نعمت ہوگا، پھر انسان

اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور انسان کی اس حیثیت اور اہمیت کا خاتمہ ہو جائے گا، جو اللہ کریم نے اسے دی ہے، جب انسان کو ایک خاص حیثیت کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے تو اس کی تخلیق کا یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہوگا اور وہ مقصد خود خالق نے بتلایا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون O

میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری بندگی کریں، یوں کہہ لیجئے کہ کچھ فرائض کی احسن انداز میں بجا آوری ہے جو کہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہے اور اس کی وجہ امتیاز ہے، اسلام ان فرائض کی بجا آوری کی ترغیب دیتا ہے اور ان میں دوسروں کے ساتھ معاملات کی اچھائی نہایت اہم ہے، اگر ان فرائض کی بجا آوری ہو اور دوسروں کے ساتھ معاملات میں اچھا کردار ادا ہو تو انسان اعلیٰ حیثیت اور شرف رکھتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو کفران نعمت کا مرتکب ہوگا، اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہ رہے گا اور اس کی اس اہمیت، حیثیت، شرف اور امتیاز کا خاتمہ ہو جائے گا جو اللہ رب العزت کی طرف سے حاصل ہوا ہے، اسی وجہ سے دنیا کو دارالامتحان قرار دیا گیا ہے اور آخرت کا تصور دیا گیا ہے اور آخرت کا تصور یہ وہ بنیادیں ہیں جو انسان کی تہذیب اخلاق میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اخلاق قرآن و حدیث کی روشنی میں:..... قرآن کریم اور حدیث نبوی کا ذخیرہ اخلاقی تعلیمات سے بھرا پڑا ہے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

☆..... لیسک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔

(سورۃ القلم آیت ۴)

☆..... اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔

(سورۃ البقرہ آیت ۸۳)

☆..... اور اصلاح کرتا رہ اور بگاڑ پیدا کرنے

والوں کے طریقے پر نہ چل۔

(سورۃ الاعراف آیت ۱۳۲)

☆..... اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے

ساتھ احسان کیا اور زمین میں فساد نہ پھیلا۔

(سورۃ القصص آیت ۲۷)

☆..... اور برائی کا بدلہ دے، یہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے پس اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بیشک اللہ نہیں پسند کرتا ظلم کرنے والوں کو۔

(سورۃ شوریٰ آیت ۴۰)

☆..... اے ایمان والوں! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہیں کشادہ فرمائے گا۔

(سورۃ المجادلہ آیت ۱۱)

☆..... اے ایمان والوں! نہیں کھاؤ ایک دوسرے کے مالوں کو باطل طریقے سے۔

(سورۃ النساء آیت ۲۹)

☆..... اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔

(سورۃ النساء آیت ۳۲)

☆..... اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔

(سورۃ لقمان آیت ۱۹)

☆..... اور احسان کرو بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵)

☆..... اے ایمان والوں! تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ کچھ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔

(سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

☆..... اور آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۰۵)

☆..... بیٹھا بول اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہوتا ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۶۳)

☆..... اللہ کو نہیں پسند کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے مگر یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

(سورۃ النساء آیت ۱۲۸)

☆..... اور صلح بہتر ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۲۸)

☆..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

☆..... فرمان نبوی ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

☆..... حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اچھی بات کہنے میں صدقہ کا ثواب ہے۔

☆..... حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا، اس سے پناہ مانگی اور منہ پھیر لیا، پھر دوزخ کا ذکر کیا، اس سے پناہ مانگی اور منہ پھیر لیا اور پھر فرمایا کہ دوزخ سے بچو، اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں صدقہ نہ کرو اور اگر یہ نہ پاؤ تو نرم بات کہہ کر بچو۔

☆..... ایک مرتبہ کچھ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ سلام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ یہ سلام کے بجائے ہلاکت کی دعا دے رہے ہیں، چنانچہ میں نے کہا: وعلیکم سلام و الملعنہ (اور تم پر بھی ہلاکت اور لعنت ہو) یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ عائشہ! بیشک اللہ ہر کام میں نرمی اور ملامت کو پسند کرتا ہے۔

☆..... حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے نہیں سنا کہ جو انہوں نے کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان سے کہہ دیا تھا۔ وعلیکم (اور تم پر بھی ہو) یعنی اس قدر کافی تھا، اس

☆..... اور آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۰۵)

میں سختی بھی نہیں ہے اور بددعا کا پلٹنا بھی نہیں ہے۔

☆..... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا کہ آپ کے احوال معلوم کر کے آئیں، انہوں نے واپس آ کر حضرت ابوذر غفاری کو بتلایا کہ آپ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اس بات پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

☆..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

کتنی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے ہمیں اچھے اخلاق سے رہنے کا سبق ملتا ہے، واللہ ہمارے نبیؐ نے تو پتھر کھا کر لبوس اپنے جوتوں بھرا اور ایک لفظ بددعا بھی زبان مبارکہ پر نہیں لائے بلکہ انہیں دعائیں دیں جب کوئی مشرک اور یہودی آپ سے ملے آتا تو کیسے عمدہ اخلاق سے پیش آتے، جنہوں نے اپنا اخلاق سنوار کر ہمیں اخلاق سے رہنے کا سبق دیا، اخلاقی تعلیمات سے ہمیں نوازا۔

اخلاقی تعلیمات بھی دو طرح کی ہیں:

اول:..... اخلاق حسنہ، جنہیں اپنانے کی اسلام ہمیں ترغیب دیتا ہے اور انہیں ہم فضائل کا نام دے سکتے ہیں۔

فضائل

صبر:..... صبر معاشرے میں خوب صورتی پیدا کرتا ہے، ذرا ذرا سی بات پر اگر نوحہ اور واہل شروع ہو جائے تو معاشرے کا حسن غارت ہو جاتا ہے، اسلام نے بار بار صبر کی تلقین کی ہے۔

ترجمہ:..... بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حیا:..... حیا بھی معاشرے کو حسین تر بنانے میں نہایت معاون و مددگار ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حیا مومن کے لئے ایک نہایت خوبصورت اور حسین زیور ہے۔

فرمان نبوی ہے:..... حیا تو سراسر بھلائی ہے، حیا ایمان کا حصہ ہے۔

سچائی:..... سچائی انسان کو معتبر بنا دیتی ہے، سچ آدمی پر اعتماد اور اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ جھوٹا آدمی اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے، قرآن کریم قیامت کے روز صادقین کے صدق کے نفع بخش ہونے کی یقین دہانی کرتا ہے اور بچوں کا ساتھ دینے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

ترجمہ:..... اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

عدل:..... عدل معاشرے کے نظام کو بحال اور برقرار رکھتا ہے، اگر عدل کو چھوڑ دیا جائے تو ظلم ہوگا اور جس معاشرے میں ظلم آجائے، اس میں فساد و خرابی ہی ہوتی ہے اور بھلائی اس میں سے ختم ہو جاتی ہے، قرآن حکیم نے عدل سے کام لینے کو تقویٰ کے قریب قرار دیا ہے۔

ترجمہ:..... عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

سخاوت:..... سخاوت کی وجہ سے جہاں سختی اور فیاض آدمی کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا ہے، وہاں سخاوت معاشرے کے بہت سے مسائل کا حل بھی ہے جس معاشرے میں سخاوت کا اخلاق عام ہو، اس معاشرے میں باہمی ہمدردی اور غریب پروری یقیناً ہوگی اور جب باہم ہمدردی اور غریب پروری کے جذبات پیدا ہو جائیں تو معاشرے میں غربت اور افلاس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا حال بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں نہیں کی۔ (سبحان اللہ)

عزت و آبرو کا خیال:..... دوسروں کی عزت و آبرو اور عصمت کا لحاظ بھی اخلاق حسنہ یا فضائل میں نہایت

اہم ہے، اگر آپ دوسروں کی عزت و عصمت کا خیال نہیں رکھیں گے تو آپ کی عزت و عصمت کا بھی پاس رکھا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ ”اے لوگو! بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر تمہارے رب سے ملنے تک ایسے ہی حرام ہیں کہ جیسے تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔“

امانت:..... امانت و دیانت کے بغیر معاشرہ کا نظام مشکل ہو جاتا ہے، نظام معاشرے کے حسن و خوبی کے لئے امانت داری نہایت اہم اخلاق ہے، اسلام اس کی بھی تاکید کرتا ہے۔

ترجمہ:..... اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کرے تو تم پر بھروسہ کیا گیا ہے، اسے چاہئے کہ امانت ادا کرے۔

قول معروف:..... اسلام اچھی اور نرم بات کی تلقین کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف دیں لیکن آپ نے فتح حاصل کر لینے کے بعد ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کیا۔

قرآن کریم نے میٹھی بات کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: اور لوگوں سے عملی بات کہو۔

عفو:..... عفو و درگزر اور دوسرے کو معاف کر دینے کا جذبہ سچا پیدا کرتا ہے اور فساد و خونریزی کا خاتمہ کرتا ہے، اسلام عفو کی بھی تلقین کرتا ہے۔

ترجمہ:..... اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

والدین سے حسن سلوک:..... والدین سے حسن سلوک بھی اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں نہایت اہم ہے، قرآن کریم نے شرک کی نفی کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ:..... اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

اقارب سے حسن سلوک:..... رشتہ داروں اور اقارب سے حسن سلوک کی ترغیب بھی قرآن کریم میں موجود ہے، قرآن کریم نے اقارب کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی ہے۔

ترجمہ:..... اور رشتہ داروں کو اس کا حق دو۔

بچوں پر شفقت:..... اسلام بچوں پر شفقت کا بھی درس دیتا ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دے رہے تھے، اقرع بن حابس پاس کھڑے تھے، کہنے لگے کہ آپ بچے کو بوسہ دے رہے ہیں، میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی انہیں بوسہ نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

غرباء کا خیال:..... معاشرے کے غریب طبقہ کا احساس اور خیال رکھنے کی اسلام نے اس قدر ترغیب دی ہے کہ یہاں تک فرمادیا کہ امراء کے اموال میں سائلین اور محرومین کے لئے ایک مقررہ حق ہے۔

ترجمہ:..... اور وہ لوگ کہ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقررہ حق ہے۔

جانوروں پر رحم:..... انسان تو اشرف المخلوقات ہے لیکن انسانیت سے ہٹ کر بھی اسلام نے رحم کی ترغیب دی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک چڑیا بے چینی سے ادھر ادھر پھدک رہی ہے اور چلا رہی ہے، آپ نے محسوس کیا، اس کے بچے اس سے جدا ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کے بچے کس نے اٹھائے ہیں؟ ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور میں نے اٹھائے ہیں، آپ نے انہیں اسی وقت واپس رکھنے کا حکم دیا۔

ہمسایہ کے حقوق:..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن نہیں ہو سکتا وہ جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے، اسلام نے بڑوسیوں کے بارے میں تعلیم دی ہے کہ ان سے لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے، ان کے

برودھ درو میں شرکت کی کوشش کرنی چاہئے۔

احسان:..... کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا احسان کہلاتا ہے اور یہ بھی محاسن اخلاق میں سے ہے، اسلام اس کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

ترجمہ:..... اور احسان کرو بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ایثار:..... کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا احسان کہلاتا ہے اور اگر آدمی کو خود بھی اس چیز کی ضرورت ہو لیکن اس کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہوئے اپنی چیز دوسرے کو دے دینا ایثار کہلاتا ہے، اسلام میں اس کا درجہ احسان سے بھی بڑھ کر ہے۔

ترجمہ:..... اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دو۔ توکل علی اللہ:..... اسلام اپنے ماننے والوں کو توکل علی اللہ کی طرف بھی بلاتا ہے جو لوگ اس اخلاق سے متصف ہوں گے وہ مایوسی اور ناامیدی سے بچے رہیں گے اور معاشرے میں مضبوط کردار ادا کر سکیں گے۔

ترجمہ:..... اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ مساوات:..... افراد معاشرہ اگر مساوات کا خیال رکھتے ہوں اور نہ کسی کو اپنے سے کمتر نہ گھٹیا سمجھیں تو معاشرہ میں اعلیٰ روایات فروغ پائیں گی، اسلام نے مساوات اور برابری کا درس دیا ہے، اسلامی نظریہ کے مطابق تمام انسان ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے وہ سب بحیثیت انسان برابر ہیں۔

ترجمہ:..... وہی ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔

اخوت:..... اسلام صرف برابری کا ہی درس نہیں دیتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔

ترجمہ:..... بیشک مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ خیر کی فصاحت:..... ایک مسلمان کے اچھے اخلاق میں یہ چیز بھی نہایت اہم ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کی

فصاحت کرتا رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بناتا رہے۔

ترجمہ:..... اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

درد دل:..... دوسروں کے لئے تڑپ، خلوص اور درد دل کے جذبات رکھنا بھی اچھے اخلاق میں اہم حیثیت رکھتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کے لئے تڑپ اسلام میں ایسے جذبات کی واضح مثال ہے۔ رحماء:..... ہم کا خطاب صحابہ کرام کو اسی درد دل کی وجہ سے عطا ہوا۔

تقویٰ اور خلوص نیت:..... تقویٰ پر ہیز گاری اور نیت کی پاکیزگی و خلوص کی بھی اسلام میں بہت تاکید آئی ہے، اگر بد نیتی اور ریا کاری کے ساتھ ان محاسن کو اپنا بھی لیا گیا تو اسلام کی نظر میں اس کا کچھ فائدہ بھی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کی اہمیت واضح ہونی چاہئے، خلوص نیت اور تقویٰ کے بغیر اگرچہ ان محاسن کو اپنایا تو جاسکتا ہے لیکن اس سے وہ تاثیر پیدا نہیں ہوگی جو اسلام دیکھنا چاہتا ہے، بغیر خلوص اور تقویٰ کے یہ محاسن بے رنگ محسوس ہوں گے۔

دوم:..... اخلاقی تعلیمات کی دوسری قسم اخلاق سیئہ، جنہیں ترک کرنے کی اسلام ترغیب دیتا ہے، انہیں ہم رذائل کہہ سکتے ہیں، یعنی اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں مرکزی حیثیت فضائل کو اپنانے اور رذائل کو ترک کرنے کو حاصل ہے۔

رذائل

بخل اور تنگ دلی:..... انسان کا بخل اور تنگ دلی انسان کے اخلاق کو فاسد اور گندہ کرتی ہے اور یہ بخل عموماً انسان کی فطرت کا حصہ بن چکا ہے۔

ترجمہ:..... اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہے۔ جھگڑا اور فساد:..... معاشرے میں رذائل اخلاق

میں سے ایک جھگڑا اور فساد بھی ہے، معمولی باتوں پر ہاتھ پائی شروع کر دی جاتی ہے، اسلام اس کے بارے میں صلح کی دعوت دیتا ہے۔

ترجمہ:..... اور صلح بہتر ہے۔ وعدہ خلافی:..... وعدہ خلافی کی وجہ سے کئی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور خاص طور پر وہ آدمی جو وعدہ خلافی اور بد عہدی کو اپنی عادت بنا لے، اسے اچھے اخلاق والا نہیں کہا جاسکتا، قرآن کریم ایفاء عہد کی تلقین کرتا ہے اور وعدے پورے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ترجمہ:..... اے ایمان والوں! بندشوں کی پوری پابندی کرو۔

تکبر:..... غرور و تکبر میں مبتلا انسان دوسروں کو حقیر اور اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، تکبر کرنے والے کی تکبر میں اللہ فرماتے ہیں کہ اور زمین میں اکڑا کر نہ چل۔

عیب جوئی:..... خواہ مخواہ ہر کسی میں عیب نکالنا اور اس کی پشت پیچھے لوگوں کے سامنے اس کی برائیاں کرتے رہنا بھی رذائل اخلاق میں سے ہے اور ایسے آدمی کے لئے اللہ نے تباہی کا کہا ہے۔

ترجمہ:..... تباہی ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں پر لعن اور ان کی برائیاں کرے۔

غیبت:..... عیب جوئی عموماً بلا مقصد ہوتی ہے، خواہ خواہ ہی لوگوں کی عادت بنی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے ہر کام میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں لیکن غیبت کا مفہوم عیب جوئی سے ذرا ہٹ کر ہے، یہ عموماً اس مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ کسی آدمی کو دوسرے سے ذی طور پر متنفر کر دیا جائے۔

قرآن کریم نے اس کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

ترجمہ:..... اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

جھوٹ:..... ہمارے معاشرے میں جھوٹ بہت عام ہو چکا ہے، حقائق کو چھپانا اور غلط صورت حال بتا کر لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا، حتیٰ کہ بلا ضرورت بھی جھوٹ بولنا اب اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اس معاشرے میں اب غالب خیال یہی ہے کہ اس کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہی ہوگا، قرآن کریم جھوٹ اور جھوٹی شہادت کی ممانعت کرتا ہے، قرآن حکیم میں عباد الرحمن کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ:..... اور وہ لوگ کہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ گالی گلوچ:..... ہمارے معاشرے میں رذائل اخلاق میں گالی گلوچ کی انتہائی مرکزی حیثیت بن چکی ہے اور صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ گالیاں ہمارا تکیہ کلام بن چکی ہیں اور جہاں گالی کی کوئی حد تک بھی نہ ہو، وہاں بھی گالی دی جاتی ہے۔

ہادی کو نین صلی اللہ علیہ وسلم نے گالی گلوچ اور ناحق لعن و ملامت سے منع فرمایا اور فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور کسی مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو گالی دے۔

بغض و حسد:..... بغض و حسد آدمی کو اندر ہی اندر ختم کرتے رہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حسد آدمی کو ہی ختم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکیوں کو بھی کھا جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ احسان و اذیت:..... بعض لوگ کبھی کسی غریب کی اعانت تو کر دیتے ہیں لیکن بعد میں اسے جتلاتے ہیں اور اس غریب کی زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر احسان جتلا کر اسے دکھ دیتے ہیں، اسلامی تعلیمات نے اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ:..... اے ایمان والوں! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو۔

رہبانیت پسند نہیں بلکہ معاشرت پسند مذہب ہے۔

☆.....☆.....☆

غصہ..... غصہ معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے، ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ نہ کر، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے میں خود پر قابو پالے۔

ظلم..... ایک ظالم آدمی معاشرے کے لئے ناسور ہے، اسلام ظلم جبر اور زیادتی کے سخت خلاف ہے اور ان کی بھرپور ممانعت کرتا ہے، قرآن میں ہے کہ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

سخت گوئی..... سخت گوئی آپس میں نفرت اور دوری کا باعث بنتی ہے، اس سے عداوتیں بڑھتی ہیں، اسلام محبت و اخوت کا دین ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کر سکتا، اسلام بھلی اور میٹھی بات کہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ترجمہ..... اور کھوبھلی بات۔

خواہش نفسانی کی پیروی..... رذائل اخلاق میں سے اکثر کی بنیاد خواہشات نفس کی پیروی ہے، آدمی نفس کی خواہشات کے تابع ہو کر بہت سی خرابیوں میں گھر جاتا ہے، اسلام خواہشات نفسانی کی پیروی کو ناپسند کرتا ہے۔ ترجمہ..... کیا تو نے اس شخص کو دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا الہ بنا دیا۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر بات کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور مد نظر رکھنا ہوگا کہ اسلام معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرد کی اصلاح کو راستہ بناتا ہے، کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے اور اگر افراد کی ذاتی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کی بھی اصلاح ہو جائے گی لیکن اگر فرد کی اصلاح نہیں ہوئی اور ہم یہ کوشش کریں کہ بحیثیت مجموعی ہم معاشرے کو بدل کر رکھ دیں، چنانچہ اسلام زیادہ تر فرد کی ذاتی اصلاح پر زور دیتا ہے، البتہ بحیثیت اجتماعی بھی ضروری ضروری اصلاحات کے نفاذ کا قائل ہے، قرآن حکیم میں یہاں یہاں جیسے اجتماعی خطابات استعمال کئے گئے ہیں اور یہ اس بات پر واضح ثبوت ہے کہ اسلام

اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ یہ ملک بنا ہے اسلام ہی اس ملک کا سامان بقا ہے دنیا کی نگاہوں سے نہیں بات یہ دستور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور اب رات کئی ظلم کی آئے گا سویرا پھیلے گی ضیاء نور کی بھاگے گا اندھیرا ہو جائے گا ہر سمت اجالوں کا بسیرا سرخی جو افق پر ہے وہ ہو جائے گی کافور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور قانون الہی نہ ٹلا ہے نہ ٹلے گا ہر عزم پہ خورشید کو ڈھلنا ہے ڈھلے گا اس ملک میں اسلام کا سکھ ہی چلے گا بن جائے گی یہ پاک زمین جلوہ کہیں طور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور اچھائی کو پھیلائیں گے روکیں گے برائی چلنے نہیں دی جائے گی بندوں کی خدائی جتنے بھی مسلمان ہیں آپس میں ہیں بھائی اللہ کا یہ حکم ہے ہم لوگ ہیں مامور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور اسلام کی تعلیم یہاں عام کریں گے سب کا ہو بھلا جس میں وہی کام کریں گے سب مل کر ترقی کے لئے کام کریں گے افسر ہو کہ تاجر آقا ہوں کہ مزدور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور اسلام کی ہم زندہ روایات کریں گے راضی ہو خدا جس سے وہی کام کریں گے اس ملک یہ قائم وہ مساوات کریں گے سب شاہ و گدا آئے نظر خرم و مسرور ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

کسک

سمیرا مسکین

آج کلاس میں عجیب سا سماں تھا، ہر طرف اداسی کی لہر دوڑ رہی تھی، کبھی سوچ کر خوشی سے آنکھوں میں آنسو امانڈ آتے تو کبھی دکھ کی وجہ سے آنکھوں کے پورے بھینگنے لگتے۔ صبح جب مدرسے پہنچے، ہر اک کا چہرہ اتراسا تھا، وہ ہنسی مذاق، وہ قہقہے، وہ بھاگنا ایک دوسرے کے پیچھے، وہ گلاس ڈھونڈتے پھرتا، وہ مدرسے میں بلا وجہ گھومنا، شاید کہ آج ہمیں یاد نہ تھا۔

آج صبح جب مدرسے پہنچی اور شہلائی شہلائی کلاس میں داخل ہوئی تو کلاس میں کوئی موجود نہ تھا، بیگ نہ پا کر میں سمجھ گئی کہ ابھی تک کوئی مدرسے نہیں پہنچا، میں آرام سے دروازہ بند کر کے اپنی نشست پر آ بیٹھی، نقاب اتار اور کلاس کا جائزہ لینے لگی، ساتھ کئی سوچیں ذہن پر سوار تھیں۔ ”کتنا کچھ ہم نے اس مدرسے میں سیکھا، اس کی

درو دیوار کے ہم مقروض ہیں، جانے ہم کب اس کا قرض چکا کریں گے۔“ میری نشست کے عین سامنے والی دیوار پر بخاری شریف کی کتاب کچی تھی جو کہ ہماری باجیوں یعنی جویریہ باجی اور قدسیہ باجی نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی، بنانے والوں کے ہاتھوں میں اتنا اثر تھا کہ اسے ٹھیس تک نہیں پہنچی تھی حالانکہ تین سال گزر چکے تھے اور جو بھی آتا اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔

کتنی محبت سے انہوں نے بنائی تھی، کاش ہم بھی اپنے مدرسے کے لئے کچھ کر سکتے..... میرا ذہن آج پتہ نہیں کیوں ایسی باتیں سوچنے پر مجبور تھا۔ پتہ ہی نہ چلا کہ دو آنسو یکا یک رخسار پر آ چکے، جنہوں نے ٹپک کر مجھے متوجہ کرنا چاہا۔ جب میں نے کتاب سے نظریں ہٹائیں تو محسوس

ہوا کہ میں تو پوری پسینے سے شرابور تھی، برقع پہنا ہوا تھا اور کلاس کا پنکھا بھی بند تھا، یک دم برقع اتار کر بکس پر ڈالا اور پنکھا آن کیا تو سردی کا احساس ہونے لگا، یہی احساس لئے میں اپنی نشست پر آ بیٹھی اور بکس پر سر رکھ کر گویا اپنے آپ سے متوجہ سے تھی۔

”میں نے عہد کیا، میں نے اتنا بزدل نہیں بننا، میں نے تو بہادر بن کر زندگی بسر کرنی ہے، آج کے بعد میں صبر سے کام لوں گی۔“

ابھی یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ کلاس کا دروازہ کھلا اور نازیہ اور شبینہ کلاس میں داخل ہوئیں، میں نے جلدی سے اپنے آپ کو نارمل کیا اور بکس کھولا۔

اسی اثنا میں شبینہ نے پوچھا: کیا ہوا تائبہ، تم اتنی خاموش آج کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟

کچھ نہیں، بس ویسے ہی آج سر میں درد کا احساس ہو رہا ہے، میں نے تھکے لہجے میں جواب دیا اور ساتھ ہی ترمذی اول کار جسٹر بکس سے نکالا، آج کیا یاد کرنا تھا؟ میرا مطلب ہے آج کیا سنا جائے گا؟ میں نے دبی دبی آواز میں شبینہ سے پوچھا۔

کیوں تمہیں نہیں پتہ کیا؟ اس کا مطلب ہے تم نے آج سبق یاد نہیں کیا، لگتا ہے آج کچھ زیادہ ہی سر میں درد ہو رہا ہے کہ اسباق ہی بھول گئیں۔ شبینہ نے مزاحاً کہا۔

ہاں! شاید یہی وجہ ہے! میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا۔

جزاک اللہ! میں نے اسے جواباً کہا اور سبق کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میری نظر تو رجسٹر پر تھی، لیکن میرا ذہن کسی اور کشمکش میں مبتلا تھا، پتہ ہی نہ چلا، کب تمام طالبات سے کلاس بھر گئی اور تعلیم کا وقت آن پہنچا۔

ہم صبح تعلیم، گر وہ کی صورت میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے، ثمرین تمام طالبات کو بلانے لگی۔

پڑھا کو بچوں، تعلیم کا وقت آچکا ہے، اللہ نبی کے

پیاروں، تشریف لاؤ، دین کے محافظوں، میں تعلیم شروع کر رہی ہوں۔

میں اپنی جگہ سے اٹھی اور ثمرین کے برابر جا بیٹھی۔ ابھی تعلیم شروع ہی ہوئی تھی کہ وہ لڑکی کلاس میں داخل ہوئی، جس کا مجھے کافی دیر سے انتظار تھا، جو میرے دکھ درد کی سہیلی تھی، جس کے ساتھ ہر بات شیئر کرنا میری عادت تھی، جو صبر و قناعت والی تھی، جس میں میانہ روی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جو اصول پسند تھی، جسے اللہ نے خوب صورتی کے ساتھ خوب سیرتی سے بھی نوازا تھا، جو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والی، وہ میری ہم جوبی، میری وفادار دوست، جس کا نام خورشیدہ تھا، جو اپنے نام کی طرح روشن تھی، آفتاب کی طرح جہاں جاتی روشنی ہی روشنی پھیلا دیتی، کیسی روشنی؟ دین حق کی روشنی، جس کی آنکھیں ہی پر مسرت اور شرارتی تھیں، کلاس میں داخل ہوئی اور نقاب اتار کر سب سے آخر میں بیٹھ گئی۔

تعلیم کے بعد دعا کروانے کے لئے ہم نے اسماء عباسی کو کہا۔ اسماء نے بلا کسی بحث کے دعا شروع کر دی، آج دعا میں کسی نے کھینچ کھینچ کر ”آمین“ پڑھنا نہیں تھا۔ اسماء کے دو جملوں نے میری آنکھوں کو پھر بھگو دیا۔

”یا اللہ! ہمیں صبر و ہمت عطا فرما اور یا اللہ! با عمل بنا دے، قبول فرما دے، ہم کب تک گناہوں کی دلدل میں پھنسے رہیں گے۔“

دعا کا اختتام بہت سادہ طریقے سے ہو گیا، آج خورشیدہ صاحبہ نے ایک مرتبہ بھی کھینچ کر ”آمین“ نہیں پڑھا تھا، جانے کیا وجہ تھی۔ آہستہ آہستہ کر کے تمام طالبات اٹھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

خورشیدہ پتہ ہے، آج دعا میں بالکل مزہ نہیں آیا!!! میں نے اپنے ہنس سے بخاری ثانی کی کتاب نکالتے ہوئے خورشیدہ سے کہا۔

کیوں کیسا مزہ ہونا چاہئے دعا میں؟ خورشیدہ نے اپنا ڈوپٹہ تہہ کرتے ہوئے مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔ آج

تم نے کھینچ کھینچ کر ”آمین“ جو نہیں پڑھا۔

بائے داوے (یہ ہمارا مخصوص جملہ تھا) آج آپ نے پرکھا کیوں نہیں؟ میں نے کتاب کھولتے ہوئے مزاحاً خورشیدہ سے پوچھا۔

آج دل چاہ رہا تھا کہ آہستہ پڑھوں، پوشیدہ دعائیں تو اللہ بہت جلد قبول کرتے ہیں نا؟ خورشیدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا، میں خاموشی سے کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی، اسی طرح کچھ ساعتیں خاموشی کی نذر ہو گئیں، کیا ہوا آج اس قدر خاموشی ہے، مجھے تو حیرت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر خورشیدہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آج تک جتنی بھی عمر گزری ہے، بہت ہنسی ہوں، آج دل چاہتا ہے روؤں..... میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

چھوڑو محترمہ تائبہ صاحبہ، زندگی ہنسنے کھیلنے کے لئے ہی تو ہے اور تمہیں رونے کی فکر کھائی جا رہی ہے، خورشیدہ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

لیکن بعض ہنسی سے رونا بہتر ہوتا ہے۔ میں نے جواباً کہا۔

جیسے.....؟ محترمہ صاحبہ.....؟ خورشیدہ نے الٹا سوال کر ڈالا۔

جیسے ایک لوہا پڑا رہے، کوئی اسے ٹس سے مس نہ کرے تو اسے زنگ آ جاتا ہے، زنگ آلود ہونے کی وجہ سے وہ بے جان اور کھوکھلا ہو جاتا ہے اور وہ پھر کسی کام کا نہیں رہتا، میں نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

تم آج کہنا کیا چاہتی ہو؟ کھل کر بات کرو، خورشیدہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

مجھے آج تقریباً چھ سال ہو گئے ہیں اس مدرسے میں، لیکن میں اب تک گناہوں کی دلدل سے نہیں نکلی، کتنی گناہگار ہوں نا میں؟ میں نے خورشیدہ سے کہا اور اپنا مڑ بکس پر رکھ کر رونے لگی۔

”آج جانے کیوں میرا ضمیر مجھے میرے گناہوں پر ملامت کر رہا تھا، مجھے اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی، میں اپنی کلاس کی وفادار دیواروں سے نظریں چڑا رہی تھی، گہنیں یہ ہی نہ بول پڑیں کہ آج چھ سالوں میں تم نے جو کچھ سیکھا، مٹی کے ذرے کے برابر بھی تم میں عمل نہیں آیا، تم کیسی عالمہ بنی ہو، اپنے گناہوں پر کبھی نظر نہیں کی تم نے.....! تمہارے اعمال و افعال ایسے ہیں کہ جن سے انسان ہمیشہ ہی پناہ مانگتا ہے، غیبت جیسی خبیث بیماری تم میں بھری پڑی ہے، تم نے بہت کچھ سیکھا، لیکن صرف کتابوں کی حد تک، عمل کی حد تک تو تم نے کچھ سیکھا ہی نہیں، تم تو آج تک اپنے نفس کی ہی غلامی میں پھنسی رہی، خدا کے لئے آج تو نکل آؤ اس خبیث غلامی سے، اگر آج بھی نہیں نکلی تو کبھی نہیں نکل سکوگی۔“

گناہوں کا احساس ہو جانا ہی گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، خورشیدہ نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ کہتے ہوئے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

میں نے سر اٹھا کر خورشیدہ کی جانب دیکھا، جس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

خورشیدہ آج پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ..... مجھے بالکل بھی سکون نہیں مل رہا، یہ کسی پلچل ہے میرے ساتھ..... مجھے سمجھ نہیں آ رہا..... مجھے ایسا لگ رہا ہے، جیسے شاید میری زندگی ختم ہو رہی ہے، لیکن تم دعا کرو کہ اللہ رب العزت مجھ گناہگار کو کچھ مہلت دے، میں نے ابھی اپنے رب سے معافی ہی نہیں مانگی ہے، میں کیسے اپنے رب کا سامنا کروں گی، میں نے ابھی امت محمدیہ ہونے کا قرض بھی نہیں چکایا، کتنے لوگوں کا میں نے دل دکھایا، اس مدرسے کا بھی حق ادا نہیں کیا، جہاں ہر وقت اللہ والوں کی صحبت موجود ہے، اس مدرسے کی چار دیواری کے اندر کتنا سکون موجود ہے، یہاں رہنے والوں کی زندگی کتنی پرسکون ہوتی ہے نا.....؟

ہر طرف قال اللہ اور قال رسول کی صدائیں بلند ہوتی

ہیں، جنہیں ہر وقت نبی کے حکم کی پاسداری کی فکر رہتی ہے، وہ جان دیتے ہیں لیکن نبی کا حکم نہیں ٹالتے۔ زندگی کے ہر موڑ پر سنت کو لے کر چلنا ان کا شعار ہوتا ہے، چاہے شادی بیاہ کی تقریب ہی کیوں نہ ہو، تب بھی کوئی جاہلانہ رسم نہیں ہوتی ان کے ہاں، کوئی بدعات کے قریب نہیں جاتا، آج ہم ہیں کہ شادی بیاہ پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، لیکن کسی غریب کی مدد کرنے کے لئے دس روپے جیب سے نہیں نکلتے.....! ہم کیسے مسلمان ہیں.....؟؟؟ ہم کیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں.....؟؟ آج ہم کیسے مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں.....؟؟ ہمارے کون سے اعمال مومنوں جیسے ہیں.....؟؟ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بندہ مومن نہیں ہو سکتا اس وقت تک، جب تک اپنے ساتھی کے لئے بھی وہی چیز نہ پسند کرے، جو اپنے لئے کرتا ہے۔“ تو آج ہم کیسے مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟؟ اپنے لئے سوٹ تو خرید لیا دو ہزار کا، لیکن جب کسی کو دینے کا موقع آیا تو 500 کا دیتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے۔ اپنے استعمال کے لئے برتن اچھی کوالٹی کے خرید لیتے ہیں، لیکن جب کسی غریب کی مدد کرنی ہو تو نا مناسب کوالٹی کے خرید لیتے ہیں، دینے کے لئے اور کتنی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو غریب ہے، اسی پر ٹل جائے گا، انہیں مناسب اور نا مناسب میں فرق ہی کہاں آتا ہے، لیکن کیا معلوم، وہ غریب اللہ کے کتنا قریب ہوگا، اللہ رب العزت کے ہاں تو کسی چیز کی کمی نہیں، وہ چاہے تو اس غریب کو ہی ملک کا بادشاہ کیوں نہ بنادے اور امراء کو غرباء میں تبدیل کر دے، اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں، وہ ہر ایک کے دل میں چھپے راز کو بھی جانتا ہے جبکہ ہم تو ایسے ہیں کہ کوئی اچھی چیز ملی، فوراً ہی پیٹ بھر لیا، کسی کی فکر نہیں، کوئی بھوکا وقت گزار رہا ہے، لیکن صبر کی ردا اوڑھے بیٹھا ہے، مانگنے سے گریز کر رہا ہے، شرمندگی سے بچنے کی خاطر، لوگ کیا کہیں گے.....!!!

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو ایسے حکمران بنائے ہوئے کہ خود سوکھی روٹی پانی میں ڈبو کر کھائی اور اپنی رعایا کو پیٹ بھر کر کھلایا..... کیا ہم ایسے نہیں ہو سکتے.....؟؟ ہمیں تو خود غرباء کی فکر کرنی چاہئے ناں، اللہ ہم سے پھر کر چلے جاتے ہیں یا ان کی داد و سن، سن نہیں سکتے، اگر سنتے بھی ہیں تو ایسے انجان بن جاتے ہیں کہ گویا ہم نے سنا ہی نہیں، آج کوئی مانگنے والا بھکاری ہمارے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو ہم کیوں انجان بن جاتے ہیں، بے دینی اختیار کرتے ہیں، اس کی کھڑے کھڑے بے عزتی کر دیتے ہیں، ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہر انسان کی عزت نفس ہوتی ہے، جس پر وہ جیتا ہے، کیا یہ کوئی بھکاری حقیقی بھکاری ہو، جسے ہم ناراض کر کے لوٹا دیں اور ہماری دنیا و آخرت برباد ہو جائے، ہم کتنی آسانی سے بول دیتے ہیں کہ ”جاؤ معاف کرو بابا“ یہ جملہ کیا معنی رکھتا ہے.....؟ کیا ہم اس بے عزتی کی معافی مانگ رہے ہیں جو کچھ دیر پہلے اس کی تھی.....! یا ان کے مانگنے سے پناہ مانگ رہے ہیں کہ تم ہم سے کیوں مانگ رہے ہو، چلے جاؤ یہاں سے اور ہمارا لہجہ اتنا کھردرا ہوتا ہے کہ سننے والا یہ سمجھے گا کہ ”جاؤ دفع ہو جاؤ میرے پاس سے، آئندہ میرے سامنے مت آنا۔“ ہم کیوں اتنے بے حس ہیں.....؟؟ آج اللہ نے ہمیں دیا ہے، تو ہم کیوں اتنے تنگ دل ہو چکے ہیں، کیوں ہمارے دلوں میں اتنی بخلی بھر چکی ہے.....؟ حسد و کینہ جیسی بیماریاں ہمارے اندر موجود ہیں، آج اگر کسی کے پاس اچھی چیز دیکھتے ہیں تو اس سے چھین جانے کی دعا کرتے ہیں، ہم یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ ”یا اللہ اگر یہ چیز میرے حق میں بہتر ہے تو مجھے بھی عطا فرما، ہر انسان کو عطا فرما“ بلکہ ہمیں ہم تو فوراً دعا کرتے ہیں کہ یہ چیز اس کے پاس سے زائل ہو جائے، اگر میرے پاس نہیں ہے تو کسی کے پاس بھی نہ ہو، دینا نہ دینا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہماری کیا ہے اس میں رد و بدل کرنے کی، اللہ چاہے تو ہمیں بھی عطا

کر دے۔“

ہمارا معاشرہ مسلم معاشرہ ہے، ہمیں ان چیزوں کو ختم کرنا چاہئے، لیکن ہم ختم کیسے کر سکتے ہیں، صرف اور صرف اپنے آپ کو بدل کر، اپنے آپ کو سدھار کر، ہم خود سدھریں گے تو ہمارا معاشرہ خود سدھرے گا، ہمیں اپنے دلوں سے رنجشوں کو نکالنا ہے، جب رنجش نکلے گی تو حسد کینہ خود ہی نکلے گا، جب حسد نکلے گا تو محبت آپس میں خود بخود پیدا ہو جائے گی، جب محبت ہوئی تو آپس میں بھائی چارہ ہوگا اور اس حدیث پر عمل ہوگا، جس میں ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“ اور فرمایا: ”آپس میں بھائی چارہ اپناؤ۔“ مزید فرمایا: ”آپس میں ملو، خندہ پیشانی کے ساتھ۔“ مزید فرمایا: ”ریا کاری انسان کو جہنم میں لے جائے گی۔“

ہمیں اپنے آپ کو سدھارنے کے ساتھ ساتھ تکبر اور ریا کاری سے بھی بچنا ہے، نیت کو خالص رکھنا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔“ جیسی ہماری نیت ہوگی، ہمیں اس کا اجر بھی ویسا ہی ملے گا۔

خورشیدہ آج ہماری بخاری اول جیسی عظیم کتاب کا اختتام ہو رہا ہے، ہم میں کیا عمل آیا، کچھ بھی نہیں رائی کے دانے کے برابر بھی عمل نہیں آیا، کب آئے گا.....؟؟ جب ان چھ سالوں میں نہیں آیا.....؟ تو کب.....؟؟ تمہاری باتوں نے آج مجھے بہت متاثر کیا ہے تاہم..... واقعی آج تو ہمیں باعمل ہونا چاہئے تھا، لیکن ہم تو بے عمل کی سند لے کر مدد سے نکل رہے ہیں.....! خورشیدہ نے نظریں جھکا کر افسردہ لہجے میں کہا، خورشیدہ دعا کرو اللہ ہمیں قبول فرمادے..... میں نے خورشیدہ سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی، اگر آپ اجازت دیں تو میں ساتھ والی کلاس جو کہ آج خالی ہے، نفل ادا کر آؤں.....؟؟ میں نے اپنی کلاس کی نگران سے اجازت

طلب کی۔

کیوں کیا ہوا رو کیوں رہی ہو.....؟؟؟ الٹا نگران نے سوال کر ڈالا.....!! آپ جانے دیں نا.....!! بہت گہرا معاملہ ہے، آج اللہ رب العزت سے نیا عہد کرنا ہے تاہم..... خورشیدہ نے قریب آتے ہوئے نگران اسماء سے کہا، اسماء باجی میں جاؤں.....؟؟؟ میں نے کہا اور جواب طلب کیا۔

ہاں جاؤ..... نگران صاحبہ نے کہا۔ یا اللہ میرے دل سے اس کک کو ختم کر دے، یا اللہ ہمیں آج بخاری شریف کی کتاب ختم ہونے سے پہلے پہلے قبول فرمادے، یا اللہ ہمیں باعمل بنادے۔ یا اللہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچے معنوں میں عاشق بنادے۔ اور جانے میں نے آج اللہ سے اور کیا کیا دعائیں مانگ لیں.....!! یا اللہ قبول فرما۔

☆.....☆.....☆

تو نے دیا ہمیں علم نبوت تیرا احسان میرے اے گلشن اختر تجھے تحسین کہتے ہیں تیری بنیادوں میں ہیں حضرت والا کے اشک تیری بنیادوں پہ قائم شاہکار تجھے تحسین کہتے ہیں تیرے منبر سے گونجتی ہے سدا سنت و اصلاح کی آواز اے اہل حق کے دلوں کی تسکین تجھے تحسین کہتے ہیں ادب و علم کی دولت سے نوازا تو نے ہمیں سنت و شریعت کے امین تجھے تحسین کہتے ہیں اخلاق و کردار سنوارا ہمارے تو نے تیرے آگن میں گزارے کئی سال تجھے تحسین کہتے ہیں تو نے سیکھائی حق گوئی حق پہ جاں دینا امن و سلامتی کے گلستاں تجھے تحسین کہتے ہیں آسمان رہے ہمیشہ تجھ پہ سایہ قلن تو رہے تاقیامت یوں ہی آباد تجھے تحسین کہتے ہیں

☆.....☆.....☆

کٹھن مرحلہ

خساء

آج میں مراجع میں بیٹھی سوچوں کی دنیا میں گم تھی کہ اچانک پاس بیٹھی عائشہ نے پوچھا: ”خساء بہن، کیا ہوا، کیا سوچ رہی ہو؟ میں نے فوراً جواب دینے کی بجائے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا، آج تاریخ کیا ہے، اس کے جواب دیتے ہی فوراً سے میں چونک اٹھی، کیونکہ اس کا جواب یہ تھا کہ آج سولہ جنوری ہے، جواب سنتے ہی میرے چہرے کی رنگت بدل گئی اور دل ڈوبنے لگا، بدن کا پٹنے لگا، آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا، مراجع میں بیٹھنا دشوار ہو گیا، میرے ذہن میں اس دن کی یاد تازہ ہو گئی جب میں اپنا بچپن اور اپنے پیارے والدین پیدا کی مذہب عزیز ترین بہن بھائی اپنا پیارا گھر اور بہت سی خوشگوار اور خوفناک یادیں سب کچھ تو خیر یاد کہہ کر صرف اس ذات واحد کے بھروسے پر تنہا بغیر کسی سامان سفر کے اکیلی چادر میں اپنے گھر کی دلیز پار کر گئی اور طرح طرح کے خوف و اندیشے ان سب سے اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کرنے لگی، ہاں وہ دن مجھ پر پہاڑ سے زیادہ سخت و بھاری، چٹانوں سے زیادہ سخت، سمندر سے زیادہ گہرا اور ہواؤں سے زیادہ تیز اور یقیناً رحمت خداوندی سے، پھولوں سے زیادہ نرم اور خوشگوار ثابت ہوا اور میرے

ذہن پر تاحیات نہ مٹنے والے گہرے نقوش چھوڑ گیا، ہاں وہ رات سولہ جنوری کی ہی تھی، گھر سے نکلتے ہی میرے قدم ڈگمگانے لگے، طرح طرح کے خطرات میرے سامنے آنے لگے، الوداعی نظر جب سب گھر والوں پر سے ہوتے ہوئے ماں کے چہرے پر پڑی جو خواہوں کی دنیا میں گم تھی، اسے کیا معلوم کہ کون اس پر الوداعی نظر ڈال رہی ہے اور اس پر کیا بیتنے والی ہے، میری آنکھوں سے نہ بند ہونے والا آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا، بڑی مشکل سے دیوار کو تھاما اور تصور میں ماں کا بوسہ لے کر گھر کو دل ہی دل میں الوداع کہا اور سخت سردی اندھیری رات اور تیز بارش کی پرواہ کئے بغیر وساوس کو دھکیلتے ہوئے اپنے ایمانی سفر کا آغاز کیا، جس کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرانے کو تھی اور دل بے چین اور روح بیقرار تھی، میری نظریں جس کے لئے مدتوں سے منتظر تھی آخر وہ دن آ ہی گیا، جس کی میں تاق میں تھی، بس چلی اور چلتی ہی چلی گئی، دل ہر پل دھڑک رہا تھا، مجھ کمزور اور ناتواں کو حالات و مشکلات نے بہت پست کرنے کی کوشش کی، لیکن ایمانی قوت اپنے جوش پر تھی، سفر میں جو حالات میرے اوپر گزرے، وہ بیان کرنے کی نہ قلم میں سکتے

اور نہ ہی دل میں ہمت، آخر ایک وہ دن آ ہی گیا جب اللہ رب العزت نے مجھے بحفاظت اپنی منزل مقصود پر پہنچا دیا، میں جب اپنی منزل مقصود پر پہنچی تو میرے دل نے اطمینان کا سانس لیا۔

مل گئی منزل مجھے یہ ٹھوکر کس کھانے کے بعد مل گیا اللہ مجھے یہ مشکلیں آنے کے بعد جب میں نے اپنا قدم اللہ رب العزت کی دی گئی پناہ گاہ میں رکھا تو خوشی میرے انگ انگ سے پھوٹنے لگی، دل شکر الہی سے لبریز ہو گیا، بے اختیار مجھے یہ شعر یاد آیا۔

راہ وفا میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

آخر رب العزت نے دلوں کو بھی ملادیا اور انجانے خوف سے دامن چھڑا دیا اور میں بھی اپنے آپ کو مدرسے کی فرد سمجھنے لگی اور کلام اللہ سے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا، آخر بہت ہی جلد اللہ رب العزت نے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر مزید احسان فرما کر ان پاکیزہ نفوس کی صف میں شامل کر دیا، جن کے لئے تمام مخلوقات دعائیں کرتی ہیں، شعبہ کتب میں آ کر مزید اطمینان کا احساس ہوا، علم و عمل کی پیکر فرشتہ صفت معلمات جنہوں نے مجھے سگے رشتوں سے زیادہ پیارا اور قدم قدم پر میرا ساتھ دیا، عاجزی و انکساری اور تقویٰ اور اخلاص اور صبر و رضا اور شفقت و محبت جن کی نمایاں عادات ہیں، تسلیم انہی جنہوں نے مجھے ماں کا پیار دیا، اپنے بچوں سے زیادہ ہمارا خیال رکھا، اللہ ان کو سدا سلامت رکھے، آج جب میں یہ اپنی داستان لکھنے بیٹھی تو میری کلاس کی ارد گرد بیٹھی طالبات مجھ سے بار سے سوالات کرنے لگی، کیا لکھ رہی ہو، کلاس کی ایک طالبہ زور سے بولی، خساء کہانی میں میرا نام تو شامل ہونا چاہئے، کیونکہ آپ کہتی ہو کہ رابعہ بھوتوں کی طرح ہستی ہے، فوراً ہاجرہ نے چیخنا شروع کر دیا، میں گھبرا گئی،

نجانے اس کو کیا ہو گیا، میں نے حیران ہو کر پوچھا، کیا ہوا، کہنے لگی، تم سب اردو میں باتیں کیوں کر رہی ہو، عربی بولو، ہم فوراً ہنس پڑے، میری نظر جیسے ہی معلمہ ثناء باجی پر پڑی تو فوراً میں کہانی باجی کے پاس لے کر چلی گئی، باجی نے پوچھا، کیا ہوا، میری بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی، میں نے کہا، باجی میں نے کہانی لکھی ہے، باجی اس کہانی کا نام کیا ہونا چاہئے، باجی نے کہا، اس کہانی کا نام ”کٹھن مرحلہ“ رکھو، میں خوش ہو گئی کہ شکر ہے اللہ کا، کہانی کی ابتداء تو باجی نے کر دی، کیونکہ ابتداء میں جب میں نے مدرسے میں قدم رکھا تو سب معلمات سے پہلے میری ملاقات معلمہ ثناء باجی سے ہی ہوئی، جب میں روتی تو مجھے تسلی دیتی، مجھے ایسا لگتا تھا جیسے مجھے میری بڑی بہن تسلیاں دے رہی ہو، جب میرا دل اداس ہوتا تو میں معلمہ کے پاس چلی جاتی اور گھر کی یادیں بھی دل سے چلی جاتی، ابھی تک ایسا ہوتا ہے، جب بہنوں کی یاد آتی ہے تو معلمات کے پاس چلی جاتی ہوں، اللہ رب العزت سے دعا ہے اللہ تعالیٰ تمام معلمات کو سدا خوش رکھے۔ آمین

☆.....☆.....☆

تمن باتیں

☆.....تمنوں میں اضافہ کریں: اچھے دوست، اچھے اعمال، اچھی کتب۔ ☆.....تمنوں کا احترام کریں: والدین، استاد، بزرگ۔ ☆.....تمنوں کا خیال رکھیں: صفائی، پڑوسی، بیمار۔ ☆.....تمنوں کو عزیز رکھیں: ایمان، سچائی، نیکی۔ ☆.....تمنوں کو ہمیشہ یاد رکھیں: نصیحت، احسان، موت۔ ☆.....تمنوں سے بچیں۔ آہ، فریاد، بددعا۔ ☆.....تمنوں حاصل کریں: علم، اخلاق، شریعت۔ ☆.....تمنوں سے کام لیں: عقل، محنت، محبت۔

☆.....☆.....☆

کامیاب زندگی کیسے گزاری جائے؟؟



عمارہ جمیل

یہ بات بہت تکلیف دہ ہے کہ زمانہ حال میں مریضوں کی بڑی تعداد ذہنی دباؤ اور اعصابی تناؤ کا شکار ہوتی ہے، آج کی دنیا کا یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے، اس دباؤ اور تناؤ کے بے شمار اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً کاروبار میں نقصان، اولاد کی نافرمانی، قرض کا بوجھ، ہوش ربا مہنگائی، لوگوں کی ایذا رسانی، سیاست کا مکرو فریب، معاشرے میں سچائی کا فقدان اور اخلاق کی بربادی وغیرہ۔ انسانی زندگی حوادث کا مجموعہ ہے، اس کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے ہیں کہ جب ہم مایوسی کے بھور میں پھنس جاتے ہیں، اس وقت ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی دوست میسر آ جائے جو ہمیں بہتر مشورہ دے سکے یا کوئی کتاب مل جائے جو ہمیں مایوسی کی دھند سے باہر نکال سکے، انسان کا مایوسیوں کی گرفت سے نکل آنا بے حد ضروری ہے، اگر یہ مایوسیاں قائم رہیں تو بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر)

سے لے کر امراض قلب اور اعصابی بیماریاں تک پہنچے لگ جاتی ہیں، مایوسی کی وجہ سے ذہنی دباؤ اور اعصابی تناؤ پیدا ہوتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ ذہن میں جو خیالات جنم لیتے ہیں، ان کے اثرات جسم پر پڑتے ہیں، بددیانتی، نفرت و حقارت اور جھوٹ وغیرہ ایسی برائیاں ہیں کہ روح کو بیمار کر دیتی ہیں، روح کی بیماری جب بڑھ جاتی ہے تو جسم میں ضرور اپنا اثر دکھائی ہے، غصہ، لعاب و ذہن کو ایک ایسے کیمیائی زہر میں تبدیل کر دیتا ہے جو جسم کے لئے مضر ہوتا ہے، جذباتی کیفیت میں شدت، روح و قلب کو اتنا زیادہ متاثر کرتی ہے کہ چند گھنٹوں میں موت تک واقع ہو سکتی ہے، سائنسی تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا ہے کہ جرم کرنے والے شخص کو تفتیش کے دوران اپنا جرم چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے جو پسینہ آتا ہے، وہ کیمیائی طور پر عام شخص کے پسینے سے مختلف ہوتا ہے، یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ خوف

کی حالت دیر تک باقی رہنے کے نتیجے میں خوف زدہ شخص کی موت تک واقع ہو جاتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنے ذہن کو شدید جذبات اور برے خیالات سے بچایا جائے، کامیاب زندگی گزارنے کے لئے مایوسیوں سے دور رہنے اور مایوسیوں سے اپنی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کی جائے، سامنے کی بات ہے کہ موسم بدلتے رہتے ہیں، ایک موسم آتا ہے تو دوسرا چلا جاتا ہے، آفتاب طلوع ہوتا ہے، پھر غروب ہو جاتا ہے، چاند ماہ کامل بن کر ابھرتا ہے، پھر گھٹتے گھٹتے غائب ہو جاتا ہے اور پھر ہلال بن کر ہے، پھر گھٹتے گھٹتے نکلتے ہیں، پھر مرجھا جاتے ہیں، ان کی جگہ نئے غنچے مسکرا اٹھتے ہیں، بیج زمین میں ڈال دیئے جاتے ہیں، وہ خاک میں مل جاتے ہیں، لیکن انہی خاک رسیدہ بیجوں سے فصل اگتی ہے، جو پک کر ہمارے کام آتی ہے، غرض فطرت کی رنگارنگی، اس کا اتار چڑھاؤ اور بناؤ بگاڑ یونہی جاری رہتا ہے، آپ بھی فطرت کا ایک حصہ ہیں، اس لئے آپ کا لازمی طور پر ان تبدیلیوں سے اور حالات کے تغیر سے گزرنا ضروری ہے، آپ کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ذی روح کو اس دنیا میں اس وقت تک زندہ رکھتا ہے جب تک اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے، انسان کی عظمت اور بڑائی اس میں ہے کہ وہ کام کو کبھی بوجھ نہ سمجھے، یقین کیجئے گا کہ کام ہی زندگی ہے جب تک زندگی ہے اس وقت تک کام ہے، مرے ہوئے لوگ کام نہیں کرتے، زندہ لوگ ہی ہمیشہ کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حوصلہ اور عزم دو ہتھیار آپ کو دیئے ہیں کہ ان سے کام لے کر آپ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں اور مایوسیوں کو ایک طرف جھٹک سکتے ہیں، حوصلہ آپ کی ڈھال ہے اور عزم آپ کا ہتھیار، ہر صبح بیدار ہونے کے بعد فیصلہ کیا کیجئے کہ میں اپنے حالات پر قابو پاؤں گا، ناکامی و نامرادی اور مایوسی کی قوتوں سے ٹکر لے کر ان پر غالب آؤں گا، میں

ہرگز جذبات کی رو میں بہہ کر تباہی کو دعوت نہیں دوں گا، بلکہ میں اپنے جذبات پر قابو پا کر ان کو اپنی مرضی کے تابع بناؤں گا، وہ آدمی کمزور ہوتا ہے جس کا عمل حالات کے تابع ہوتا ہے، حقیقت میں توانا اور طاقتور آدمی وہ شخص ہے جس کا عمل اس کے اپنے خیالات کے تابع ہو، خود اعتمادی کا ایک بڑا آسان اور سیدھا راستہ یہ بھی ہے کہ اپنے سے زیادہ طاقتور اور برتر ذات پر مکمل بھروسہ کیا جائے اور ہمیشہ اسی سے مدد کی درخواست کی جائے، اللہ تعالیٰ سے بڑا طاقت ور کون ہو سکتا ہے، اس پر پورا پورا بھروسہ کیجئے اور اسی سے مدد کی درخواست کیجئے، مایوسیوں سے نجات پانے کے لئے خوش رہنے کا مزہ سیکھئے، تاکہ ذہنی دباؤ اور اعصابی تناؤ لاحق نہ ہو، خوش رہنے کے کئی طریقے ہیں، آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ اپنے گھر والوں سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے، یہ محبت دنیاوی کامیابی سے زیادہ قیمتی ہے، آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ اپنا کام دیانت داری سے انجام دے رہے ہیں اور دیانت دار شخص کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے، آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ کبھی ایسے کام میں کسی کی مدد یا تائید نہیں کرتے جسے آپ غلط سمجھتے ہیں، آپ ہمیشہ متوازن زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اور حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھتے، اپنا کچھ وقت کام میں صرف کرتے ہیں، کچھ آرام کے لئے اور کچھ وقت خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف کرتے ہیں، آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ کا ضمیر مطمئن ہے کہ آپ بے لوث خدمت خلق کرتے ہیں اور انسانوں کی راحت کا سامان کرتے ہیں، کامیاب زندگی کے لئے اپنے ذہن کو برے خیالات اور منفی جذبات سے پاک رکھنا انتہائی ضروری ہے، برائی سے کبھی بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی، اس دنیا میں آپ کو وہی کچھ ملے گا، جو آپ اس کو دیں گے، اگر آپ لوگوں سے نفرت

اندروں سے ہونے زندگی گزارنے اور اپنے تمام احکام کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆.....☆.....☆

وضو کرتے ہوئے یہ نیت کرے

☆.....☆.....☆ "وضو کرنے سے پہلے" اے اللہ میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتی ہوں۔" ہاتھ دھوتے وقت "اے اللہ! میں آپ سے برکت مانگتی ہوں اور نحوست سے پناہ مانگتی ہوں۔" کلی کرتے وقت "اے اللہ! میری زبان کو تلاوت قرآن مجید کثرت سے نصیب فرما۔" ناک میں پانی ڈالتے وقت "اے اللہ! جنت کی خوشبو سوگھنا نصیب فرما۔" ناک صاف کرتے وقت "اے اللہ! دوزخ کی بدبوؤں سے حفاظت فرما۔" چہرہ دھوتے وقت "اے اللہ! قیامت کے دن میرے چہرے کو چمکانا جس دن آپ کے دوستوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور میرے چہرے کو سیاہ نہ فرما، کیونکہ اس دن تیرے دشمن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔" دائیں بازو دھوتے وقت "اے اللہ! میرا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پکڑا۔" بائیں بازو دھوتے وقت "اے اللہ! بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آنے سے میں آپ کی پناہ مانگتی ہوں۔" سر کا مسح کرتے وقت "اے اللہ! اس سر میں قرآن مجید کی آیات کو محفوظ کرنے کی توفیق دینا۔" کانوں کا مسح کرتے وقت "اے اللہ! جنت کے پکارنے والے کی آواز کو سنانا۔" گردن کا مسح کرتے وقت "اے اللہ! دوزخ کی زنجیروں سے میری گردن کو آزاد کر دیجئے۔" دائیں پاؤں دھوتے وقت "اے اللہ! ایل صراط پر ثابت قدم رکھنا۔" بائیں پاؤں دھوتے وقت "اے اللہ! ایل صراط پر سے پھسل کر دوزخ میں گرنے سے محفوظ فرما۔ (آمین)

☆.....☆.....☆

کریں گے تو وہ بھی آپ سے نفرت کریں گے، یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تو نفرت کریں اور وہ آپ کو محبت کا تحفہ پیش کریں، اسی طرح آپ ان سے محبت کریں تو جواب میں آپ کو محبت ملے گی، جی ہاں، آپ ان پر اعتماد کریں گے تو وہ آپ پر اعتماد کریں گے، آپ خندہ پیشانی کو اپنا شعار بنائیں گے تو آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی اچھا معاملہ کیا جائے گا، اگر آپ لوگوں سے اکرام اور عزت کے ساتھ پیش آئیں گے تو وہ بھی آپ کی عزت و اکرام کریں گے، یہ نہیں ہوگا کہ آپ خود تو کسی کو کوئی اہمیت نہ دیں اور نظر انداز کریں اور وہ آپ کی عزت کرے، یہ سب واقعات ہمارے ماحول میں رات دن پیش آتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان سے سبق حاصل کریں، پہلے بتایا گیا ہے کہ برے خیالات اور منفی جذبات سے جسمانی صحت بھی خراب ہوتی ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، شریعت اسلام نے زندگی کی شاہراہ پر کامیابی سے گزرنے کے لئے اسی واسطے جہاں ایک طرف مایوسیوں سے دور رہنے کو کہا اور لاسقنطوا من رحمۃ اللہ، اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، کی ہدایت کی ہے، وہیں برے خیالات اور ناپسندیدہ جذبات سے بچنے کا حکم بھی دیا ہے، حسد، بغض، تکبر، دکھاوا، مکرو فریب، جھوٹ، بددیانتی، ایذا رسانی اور حق تلفی وغیرہ سب وہ اخلاقی برائیاں ہیں، جن کی پسندیدہ زندگی میں کوئی گنجائش نہیں، جی ہاں، سود، رشوت، جوا، جھوٹ، دھوکے، فریب، خیانت، ملاوٹ، ان جیسی خرابیوں سے بچیں اور اسلام کی خوب خدمت کریں، جب بھی انسانی خدمت کا موقع آئے، خوب لگن، شوق اور جذبے کے ساتھ خدمت کریں، کام چوری، سستی، غفلت یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اس طرح اسلام کی اشاعت میں ہر طرح سے معین و مددگار بنو، جان و مال کی ضرورت پڑے تو جان و مال پیش کریں، اپنے گفتار و کردار کو مثالی بنائیں، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اعتدال کے

عزت کا اصول سوئی



عفراء محمد

"امی کم بختو! یہ میں کیا سن رہی ہوں، تم چاروں کی چاروں ہر ایرے غیرے کے ہاں جانے کی ضد کرنے لگی ہو؟" بڑی لال پورے جلال کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔ سعدیہ، جو اپنے چہرے پر ملتانی مٹی کا ماسک لگائے دروازے کی طرف سے پشت کئے ہوئے تھی، بڑی اماں کے عتاب سے بچنے کے لئے جلدی سے مصلیٰ بچھا کر نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ فوزیہ، جو آرام سے لیٹی رسالہ پڑھنے میں مگن تھی، فوراً سوئی بن گئی۔ فائقہ اور فانیہ، جو اپنے ننھے جوڑے پھیلانے بیٹھی تھیں، گھبرا کر اوپر اوپر دیکھنے لگیں۔ فانیہ نے اپنے ٹنگ ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بمشکل اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"بڑی اماں! لہٹی میری بہت اچھی دوست ہے اور اس نے اپنی سنگتی میں ہم سب کو بلایا ہے اور دوست ہونے کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس کی خوشی میں شریک ہوں۔"

"ارے بھاڑ میں جائے ایسی خوشی، جس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی ہو۔ خبردار! جو تم نے باہر قدم بھی نکالا تو....." بڑی اماں نے فانیہ کو زبردست جھاڑ پلاتے ہوئے کہا اور فوزیہ کو ایک دھپ رسید کرتے ہوئے بولیں:

"نالائق، یہ کون سا وقت ہے سونے کا؟ چل اٹھ، اپنی ماں کا ہاتھ بنا، جو صبح سے اکیلی کچن میں ہلکان ہو رہی ہے۔"

ماشاء اللہ! یہ تو میری کتنی نیک بچی ہے۔" بڑی اماں نے ایک پیار بھری نظر نماز پڑھتی ہوئی سعدیہ کے سر اپنے پر ڈالی اور اس کا چہرہ دیکھ کر توان کی چیخ ہی نکل گئی:

"اوئی میری توبہ! یہ کیا الابلاتھو بڑے پر لپیٹے کھڑی ہے، اری میں کہتی ہوں، تم چاروں کی چاروں سدھر جاؤ، ورنہ....." بڑی اماں کی بات ادھوری رہ گئی۔

فیضان میاں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے: "ورنہ ہم تم چاروں کو ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"ارے ٹھکانے بھی تب لگائیں، جب ان گھوڑیوں کو کچھ ڈھنگ سیکھ آئے۔" بڑی اماں نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"پلیز چاچو! آپ ہماری سفارش کر دیں نا۔" بڑی اماں کے ٹکلتے ہی فارسیہ اپنے چاچو فیضان کی منت کرنے لگی۔

"ارے بھی گڑیا رانی، اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں، تم لوگوں کا جانا مناسب نہیں ہے، تمہاری دوست بہت آزاد خیال ہے اور انسان جیسی محبت میں رہتا ہے، اس کا رنگ ضرور چڑھتا ہے۔" فیضان میاں نے فارسیہ کو سمجھایا۔

"کچھ بھی ہو جائے، میں تو ضرور جاؤں گی۔" فارسیہ نڈر ہو کر بولی۔

فیضان میاں اس کے بے باک انداز پر چونک پڑے اور انہوں نے بڑی اماں سے فارسیہ کو جانے کی اجازت دلوا دی۔

لبنی، فارسیہ کی بہترین دوست تھی اور فارسیہ کی اس سے دوستی کالج تک محدود تھی، کیوں کہ راحت والا میں لڑکیوں کو کسی اجنبی کے ہاں جانے اور بلانے پر سخت پابندی عائد تھی اور یہ پابندی بڑی اماں کی لگائی ہوئی تھی، جن کا بدبہ پورے خاندان میں مشہور تھا۔

بڑی اماں کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، بیٹیاں اپنے گھروں میں خوش و خرم اور بال بچوں والی تھیں، سب سے بڑے وقار حسن جن کے بچوں میں سعدیہ، فوزیہ، فائقہ اور ایک بیٹا عفتان تھا، میٹھے بیٹے عباس حسن کے

آنگن کی ایک ہی کچی فارسیہ تھی، سب سے چھوٹے فیضان حسن، جن کی شادی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، ابھی تک وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے، عباس حسن اور ان کی نیک نگہبت شمالی علاقہ جات کی سیر کر کے واپس آ رہے تھے کہ ان کا ایک زبردست ایکسیڈنٹ ہوا، نگہبت تو موقع پر ہی دم توڑ گئیں جبکہ عباس حسن کو شدید زخمی حالت میں گھر لایا گیا تھا، نگہبت کی جدائی کا زخم عباس حسن کو اتنا گہرا لگا تھا کہ وہ بھی کچھ دن بعد اس دنیائے فانی سے منہ موڑ گئے اور اپنے آنگن کا ایک مہکتا ہوا پھول بطور نشانی چھوڑ گئے اور اس پھول کو بڑی اماں کی نرم گرم آغوش نے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا اور اس کی حفاظت اور آبیاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

آج فارسیہ کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ بڑی اماں کے بغیر اپنی دوست لبنی کے گھر آئی تھی، سعدیہ، فائقہ اور فوزیہ نے تو بڑی اماں کے غصے سے خائف ہو کر انکار کر دیا تھا، ناچار فارسیہ کو اکیلے آنا پڑا تھا۔

لبنی کا گھر دیکھ کر فارسیہ حیران رہ گئی تھی، گھر کیا تھا، پورا محل تھا، جس میں لبنی تیلی بنی اڑی پھر رہی تھی۔

"یار فارسیہ! سچ، مجھے بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گی۔" لبنی نے خوشی سے اچھلتے ہوئے فارسیہ کو گلے لگایا۔

"چلئے، اب تو آ گیا نا۔" فارسیہ نے ہنستے ہوئے کہا اور لبنی اس کو اپنی مناسبت ملوانے لگی۔

"دیکھئے ممما! یہ میری دوست فارسیہ ہے۔" لبنی نے اس کا تعارف کرایا۔

"واؤ، زبردست امیگزنگ، ارے بھئی، یہ اتنی پیاری دوست تو ہم نے آپ کی کبھی نہیں دیکھی۔" فرزانہ بیگم فارسیہ کے خوبصورت سراپے پر ستائش بھری نظر ڈالتے ہوئے بولیں۔

"ارے ممما جی! آپ بھلا کیسے دیکھ سکتی تھیں، اس کو تو ایک دیونے قید کر رکھا تھا، بس سمجھ لیجئے کہ آپ کے شہزادے جمیل نے آج ہی اس انارکلی کو آزاد کروا لیا ہے۔"

لبنی کا بھائی جمیل، جو نجانے کس کونے سے آ نکلا تھا، فارسیہ کے صبح چہرے کو شرارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

فرزانہ بیگم قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں اور جمیل کے سر پر ایک چپٹ لگاتے ہوئے بولیں۔

"چلئے تو شہزادے جمیل صاحب! اب آپ اس انارکلی کو جدید دور کے جدید تقاضے بھی نبھانا سکھا دیجئے۔"

"فرزانہ بیگم کا اشارہ فارسیہ کے ہونٹ پر کی طرف تھا، جو چادر سے اپنا وجود ڈھانپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، فارسیہ کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا بھاری ہو گیا۔

"یار فارسیہ! برا مت ماننا، ہمارا کی طرح بھیا بھی بہت شرارتی ہیں۔" فارسیہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر لبنی نے جلدی سے وضاحت دی اور فارسیہ کو لے کر ایک پرسکون گوشے کی طرف بڑھ گئی۔

فارسیہ جتنی دیر لبنی کے گھر رہی، جمیل کی وفلی نگاہوں سے اس کو اپنے حصار میں لئے رکھا، جمیل کی دلچسپ شرارتیں اور اس کی لچھے دار باتوں نے فارسیہ کو اپنی طرف لگائے رکھا اور وہ جمیل کی پرکشش شخصیت کے سحر میں بری طرح جکڑ گئی تھی۔

بڑی اماں، جو فارسیہ کو اب تک ایک نازک آگینے کی طرح سنبھال کر اور چھپا چھپا کر رکھتی آئی تھیں، وہ آگینہ ایک ماہر جوہری کی شکاری نظروں میں آچکا تھا، ایک شام لبنی فارسیہ سے ملنے آئی اور آتے ہی فارسیہ کو کہنے لگی۔

"یار فارسیہ! مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس بے وقوف نے اس قید خانے کا نام راحت والا رکھا ہے جبکہ یہاں راحت نام کی کوئی چیز سر سے ہے ہی نہیں۔"

گوٹا کناری لگاتی ہوئی فارسیہ کے ہاتھ لمحہ بھر کے لئے رکے، اس نے ایک نظر اپنے وسیع و عریض صحن میں ڈالی اور سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے بولی۔

"کہاں ہے قید خانہ؟ مجھے تو نظر نہیں آ رہا، فارسیہ کا انداز مذاق اڑانے والا تھا اور رہا راحتوں کا سوال تو بڑی اماں کا وجود ہی ہمارے لئے باعث راحت ہے۔" فارسیہ

نے اطمینان سے کہا۔

لبنی کے تو سر پر لگی اور تلووں میں بچھی، کیوں کہ وہ ایسی آزاد فضاؤں کی چھچی تھی، جو صبح سے لے کر شام تک اپنی مرضی سے گھومتے ہیں اور رات کو اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹ جاتے ہیں، وہ فارسیہ کو ایک زوردار چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

"بڑی اماں کی چٹکی! تمہیں میرے بھیا کا ذرا بھی خیال نہیں ہے، جو تم سے ملنے کے لئے بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہیں، لبنی نے بات کو گھما پھرا کر فارسیہ کی دل کی دنیا کو ہنس نہس کر ڈالا اور اپنے پرس میں سے موبائل نکال کر دیتے ہوئے بولی۔ یہ بھیا تمہارے لئے دہی سے لائے ہیں، اگر ہو سکے تو اس حقیر سے تمغے کا شکریہ ادا کر دینا۔" لبنی نے واپس چلتے ہوئے کہا۔

فارسیہ نے کوئی جواب نہ دیا، چپ چاپ اس کو جاتے دیکھتی رہی تھی۔

موبائل ہاتھ لگتے ہی فارسیہ کا دل بے قابو ہو گیا، وہ جو کالج کے گیٹ پر جمیل کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب رہتی تھی، اب جی بھر کے باتیں کئے جاتی اور رات کو بستر میں چھپ کر ایس ایم ایس کے ذریعے اپنا دل بہلاتی تھی، جمیل اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے رکھتا اور وہ فرش سے عرش پر پہنچ جاتی، جمیل کی رفاقت کا خوبصورت احساس فارسیہ کو ہواؤں میں اڑائے رکھتا اور وہ تصور ہی تصور میں اس کے محل نما گھر میں گھومنے پھرنے لگتی تھی۔

ایک دن فارسیہ گھر میں اکیلی تھی کہ جمیل کا فون آیا اور وہ چھوٹے ہی فارسیہ سے بولا۔

"انارکلی! آج تو اچھا موقع ہے، ہم سے ملنے آ جاؤ۔" فارسیہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"تنت..... تمہیں..... کلک..... کیسے پتہ کہ میں اکیلی ہوں؟"

خون کے آنسو

موسیقی کا انتظام کیا گیا تھا اور پروگرام دعوت نامے میں باقاعدہ درج تھا، لوگ ٹولیوں کی شکل میں آرہے تھے، بے ہنگم موسیقی جہاں آس پاس لوگوں کی نیند میں خلل کا سبب بن رہی تھی، وہیں چار گلیاں چھوڑ کر ملک حاکم کو خون کے آنسو لارہی تھی، آج انہیں قیام پاکستان کی جدوجہد میں دی جانے والی قربانیاں تڑپا رہی تھیں۔ اے اللہ! ہم نے یہ علیحدہ وطن ان شیطانی خرافات کے لئے حاصل نہیں کیا تھا۔

ایک پرمردوزن کے تھرکتے جسم ابلیس کے چیلوں کو بھی شرم رہے تھے، حیا کے جنازے نکل رہے تھے۔ اچانک مہندی کے آنے کا شور اٹھا، کیونکہ حیدر کے دوستوں نے اس کی مہندی کی رسم بھی ادا کرنی تھی۔ اسی ہنگامے کے ساتھ ہی گولیوں کی تھر تھڑا ہٹ شروع ہو گئی اور بد قسمتی سے لان سے نکلتا ہوا اپنی ماں کا اکلوتا حیدر اندھی گولی کا نشانہ بن گیا۔ پل بھر میں خوشیوں بھرا آنگن غموں کا مسکن بن گیا، قہقہوں کی جگہ آہوں نے لے لی۔ قارئین کرام! یہ کوئی افرادی نہیں، بلکہ اجتماعی المیہ ہے جو اس سوتی ہوئی امت کو ناسور کی طرح ڈستا جا رہا ہے، اگر ہم نے اس کے آگے اپنے قول و فعل سے بند نہ باندھا تو یہ ساری انسانیت کو بہا لے جائے گا۔ ہمیں اگر اللہ نے خوشی دی ہے تو ہم اسے جائز طریقے سے اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہی منائیں۔ شیطان کا آلہ کار بن کر اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کریں۔ ایک غلطی سے کتنے سانحوں نے جنم لیا، کسی کا سہاگ لٹا تو کوئی قبروں میں جا سویا اور کتنی ہی مائیں بہنیں عقل سے عاری ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

وہ دیکھو! گولی آرہی ہے، گولی آرہی ہے، ہائے میرا عاصم، میرا عاصم، اگلے ہی لمحے وہ ہوش سے بیگانی ہو گئیں۔ ڈاکٹر صاحب شام ہوتی ہے تو یہ اسی طرح چیخنا چلانا شروع ہو جاتی ہے، ملک قاسم نے ڈاکٹر موسیٰ کو تفصیل بتائی۔ صبر سے کام لیں ملک صاحب، مریضہ چونکہ گہرے صدمے سے دوچار ہوئی ہیں، انہیں نارمل ہونے میں کچھ وقت لگے گا، میں دوائیں لکھ رہا ہوں، جو باقاعدگی سے لینے سے ان شاء اللہ آپ کی بیگم ٹھیک ہو جائیں گی، احتیاطاً انہیں زیادہ تر روشنی ہی میں رکھیں اور پرسکون کمرے میں انہیں لٹائے رکھیں۔

بابا جان صرف تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گئے ہیں، کمرے میں چھائے سنائے کو ملک قاسم کی گرج دار آواز نے توڑا تھا۔

وہ میری وجہ سے گھر چھوڑ کر نہیں گئے، قاسم صاحب، وہ تو ہماری خوشیوں سے جلتے ہیں، اس وجہ سے گئے ہیں، کیا میں صرف ان کی وجہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی بھی دھوم دھام سے نہ کروں، بیگم فرزانہ نے فہد مارکیٹ سے خریدے گئے کا سٹیکس کے ڈبے اٹھائے اور بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

سن رسیدہ ملک حاکم اپنے چھوٹے بیٹے حمزہ کے ہاں چلے گئے تھے، پھر ملک قاسم کے بیٹے حیدر کے منانے کے باوجود شادی میں شریک نہ ہوئے۔

جاؤ بیٹا، اللہ تمہیں حقیقی خوشیاں نصیب کرے اور حیدر رات گئے ”النور ہاؤس“ لوٹ آیا۔

کیم مئی کو النور ہاؤس روشنیوں میں نہایا دلہن کی طرح سجاسنورا کھڑا تھا۔ لان کی بیک سائیڈ پر شامیانے لگا کر

تھی، آج سجدے میں گر کر اپنے گناہوں کی معافی اور اپنی عزت بچ جانے پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ جس نے اس کی عزت کا انمول موتی بے مول ہونے سے بچا لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک معصومانہ سوال

☆.....☆.....☆ ایک مرتبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن میں حضرت علیؑ سے سوال کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، فرمایا ہاں، پوچھا کہ میرے نانا جی سے محبت ہے، فرمایا ہاں، پوچھا کہ میری امی سے محبت ہے؟ فرمایا ہاں، سیدنا حسینؑ نے بڑی معصومیت سے کہا، ابو! آپ کا دل تو گودام ہوا، دل میں تو ایک کی محبت ہونی چاہئے، آپ نے اتنی محبتیں جمع کر رکھی ہیں، حضرت علیؑ نے سمجھایا کہ بیٹے تمہارا سوال بہت اچھا ہے، مگر تمہارے نانا جی، تمہاری والدہ اور تم سے اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی محبت کرنے کا حکم دیا ہے، پس یہ سب محبتیں درحقیقت محبت الہی کی ہی شاخیں ہیں، یہ سن کر سیدنا حضرت حسینؑ مسکرائے کہ اب بات سمجھ میں آگئی ہے۔

☆.....☆.....☆

عیب گوئی سے پرہیز

☆.....☆.....☆ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ایک بزرگ نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے سوال کیا؟ طلاق کیوں دینا چاہتے ہیں، فرمایا، میں اپنی بیوی کے عیب کیسے ظاہر کر دوں، جب انہوں نے طلاق دے دی تو سوال ہوا کہ اب تو وہ تمہاری بیوی نہیں رہی، اب بتاؤ کہ کیوں طلاق دی؟ فرمایا کہ میں کسی اجنبی عورت کے عیب کا کیوں ذکر کروں۔

”ارے ہمیں تو یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کے گھر والے کہاں گئے ہوئے ہیں۔“ جمیل نے ہنستے ہوئے پراسرار لہجے میں کہا اور فانیہ کی منت کرتے ہوئے بولا۔

”دیکھو! اگر آج تم نہیں آئی تو میں سمجھوں گا کہ تمہارے محبت بودی اور کمزور ہے، کیوں کہ آج رات کو میں امریکہ جا رہا ہوں اور میری واپسی نجانے کب ہو، میں تمہارا حسین چہرہ دیکھ کر رخصت ہونا چاہتا ہوں۔“ جمیل نے بڑی لجاجت سے کہا۔ فانیہ انکار نہ کر سکی اور اپنے آنے کا وعدہ کر بیٹھی تھی۔

بڑی اماں سمیت سب گھر والے اپنے کسی عزیز کے ہاں دعوت میں گئے ہوئے تھے اور شام تک ان کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اچانک فانیہ کے دماغ میں بجلی سی کوندی اور وہ پیدل سفر کر کے لپٹی کے گھر پہنچ گئی۔

فانیہ دبے پاؤں چل رہی تھی کہ ایک کمرے سے آتی ہوئی آواز اور اپنا نام سن کر ٹھٹھک گئی اور تجسس کی ماری دروازے میں کھڑی ہو کر اندر ہونے والی گفتگو کان لگا کر سننے لگی۔

”یار! قسم سے بالکل انارکلی لگتی ہے، تو دیکھے گا تو تیرے تو ہوش اڑ جائیں گے۔“ جمیل مکروہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تو پھر اس انارکلی کو اپنے دل کی ملکہ کیوں نہیں بنالیتا۔“ ایک اجنبی آواز فانیہ کو سنائی دی۔

”ارے یہ حسن کی دیویاں دل بہلانے کے لئے ہوتی ہیں، دل میں بسانے کے لئے تھوڑی۔“ جمیل نے عیارانہ لہجے میں کہا اور اس کی فکر مند سی آواز فانیہ کو سنائی دی۔ وہ اندر بیٹھے اجنبی سے مخاطب تھا۔

”یار فرزان! وہ انارکلی ابھی تک آئی نہیں، فون کر کے دیکھو کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہ ہو گئی۔“ فانیہ کو اپنے اندر خطرے کا الارم بجتا ہوا محسوس ہوا اور وہ جس خاموشی سے آئی تھی، اسی خاموشی سے پلٹ گئی، فانیہ، جو عورت کو گھر میں بٹھانے سے قدرت سے شاکر رہا کرتی

مریم جمیل

علم و عمل میں یکتا، ایک سچی عاشق رسولؐ

فرزانہ چیمہ

۱۴ ذوالحجہ ۱۴۳۳ ہجری بمطابق ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء بدھ کی صبح ایک دختر اسلام، نو مسلم مذہبی اسکالر، بے شمار کتابوں کی مصنفہ، مغرب میں پیدا ہو کر مشرق میں آئے والی..... نور حق کی شیدائی محترمہ مریم جمیلہ لاہور میں انتقال کر گئیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون..... آئیے! ان کی سراپا جہاد، سراپا ایمان و عمل والی کتاب زندگانی کے اوراق زریں پر جستہ جستہ نظر ڈالیں کہ اس میں نشانیاں ہیں عمل کرنے والوں کے لئے..... اہل دانش کے لئے..... اہل علم کے لئے اور آخرت پر نگاہ رکھنے والوں کے لئے۔ امریکہ کے موسم بہار میں ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء کے ایک خوبصورت دن جرمن یہودی والدین کے ہاں نیویارک میں ایک بچی نے آنکھ کھولی۔ چھ پونڈ اور گیارہ اونس وزن کی یہ بیٹی اپنی اکلوتی بڑی بہن الزبتھ مارکوس سے دس گیارہ سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ نہایت خوب صورت، ذہین اور حساس، مارگریٹ مارکوس اپنے تعلیم یافتہ اور معزز گھرانے کی آنکھ کا تارا تھی، بچپن ہی سے سوچ بچار، مطالعہ اور آرٹ ورک کی دنیا میں گم رہتی تھی، چنانچہ سچی بھی زیادہ سہیلیاں نہ بنا سکی کہ کھیل کود کی بجائے کہانیاں پڑھنے کی زیادہ شوقین تھی یا پھر تصویریں بنانا اس کا دل پسند مشغلہ تھا اور دوسرا شوق موسیقی سننا تھا مگر عجیب بات

یہی کہ تصویریں اکثر عرب لوگوں کی بنایا کرتی، جنہیں اس نے کبھی دیکھا تک نہ تھا، بس نیشنل جیوگرافک میں عربوں کی تصویریں گھنٹوں دیکھتی رہتی، پھر اپنے ہاتھ سے بنالیتی، قدرت نے عجیب ملکہ عطا کیا تھا اور موسیقی میں ام کلثوم کے ریکارڈ سنتی، اسے پاپ اور جاز میوزک شروع ہی سے ناپسند تھا۔

اس کی عمر پانچ سال کی ہوگی کہ ایک دن اس کی بڑی بہن الزبتھ عرف بے ٹی اپنی سہیلیوں کے ساتھ مسلمانوں کی نماز پڑھنے کی نقل اتار رہی تھی جو اس نے کسی نیوز ریل میں چند دن پہلے ہی دیکھی تھی..... نقل کیا بلکہ تحقیر کر رہی تھی کہ مارگریٹ جسے سب بیگی کہتے تھے..... یہ برداشت نہ کر سکی اور چلا آئی۔ ”اوہ بے ٹی! بند کرو یہ سب کچھ۔ دوسروں کا مذاق مت اڑاؤ۔ تمہیں دوسروں کے مذہب کا مذاق اڑانے کا کوئی حق نہیں۔“ اس نے رور و کر ڈرامہ ختم کروا کر ہی چھوڑا۔ سچ ہے کہ ”فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی۔“ اسکول میں ابتدائی کلاسوں میں تھی، ایسٹر کے قریب پانچویں، چھٹے گریڈ کے بچے ہاتھوں میں پتھر لے کر اس کے پیچھے بھاگتے اور چیخ چیخ کر اسے کرائسٹ کو مارنے والی، کرائسٹ کلر، کلر پکارتے۔ پتہ چلا کہ انہیں پادری نے ایسا کرنے کو کہا تھا۔

غریب بچوں سے ہمدردی..... اس کا ننھا سا، پیارا سا دل ہمیشہ سے محسوس کرتا رہتا تھا۔ گریڈ فرسٹ میں تھی کہ اپنی کلاس کی ایک بھنی پرانے کپڑے پہننے والی، نہایت کمزور اور لاغری لڑکی کو روزانہ پی ٹی نٹ، ٹی وی، جلی، سینڈویچ وغیرہ لاکر دیتی، غریب کالے بچے اسے نہایت دھی کر دیتے، اس کے ڈیڈی اسرائیل کو چندہ دیتے تو یہ انہیں منع کرتی کہ یہ لوگ فلسطین والوں پر ظلم کرتے ہیں، آپ کے پیسے سے یہ اسلحہ خرید کر ان کے خلاف استعمال کرتے ہیں، اسی طرح گریڈ چار میں تھی کہ اسے روزانہ اسکول دیر سے آنے پر ڈانٹ پڑنے لگی،

تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ہمسائی کی لڑکی کنڈرگارٹن میں داخل ہوئی ہے، وہ سڑک پار نہیں کر سکتی اور بیگی اسے ساتھ لے کر آتی ہے مگر وہ ناشتہ کرنے میں پورا آدھا گھنٹہ لگا دیتی ہے جو صرف ایک ابلے انڈے پر مشتمل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس طریقے سے ناشتہ کرنے والی چلتی بھی کیسی ست رفتاری سے ہوگی۔ یوں رحم دل اور مہربان بیگی اس کی خاطر ڈانٹ کھاتی رہی۔

۱۹۴۱ء کی عالمی جنگ میں بیگی سات سال کی تھی، لائف میگزین میں جرمن اور روسی فوجیوں کی خون آلود لاشوں کی تصویریں اس کے ننھے سے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئیں، وہ خود کو مجرم محسوس کرتی کہ ”میں تو یہاں پیٹ بھر کر کھانا کھا رہی ہوں اور یورپ میں ملین لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔“

اسی عمر میں یہ حساس لڑکی سرکیمپ میں قیدیوں کے متعلق بہت سی تصویریں بناتی ہے اور ایک نظم لکھتی ہے۔ تصویریں ایسی خوبصورت بنائیں کہ ثمن سو والدین کے سامنے اس کی پر جا کر اسے دکھانے کو کہا گیا۔ اسی طرح فینسی ڈریس شو میں بھوت بننے پر اسے اول انعام دیا گیا۔ تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال یہ لڑکی نئی اور پرانی گڑیاں جمع کرتی، پھر ان کے خوب صورت کپڑے سی کر انہیں ٹھیک ٹھاک کر کے کرکس کے قریب ایسے غریب بچوں کو دیا کرتی جن کے والدین انہیں کھلونے خرید کر دینے کی استطاعت نہ رکھتے، ایک مرتبہ اپنے تمام شدہ پیسوں سے ام کلثوم کی آواز قرآن کی کیسٹ خرید لائی اور ایک خوبصورت لوری، پھر انہیں شوق سے سنا کرتی، فلمیں دیکھنا، ڈانس کرنا اسے پسند نہ تھا، اسکول میں بھی ڈانس نہ کرنے پر مشکلات کا سامنا کرتی، والدین سے ڈانٹ کھانا پڑتی حالانکہ گھڑ سواری اور تیراکی کے کاموں میں طاق تھی۔

اس کا زیادہ تر وقت لائبریری میں گزرتا، پہلے اسکول کی پھر ذرا بڑی ہونے پر نیویارک کی پبلک

لائبریری میں، یہی وجہ ہے کہ اس کا مطالعہ وسیع اور پرواز فکر بلند تھی۔ انسائیکلو پیڈیا ”دی ورلڈ بک“ ساری ہی کھنگال ڈالا اور ”عبدالقادر الجزائری“ کی داستان حیات اس کی پسندیدہ کتاب تھی، اسی مطالعے کے دوران بارہ سال کی عمر میں اس نے خود ایک ناول لکھنے کا خاکہ تیار کیا۔ ”احمد خلیل“ کے نام سے جس کی بڑی خوبصورت تصاویر اس نے پہلے ہی تیار کر لیں، اس کے کرداروں کے ناموں سے پیکی کے ذہن کی سمت اور اسلامی مطالعے کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں بھائی کا نام خلیفہ، باپ کا نام ملک وہاب اور ماں کا نام خدیجہ رکھا ہے، اپنے والدین کے نام ایک خط میں خود بتایا ہے کہ ”میں نے احمد خلیل کی ماں کا نام خدیجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی کے نام پر رکھا ہے۔“

ان حالات میں پیکی کی ایک سرکمپ ڈائریکٹر کی اس کے بارے میں رائے ہمیں حیران نہیں کرتی۔ امریکی معاشرے میں ایک مومن روح کی حامل پیکی..... جسے آگے چل کر ۲۷ سال کی عمر میں مریم جمیلہ کے روپ میں ایک عظیم مجاہدہ، مہلغہ، مصنفہ بننا تھا، اس کے بارے میں اسی قسم کے تاثرات کی توقع ایک امریکی عورت سے ہو سکتی ہے، ہونہار پیکی نے جب اگلے سال بھی اس کمپ میں شمولیت کے لئے اجازت مانگی تو اس کے ڈائریکٹر چھٹ پڑی۔

”یہ ناممکن ہے، میں نے تمہارا ایڈیشن قبول کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے، ہم لائق اور ہونہار نوجوان چاہتے ہیں جن کی اتنی قابلیت ہو کہ وہ رقص سیکھ سکیں اور تمہارے اندر ڈانس سیکھنے کی کوئی قابلیت نہیں ہے۔ حقیقتاً تم جیسے انوکھے اور عجیب بچے سے اپنی پوری زندگی میں پہلی بار ملی ہوں..... تمہارے والدین کو میں نصیحت کروں گی کہ وہ تمہیں کسی سائیکائٹرسٹ کے پاس لے کر جائیں۔“

اساتذہ اس سے نالاں..... سہیلی اس کی ایک آدھ..... والدین اس سے عاجز آئے ہوئے کہ

یہودیوں سے نفرت اور عربوں کی حمایت کرتی ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس لڑکی کے جذبات و احساسات کا..... ہمت و استقلال کا..... اور صبر و استقامت کا، مگر ابھی عشق (حقیقی) کے امتحان اور بھی تھے۔ کالج میں متعصب اساتذہ پڑھاتے پڑھاتے بات مسلمانوں پر لے آتے، پھر خوب ان کے لئے لیتے، ان کے معاشرتی نظام پر برستے، عورت پر جبر روا رکھنے کا جھوٹ گھڑتے اور جب پیکی اپنے مطالعہ کے بل پر ان سے اختلاف کرتی، دلیل سے بات کرتی تو اساتذہ کی طرف سے سرو مہری، بد مزاجی کے ساتھ ساتھ سی گریڈ بھی عنایت ہو جاتا اور ذہین و فطین لڑکی جو دوسرے کئی مضامین میں اے گریڈ لیا کرتی، اس ظالمانہ، تعصبانہ رویے پر احتجاج بھی نہ کر سکتی، بس دل میں..... سینے پر ایک داغ ضرور بجا لیتی۔ یوں دل داغ داغ لئے یہودیت سے متنفر..... حق کی متلاشی شب و روز مطالعے میں مصروف رہتی۔ تقابل ادیان، تاریخ، نفسیات، لسانیات نہ جانے کیا کیا پڑھتی رہتی کیا کیا سوچتی رہتی۔ والدین اگرچہ سخت یہودی نہ تھے بلکہ روشن خیال ہوتے ہوئے عیسائیت کے قریب ہو گئے تھے، مگر اسلام.....؟ اسلام کے لئے تو ان کا بغض ان کے مونہہ سے پھوٹا پڑتا تھا، اسلام تو ان کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتا تھا اور راسخ العقیدہ مسلمان اس سے بھی زیادہ۔

تہائی اور فکر تو شروع سے پیکی کی زندگی کا لازمی حصہ تھے، وہ مختلف تنظیموں میں شامل ہوتی رہی، قلمی دوستی کرتی رہی، سوچتی رہی..... پڑھتی رہی۔ تلاش حق کا ایک مسلسل سفر تھا جس پر وہ پامردی سے چلتی رہی۔ اس سفر میں دھوپ ہی دھوپ تھی، کانٹے ہی کانٹے تھے۔ پھر بھی دل کی کیفیت اس سے مختلف بھلا کیا ہوتی۔

راہ وفا میں ہر سو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم پھر بھی اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم عجیب بات ہے کہ شاعر و ادیب اسے مسلم پند

تھے، کلام اقبال کا اگرچہ ترجمہ ہی پڑھا تھا فکسن کا ”اسرار خودی“ کا پھر بھی اقبال کی مداح ہو گئی اور کہا۔ ”اقبال وہ پہلے شاعر ہیں جن کی شاعری اسلام کے گرد گھومتی ہے“..... جب باہر کھانا کھاتی تو تلاش کر کے شام اور ترکی ریسٹورانٹ پر..... جہاں بھنا ہوا گوشت، کوفتے، چاول بہت شوق سے کھاتی اور جب پیسے کم ہوتے تو دال چاول بھی اسی رغبت سے تناول کرتی..... جہاں کوئی نو مسلم لڑکی ملتی، اسے یوں سہیلی بنا لیتی، جیسے اب تک اسی کی تو تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی..... گھریلو حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے، کب سے ذہنی دباؤ کا شکار چلی آ رہی تھی، اوپر سے ہوسٹل کا طبیعت کے خلاف ماحول..... چنانچہ شدید اعصابی کمزوری کا شکار ہو گئی، یوں یونیورسٹی آف روچسٹر میں داخلہ لے کر بھی تکمیل تعلیم نہ کر سکی اور گھر آ گئی، شوق تلاش حق فزوں سے فزوں تر ہوتا جا رہا تھا، ادھر مشکلات اور مخالفت زوروں پر تھی، والدین اس کے اس جذبہ ایمانی کو دماغی خلل پر محمول کرتے رہے اور ایک سے ایک سائیکائٹرسٹ کو دکھاتے رہے یہ اور الجھتی رہی پریشان ہوتی رہی، حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا کہ اس کے والدین اسے دماغی امراض کے اسپتال المعروف پاگل خانے میں چھوڑ آئے، اپنی اکلوتی بہن بے بی کے نام ایک خط میں پیکی نے لکھا:

”کیا تم سوچ سکتی ہو کہ میرے ساتھ والے قید تہائی کے کمرے میں کس کو رکھا گیا ہے؟..... جب سے ذہنی مریضوں کے اداروں اور پاگل خانوں میں بجلی کے جنکوں اور نشہ آور ادویہ کے استعمال سے علاج شروع کیا گیا ہے، ان مریضوں کو پاگل پن کے دورے بار بار پڑتے ہیں اور ان کی پاگل پن کی بیماری عود کر آتی ہے..... ان سے تعاون نہ کرنے والوں اور معاشی مدد نہ کرنے والوں کو یہ ادارے اٹھا کر حکومتی ذہنی مریضوں کے اداروں میں بھی دیتے ہیں اور وہ وہاں ساری زندگی

بڑے سڑتے رہتے ہیں، میں اکثر سوچتی ہوں کہ کیا میں کبھی یہاں سے نجات پاسکوں گی..... بہت ساریا پیکی۔“

ہماری یہ پاک طینت، پاک دامن معزز بہن نہ جانے کیا کیا دعائیں کرتی ہوگی.....؟ اللہ وحدہ لا شریک کو کتنے پیارے جذبے سے پکارتی ہوگی کہ تقریباً دو سال کی طویل مدت کے بعد ایک ایسٹر پر اسے ایک ماہ کے نیچے آزمائشی طور پر گھر بھیجے کا فیصلہ کیا گیا۔

گھر آ کر وہی ماحول..... وہی سختی..... وہی اجنبیت کی فضا تھی، بلکہ اب ذہنی دباؤ ایک اور طرح سے اور زیادہ ہو گیا تھا کہ اگر مئی ڈیڈی نے خفا ہو کر دوبارہ اسپتال فون کر دیا تو اسے لے جائیں تو پھر کیا ہوگا؟..... وہ خود ایک خط میں لکھتی ہے۔

”اس پر ڈیڈی کی مسلسل یاد دہانی کہ ”پیکی! ہم تمہیں سہارا دینے کے لئے ہمیشہ نہیں رہیں گے، تمہیں اپنے گزراوقات کے لئے خود کمانا چاہئے۔“

ڈیڈی! میں جیسی بھی ہوں آپ مجھے ویسا قبول کیوں نہیں کرتے، آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کے لئے مجھے اپنے آپ کو دہری شخصیت میں ڈھالنا پڑے گا۔“

شدت جذبات سے ڈیڈی مجھ پر برس پڑے۔ ”پیکی! تم سخت ست ہو اور کوئی کام کرنا نہیں چاہتی، تمہاری ہر سوچ، ہر بات صرف اسلام کے بارے میں ہوتی ہے۔“

اس پر میں بھی غصے میں آ گئی۔ ”تم اس وقت اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔“ ڈیڈی نے مجھے حکم دیا۔ ”اگر تم نے مزید کچھ بولا تو میں ہاسپٹل کال کروں گا اور وہ تمہیں آ کر لے جائیں گے۔“

روتے ہوئے میں نے ڈیڈی سے اپنے رویے کی معافی مانگی اور ڈیڈی نے بھی اپنے سخت الفاظ استعمال کرنے پر معذرت کی، ڈیڈی نے مجھے کہا کہ ”میں نیویارک کے صنعتی ڈویژن والوں کو کال کروں گا کہ تم

وہاں ٹائپنگ کا کورس کرو تا کہ تمہیں ملازمت ڈھونڈنے میں آسانی ہو جائے۔“ میں نے بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے آجنگی سے کہا۔ ”ٹھیک ہے ڈیڈی۔“ ہماری یہ عظیم اور بہادر مارگریٹ نہیں جانتی تھی کہ اس کورس میں قدرت نے اس کے لئے کیا آسانیاں رکھی دی ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ٹائپنگ کا یہ کورس..... عمر بھر کے لئے ٹائپ رائٹر کو اس کی زندگی کا لازمی حصہ بنا گیا۔ اسی دوران اسلامی ملکوں کے مذہبی اسکالرز کے ساتھ خط و کتابت کا ایک سلسلہ بھی شروع کر دیا تا کہ مکمل اسلامی علم حاصل ہو جائے۔ ان میں الجبریا کے ایک انقلابی عالم دین محمد بشیر ابراہیمی، الازہر یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد الباہی، ڈاکٹر سعید رمضان (حسن البنا شہید کے داماد) سید قطب کے نام قابل ذکر ہیں۔

واشنگٹن کے اسلامک سینٹر میں مسجد کو دیکھ کر ایک عجیب طرح کا سکون محسوس کرنے والی..... بروکلین کے اسلامک مشن آف امریکہ میں بار بار آنے جانے والی اور اس کے سربراہ شیخ داؤد احمد فیصل سے مکالمہ کرنے والی چیکگی اب اخبارات میں..... جرائد میں قیمتی مضامین بھی لکھنے لگ گئی تھی، اخبار میں اس کا پہلا مضمون دیکھ کر اس کے ڈیڈی خوش تو بہت ہوئے مگر ساتھ ہی پیشانی پر بل بھی پڑ گئے۔ ”چیکگی! پھر وہی اسلام؟ اور ہاں! کیا ہی اچھا ہو کہ تم ان کا معاوضہ بھی وصول کرو، کیونکہ ہم یہاں ہمیشہ تمہیں سہارا دینے کے لئے نہیں رہیں گے۔“ مضامین لکھتے ہوئے چیکگی نے ایک اہم فیصلہ کیا، جیسا کہ ایک خط میں لکھا ہے۔

”میں اپنے ٹائپنگ کرنے کے علم کو ایک بہت اہم کام میں لگا رہی ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی اسلام سے متعلق لکھنے کے لئے وقف کر دوں گی، مجھ اس کی لکھی ہوئی ”روڈ ٹو مکہ“ کے بعد اب ان کی ایک اور کتاب ”اسلام ایٹ دی کراس روڈز“ میرے ادبی کیریئر کے لئے ایک سنگ میل کی

حیثیت اختیار کر گئی ہے..... چونکہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، اس لئے میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ رکھتی ہوں، آج کل اس موضوع پر مضامین کا ایک مجموعہ تحریر کر رہی ہوں جس کا عنوان میں نے ”اسلام اینڈ دی ویسٹ“ رکھا ہے۔“

قلمی جہاد کا یہ سفر شہود سے جاری رہا۔ جون ۱۹۶۰ء کے ”اسلامک ریویو“ جرنل میں آصف اے فیضی کے مضمون Reinterpretation of islam کے رد میں لکھا ہوا تفصیلی مضمون شائع ہوا، جس میں تمام مسلمانوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ ان کا انجام بھی اللہ نہ کرے، یہودیوں جیسا ہوگا، اگر انہوں نے اسلام کے اصولوں کو بدلنے کی کوشش کی۔

اس علمی، تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حق و باطل کی جنگ بھی منطقی انجام تک پہنچانی چاہتی تھی، چنانچہ اپنی اکلوتی بہن بیٹی کو ایک خط میں یوں خبر دیتی ہے:

”افسوس ناک طور پر میرے می ڈیڈی سے تعلقات ٹوٹنے کے قریب ہو گئے ہیں، میرے خیال میں وہ تمہیں اس جھگڑے کے متعلق پہلے ہی بتا چکے ہیں جو کہ میرے اور ڈیڈی کے درمیان اسرائیل کی چندہ اپیل پر ہوا..... ایک شام میں نے ڈیڈی کی اسٹڈی ٹیبل پر ۲۰۰ ڈالر کا چیک پڑا ہوا دیکھا جو کہ انہوں نے ”یونائیٹڈ جیوش اپیل“ کے لئے لکھ کر رکھا ہوا تھا، می نے بھی ڈیڈی کی طرف داری کی یہ کہتے ہوئے کہ چندہ انسانی ہمدردی کے تحت ان اسرائیلیوں کو جائے گا جو ہسپتال میں بیمار یا زخمی ہیں، لیکن میں ان پر بہت زور سے چلائی۔“ ہاں آپ لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ پیسہ اسرائیل کو جائے گا، جس سے وہ ہتھیار خریدیں گے اور اس سے وہ بے گناہ فلسطینیوں کو ماریں گے، بالکل آپ بھی ان کے قتل میں برابر کے شریک ہیں۔“

ڈیڈی بہت غصے میں چلے۔ ”تم اسی وقت اپنے

کمرے میں چلی جاؤ اور باہر مت آنا۔“ میں اپنے کمرے کی طرف بھاگی اور زور زور سے رونے لگی، دو گھنٹے کے بعد جب میں ہمت کر کے کمرے سے باہر نکلی تو ڈیڈی نے مجھے کہا کہ میں نیویارک میں علیحدہ رہائش کا بندوبست کر لوں، کیونکہ ہمارے رہن بہن اور سوچ میں بہت فرق ہے، اب ہم امن سے ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

چنانچہ چیکگی گھر سے ہوشل میں منتقل ہو گئی، جہاں وہ مشرقی علوم سے دل بھر کر استفادہ کرتی رہی اور استطاعت کے مطابق اسلامی کتب خریدتی رہی، مشکوٰۃ المصابیح کی تین جلدیں خریدنے پر اپنی ساری جمع پونجی لگا دی، صرف ڈیڑھ ڈالر پاس رکھا، جس میں ہفتہ گھر گزارنا تھا، کیسے؟ اس کی فکر نہ تھی، خوشی تو اس بات کی تھی کہ نفع بخش سودا کر لیا ہے، یوں ہفتہ بھر بھوکے پیٹ رو کر احادیث کے مطالعہ سے روحانی غذا حاصل کر لوں گی..... پہلا ترجمہ قرآن کسی عیسائی شخص کا ہاتھ لگا، ذرا بھی اطمینان نہ ہوا، فوراً جان گئی کہ عیسائیت کا تعصب جھٹک رہا ہے اس میں، پھر ایک دن لائبریری سے پکٹھال نو مسلم کا ترجمہ اسے مل گیا، پھر تو وہ اس میں ڈوب گئی، بلکہ اپنا ذاتی نسخہ حاصل کیا، وہ بہن کے نام لکھتی ہے۔

”اور اب تو قرآن پاک میرا مستقل ساتھی بن گیا ہے، جب اس کا ایک نسخہ پڑھنے سے بہت پھٹ گیا تو میں نے نیا خرید لیا، یہ شروع صفحے سے لے کر آخر صفحے تک ایک پی جی تھی، اس نے میری آنکھیں اس سچائی کے لئے کھول دیں جو میں پہلے نہیں جانتی تھی..... میں اس کا ایک ایک صفحہ دن رات پڑھنے میں لگ گئی..... اگرچہ میں صرف ۱۹ سال کی ہوں، لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری زندگی کا خاتمہ قریب ہی ہے، میں دل شکستہ، تھکی ہوئی اور پڑمردہ تھی، مجھے ہر جگہ سے رکاوٹ کا سامنا تھا، جب بھی میں نے معاشرے میں اپنی جگہ ڈھونڈنی چاہی، مجھے دھتکار دیا گیا، نہ ہی یہودیت، آرتھوڈوکس، آئیکھل کلچر اور بہائی میری روح کی دلجوئی کر سکے.....

بالکل اس مقام پر پکٹھال میرے بچاؤ کے لئے آیا، یہاں پر آخر کار میں نے اپنی پہچان ڈھونڈ لی، قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کے بعد میری پہلی سوچ یہی تھی کہ یہ واحد سچا مذہب ہے جو اخلاص اور دیانتداری پر مشتمل ہے..... سب سے بڑی چیز، جو میں نے یہودیت اور عیسائیت میں پائی، وہ یہ تھی کہ بجائے اس کے کہ وہ بدی کے خلاف جنگ کرتے، انہوں نے اسے جوں کا توں قبول کر لیا، سوائے چند مذہبی کتھولک کے اور کچھ تنگ نظر پروٹسٹنٹ کے، کوئی بھی بائبل کو غلطیوں سے پاک نہیں سمجھتا، تورات میں بیان کی گئی عبرانی روایات کے برعکس مقدس قرآن برائی کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے سے انکار کرتا ہے، چاہے وہ معاشرتی ہو، یا اخلاقی، قرآن پاک میں ایک جگہ بیان ہوا ہے:

”مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو بنی نوع انسان کے لئے اٹھائی گئی ہے، تم نیکی کی نصیحت کرتے ہو اور برائی کے خلاف جہاد کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ سالہا سال کی کشمکش..... سخت کشمکش کے بعد آخر وہ روز مسجد آ ہی گیا کہ جس دن مارگریٹ کی قسمت میں رب رحمن درجیم نے بھلائی مقرر کر دی تھی، اس مارگریٹ عرف چیکگی کی قسمت میں جس نے شروع دن سے شراب کا ایک قطرہ تک نہیں چکھا، کبھی سگریٹ کا ایک کش تک نہیں لگایا..... جس نے ڈانس نہیں کیا..... کسی کو فضول دوست نہیں بنایا، غرض جو اس سوسائٹی میں رہتے ہوئے بھی سب سے جدا تھی..... سب سے زیادہ باحیا تھی۔ چنانچہ اپنے والدین کو یکم جون ۱۹۶۱ء کو یوں اطلاع کرتی ہے۔

”ڈیڈی! اور ڈیڈی! چونکہ ہماری سوچ، رائے اور طرز زندگی میں اختلاف ہونے کی وجہ سے گھر میں بہت سے جھگڑوں اور بحث و مباحثے نے جنم لے لیا تھا اور اب جب سے میں یہاں خواتین کے ہاسٹل میں علیحدہ رہی ہوں تو اب ہم سب اپنی جگہوں پر خوش و مطمئن ہیں.....

اب جبکہ میں اپنے اسلام کا عام اعلان کر چکی ہوں، میں اب ایک مسلمان ہوں۔ ۲۳ مئی ۱۹۶۱ء کی عید الاضحیٰ پر ”اسلامک مشن“ میں دو گواہوں خدیجہ فیصل اور بلیٹیس محمد کی موجودگی میں شیخ داؤد احمد فیصل نے مجھے کلمہ شہادت اور چھ کلمے با آواز بلند پڑھائے اور انہوں نے میرا اسلامی نام ”مریم جمیلہ“ رکھا ہے تو آج سے آپ نے مجھے ہیگی نہیں بلکہ مریم جمیلہ کہنا ہے، عید کے کھانے کے بعد شیخ نے اسلام قبول کرنے کا شوقیلیٹ دیا ہے جو کہ میرے لئے قابل فخر متاع ہے۔

بہت ساریار..... مریم جمیلہ“

اب ہماری مکرم و محترم آپا مریم جمیلہ صاحبہ کے لئے امریکی فضاؤں اور ہواؤں میں رہنا سخت دشوار ہو گیا اور ہاں انہوں نے خدیجہ فیصل سے پورا ایک دن وضو اور نماز سیکھنے میں لگا دیا، دو ہفتوں کے بعد پوری عربی نماز اور کچھ چھوٹی سورتیں بھی یاد کر لیں، ہر قسم کے میک اپ سے عاری چہرہ، ڈھیلے ڈھالے باپردہ لباس میں ملبوس، حجاب کی تختی سے پابندی..... مریم جمیلہ امریکہ سے ہجرت کرنے والی ہیں۔ صرف اور صرف اللہ قادر مطلق کے نام پر ہجرت..... اس کے دین پر عمل کرنے کے لئے ہجرت..... کیسی قابل رشک تھی یہ ہجرت۔

ڈاکٹر سعید رمضان کو اپنے اس ارادے کی اطلاع کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”میرے عزیز اسلامی بھائی! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! جب سے میں نے خط و کتابت شروع کی ہے اور اس بات کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے، انہوں نے بار بار مجھے اس بات کی دعوت دی ہے کہ میں امریکہ سے پاکستان ہجرت کر جاؤں..... وہاں جا کر ان کے گھرانے کے ساتھ ایک فیملی ممبر کی حیثیت سے رہوں..... اب جبکہ میرے لئے یہاں کے حالات ناقابل برداشت ہو گئے ہیں اور میں نے یہ بات محسوس کر لی کہ میں یہاں کے معاشرے کے ساتھ مزید چل نہیں سکتی، میں اس بات

پر قائل ہو گئی ہوں کہ میرے لئے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ میں کسی مسلمان ملک میں ہجرت کر جاؤں اور زندگی کے باقی ماندہ دن وہیں پر گزار دوں، میں نے اس مقصد کے لئے پاکستان کو چنا ہے، کیونکہ مولانا نے مجھے پیشکش کی ہے کہ وہ مجھے گھر اور فیملی مہیا کریں گے اور ایسی پیشکش مجھے اور کہیں سے نہیں آئی۔“

اور پھر ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو مریم جمیلہ نے نیویارک سے آخری خط اپنے والدین کو لکھا۔ یہ خط اگرچہ طویل ہے مگر ایک ایک سطر اس قابل ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔ مگر طوالت کے خوف سے اس کے چند ایک حصے پیش خدمت ہیں:

”پیارے مئی اور ڈیڈی!

اب جبکہ میں پاکستان جا رہی ہوں، میں اس سفر کی تیاری میں بہت مصروف ہوں، ڈاکٹر سعید رمضان، ڈاکٹر حب اللہ، ڈاکٹر نور الدین شوریہ اور شیخ داؤد احمد فیصل سب نے مجھے نصیحت کی ہے کہ میں جتنا جلد ہو سکے، پاکستان جانے کی تیاری کروں، میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی، اگر آپ خط میں اس بات کی منظوری دیں کہ آپ میرے پاکستان جانے کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کریں گے۔ اگر میرے خاندان کو میرے مذہبی خیالات سے اتفاق نہیں ہے تو اسے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ مجھے اس راہ میں ایذا دیں، مذہبی آرتھوڈوکس یہودیوں میں اگر ان کا کوئی فرد کسی اور مذہب کو قبول کر لے تو وہ ان کے لئے مردہ تصور کیا جاتا ہے، میں نے پہلی ہی اپنا پاسپورٹ اور ویزہ محفوظ کر لئے ہیں اور اب بحری جہاز کی ریزرویشن کروا رہی ہوں، اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو ان شاء اللہ ۱۸ مئی کی شام نیویارک سے روانہ ہو جاؤں گی اور Greek Freightert (بحری جہاز کا نام) کے ذریعے پاکستان روانہ ہو جاؤں گی، چونکہ بحری جہاز کی رفتار انتہائی سست ہوتی ہے، اس لئے مجھے پاکستان پہنچنے میں ۶ مہینے لگیں گے، بحری جہاز

مجھے کراچی پہنچائے گا، چونکہ میں کراچی سے لاہور تک کا سفر تھوڑا کلاس ٹرین کے ذریعے نہیں کر سکتی، اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں کراچی سے لاہور تک کا سفر بذریعہ ہوائی جہاز کروں گی، میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے ایک دور دراز ملک کی طرف سفر کرتے دیکھ کر بہت دل گرفتہ ہوں گے، یہ جانتے ہوئے کہ کیا بھی ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے، بہت عرصے سے آپ یہ چاہتے تھے کہ میں ایک آزاد اور خود مختار زندگی گزاروں، والدین ہونے کی حیثیت سے آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ نوجوان پرندے کو اپنے آشیانے کی تلاش میں گھونسلے سے ایک نہ ایک دن اڑنا ہی ہوتا ہے۔

میں اصل میں ”محمد اسد“ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بالکل وہی کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، جو انہوں نے اپنی خوب صورت اور پراثر کتاب Road to Mecca میں بیان کیا ہے، ایک ایسی کتاب جسے میں نے کئی بار پڑھا اور جس نے مجھے مسلمان بنانے میں اہم کردار ادا کیا، لیکن انہوں نے یہ سب ۱۹۳۲ء میں کیا۔

اور اب ۴۰ سال گزر جانے کے بعد تمام مسلمان ممالک ”اتاترک“ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی کچھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اس نے ترکی کو مغرب زدہ بنانے کے لئے کیا۔ ان میں صدر جمال عبدالناصر، حبیب بورگیبا اور صدر ایوب خان جیسے لوگ انتہائی جوش کی حالت میں نام نہاد ”ترقی“ اور ”روشن خیالی“ کے نام پر اپنے ملکوں کو مغرب زدہ کر رہے ہیں اور میں چاہے چالیس سال یا ۷۰ سال بھی گزر جائیں، پھر بھی روایتی طرز زندگی ہی گزارنا چاہوں گی، جو قدرت سے قریب اور روحانیت سے بھرپور ہو، یہ جانتے ہوئے کہ وہاں پر رہنے والے ”ترقی پسند“ مسلمان ایسا طرز زندگی بالکل بھی پسند نہیں کرتے اور وہ اپنے اسلام سے اتنی ہی نفرت کرتے ہیں، جتنا کہ ایک غیر مسلم کرتا ہے۔ میں حقائق سے بے خبر نہیں ہوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ اب کے

مسلمان ممالک اس چیز سے خالی ہیں، جو محمد اسد نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ سب کچھ بدل چکا ہے، ان ممالک میں بہت برے طریقے سے بگاڑ پیدا ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے ان کے گھرانے میں وہ روایتی اور حقیقی اسلام مل جائے گا جس کی مجھے تلاش ہے، صرف ایک گھرانہ اور کچھ ہم خیال ساتھی مل جائیں اور اگر یہ سب مجھے مل گیا تو میں اپنی جڑیں وہیں پر گہری کر کے اپنے آپ کو جذب کر دوں گی، اگر سب کچھ خیریت سے رہا تو میرا ارادہ لاہور میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا ہے۔

میں امریکہ واپس لوٹنے کی ذرہ برابر خواہش نہیں رکھتی، چاہے وہ کتنا ہی مختصر ہو لیکن میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں ہمیشہ خطوط کے ذریعے رابطہ برقرار رکھوں گی، تو ان شاء اللہ میں وہاں کے تمام حالات اور تجربات تفصیلی طور پر اپنے خطوط میں آپ کو لکھا کروں گی۔

چونکہ یہاں میری کتابیں کافی مقدار میں ہیں اور بھاری ہیں، اس لئے میں نے انہیں (Surface Mail) سمندری ڈاک کے ذریعے پہلے ہی روانہ کر دیا ہے، میں نے اپنے تمام فرائد کسی کو دے دیئے ہیں اور میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ میں آئندہ کبھی بھی یہ مغرب زدہ لباس نہیں پہنوں گی۔“

مولانا صاحب بہت جلد مریم جمیلہ کی شادی کرنا چاہتے تھے تاکہ یہ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکے، مریم نے خود خواہش کی تھی کہ میں کسی کنوارے کی بجائے شادی شدہ مرد سے نکاح کرنا چاہوں گی، جس کے بچے بھی ہوں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر بھی عمل کروں۔ چنانچہ مولانا صاحب نے محمد یوسف خان کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔

شادی کے بعد جب پہلی بار مولانا صاحب کے گھر ملنے آئی ہیں تو گھرے عثمانی رنگ کے بروکیڈ سوٹ میں تھیں، نہ زیور، نہ میک اپ، نہ ایڑھی والا جوتا، مگر چہرے پر ایک نور تھا۔ جاذبیت تھی، پاکستانی لباس ہمیشہ پہنا،

اُف یہ گاڑیاں

سین انجم

ہوتے دیکھنا اور پھر انتہائی مہارت اور تجربہ کاری سے فرار ہو جانا عام لوگوں کا شیوہ نہیں، لہذا ڈرائیور حضرات کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے، ایسے بہادر لوگ خال خال ہی ملتے ہیں، خصوصاً ان حضرات کی خوش ذوقی کے تو کیا ہی کہنے! نجانے ہم رائٹرز اپنے حسن تحریر پر اترتے کیوں ہیں!! ایک ذرا ہماری تحریروں کو ڈرائیورز کے تحریر کئے گئے الفاظ کے مد مقابل آنے کا موقع ملے تو ہماری کاوشات دم دبا کے بھاگتی نظر آئیں گی، نمونے کے طور پر ان حضرات کے حسن تحریر کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

بس جب نئی ٹیلی اسٹینڈ پر آتی ہے تو آپ کو اس کے ماتھے پر لکھا نظر آتا ہے: ”دیکھو پور چکوری دی۔“ چار دن گزرنے پر جب حسن و جمال کچھ مدہم پڑ جائے تو پچھلے الفاظ غائب ہوں گے اور ان کی جگہ لکھا دکھائی دے گی۔ ”ہارن دے کر پاس کرو۔“ گویا اب محترمہ کا حسن چونکہ ڈراڈم ہو چکا ہے، لہذا اب ان کو اپنی وجاہت پر ناز نہیں رہا اور بے چاری ڈرائیورسین ہو چکی ہیں، چند دن مزید گزرنے دیجئے اور جب منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں والا معاملہ

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے مجذوب مرحوم کو، جو اپنی آنے والی نسلوں کو بتا گئے۔

رہی یہ باریں تو غرق سب کی کشتیاں ہوں گی مگر ہم کہتے ہیں:

رہی یہ گاڑیاں تو ختم سب کی مستیاں ہوں گی گاڑی کا ذکر آتے ہی ہونٹوں پر ایک لطیف سی مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے، خصوصاً جب ذکر ”مس بس“ کا ہو تو کیا ہی کہنے! ننھے بچے بس محترمہ کا نام مبارک سنتے ہی جھولوں کی یاد میں کھو جاتے ہیں، نو جوانوں کو بس کے ذکر پر حکم پیل، شور شرابے اور ”خوشبودار“ پسینے والے افراد سے لبالب بھری بسیں یاد آ جاتی ہیں اور دل مذکورہ ”روح پرور“ مناظر کا حصہ بننے کے لئے آپ ہی آپ کھینچنے لگتا ہے، ضعیف افراد کے سامنے ایک ذرا بس کا ذکر چھیڑیے اور پھر دیکھئے کہ وہ تسبیح کے دانوں کی چوٹ پر منٹ بھر میں بس کے ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کی ”تعریف“ پر مبنی بھوکس شان سے سناتے ہیں۔ یقیناً بس چلانے والے افراد بڑے دل گردے کے مالک ہوتے ہیں، ورنہ شوقیہ ایکسٹنٹ کرنا، اپنی آنکھوں کے سامنے کئی افراد کو مرتے اور زخمی

تھی۔ مریم جمیلہ کا ذاتی کمرہ اور لائبریری دیکھ کر ہمارا اپنا دل ان پر ریسرچ کرنے کو پھل اٹھا، ایک ایک خط، ایک ایک سطر سنبھال کر فائل میں رکھنے والی مریم جمیلہ، اسی طرح کا سارا ریکارڈ، اپنی ساری کتب نیویارک کی اس لائبریری میں بھی رکھوائی رہی ہیں، جہاں بیٹھ کر انہوں نے اسلامی علوم پر بہت مطالعہ کیا تھا۔

ہماری اس ناقابل فراموش دینی بہن نے زندگی بھر کسی کو تکلیف نہیں دی، کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔ بس اسلام کی طرف کسی سخت پیا سے شخص کی طرح لپکیں اور پھر سیر ہو کر جام اسلام سے..... شربت ایمان و عمل سے شاد کام ہوئیں..... ہم پیدائشی اور نسلی مسلمان خواتین و طالبات کے لئے بے شمار قابل عمل نکات ہیں، ان کی خوبصورت زندگی کی کہانی میں..... اسلام کی صحیح قدرو قیمت کسی نو مسلم سے پوچھئے..... دین اسلام کی یہ حقیقی قدر دان..... حب الہی سے سرشار..... نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و محبت میں گرفتار..... جس کے بارے میں آکر حضورؐ نے ایک نہایت خوبصورت لباس دیتے ہوئے فرمایا۔ ”یہ مریم جمیلہ کو پہنا دو اور اس کا خیال رکھو۔“

اللہ رب العالمین کی یہ مومن بندی..... رسول رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قابل فخر امتی ۱۴ ذوالحجہ کو نہایت آرام سے ۷۸ برس کی عمر میں..... خاموشی سے اگلے اور دائمی جہاں کی طرف منتقل ہو گئیں۔ عید قربان کے دن اسلام قبول کیا۔ عید قربان کے صبحے میں یہاں سے چل دیں، ان کی اپنی زندگی بھی تو سراپا قربانی تھی، دو تین دن پہلے روپ کچھ سوا ہو گیا تھا، وقت رخصت بھی بہت سکینیت اور نور تھا چہرے پر..... ایک بڑے جنازے اور لاتعداد دعاؤں کے ہمراہ لحد میں اتاری گئیں۔ نماز عصر کے بعد

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ☆.....☆.....☆

کشمیری لڑکی کا گمان ہوتا تھا، لطف کی بات یہ کہ خان صاحب کی پہلی بیگم محترمہ شفیقہ نے خود مولانا صاحب سے جا کر مریم جمیلہ کا رشتہ اپنے میاں کے لئے مانگا تھا..... مولانا صاحب نے مریم کی رائے جاننا چاہی، مریم نے تین روز بعد فیصلہ دیا، ممکن ہے استخارہ کرنے میں یہ وقت لگا ہو۔

مریم جمیلہ کے چار بچے ہیں، خالد فاروق، حیدر فاروق، حلیمہ، سعدیہ اور ماریہ خانم اور پانچ بچے شفیقہ بیگم کے جو فی الواقع مریم جمیلہ کے لئے سراپا شفقت ثابت ہوئیں، اتنی محبت اتنا پیار کم ہی دیکھنے میں آیا ہے، قدرت نے خان صاحب کے ساتھ مریم جمیلہ کا جوڑ جوڑا تھا تو اس میں نہ جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی..... سامنے کی حکمتیں تو ہم بھی جان گئے ہیں، اگر شفیقہ جیسا گھر نہ ملتا تو شاید مریم جمیلہ تصنیف و تالیف کا اتنا کام نہ کر سکتیں، بڑی بیگم نے انہیں گھر داری، بچوں کی پرورش وغیرہ سے بالکل آزاد رکھا، چنانچہ مریم جمیلہ نے ان تمام بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری اٹھالی اور ساتھ ساتھ ۳۴ کتب تصنیف کر ڈالیں، لاتعداد خطوط ان کے علاوہ ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی عالمہ فاضلہ خاتون پر ایم فل تو کیا، پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جانا چاہئے، ان کی اہم ترین کتب درج ہیں۔

- (۱) اسلام و سرسزدی ویسٹ (۲) اسلام اینڈ ماڈرن ازم (۳) اسلام ان تھیوری اینڈ پریکٹس (۴) از ویسٹرن سویلائزیشن یونیورسل؟ (۵) اسلام اینڈ اوری اینٹل ازم (۶) کونٹ فار دی ٹرتھ۔

ان کی ذاتی لائبریری بڑی قیمتی کتب پر مشتمل ہے۔ ان کا خاندانی ان کتب، رسائل، خطوط اور اخباری تراشوں کو محفوظ رکھے گا۔ اپنی نواسی معصومہ کے بارے میں مریم جمیلہ کہا کرتی تھیں کہ یہ میری لائبریری کی حفاظت کرے گی۔ نہایت صفائی پسند اور منظم طبیعت پائی

ہو جائے تو انہی بس صاحبہ کے اسی ماتھا مبارک پر لکھا ہوگا۔ ”یا پاس کر یا برداشت کر۔“ لوجی! سادگی کے ساتھ ساتھ سنجیدگی بھی بڑھ گئی اور جب کچھ دن مزید گزرنے پر حالت بالکل ہی پتلی ہو جائے اور معاملہ پاس کرنے کے قابل رہے نہ برداشت، تب پچھلے الفاظ بھی عقابوں کے اور ان کی جگہ رقم ہوگا۔ ”نہ چھیڑ ملنگاں نوں۔“

اس میں قہقہہ لگانے کی کوئی بات نہیں، اپنے قہقہوں کا والیوم ذرا آہستہ کریں، بس محترمہ کے والیوم سے آپ کا اپنا والیوم ملانے کی کوشش کرنا فضول سی بات ہے، اتنا اونچا والیوم آپ کے پاس کہاں! ثبوت کے طور پر ایک لطیفہ پیش ہے۔ ایک مشہور بس کمپنی کی طرف سے ایک پبلک پلیس میں موجود دیوار پر لکھا تھا: ”ہم تمام رات اپنی سروس کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔“ ان الفاظ کے عین نیچے کسی ہم جیسے احمق نے لکھ مارا۔ ”اور تمام رات اپنی پاں پاں سے شہر والوں کو جگاتے ہیں۔“

”دیکھا آپ نے! جاگنے کا نسخہ..... لوگ فضول میں مجھ کو داد دیتے ہیں، بھلا مجھ کی پیس پیس کا بس کی پاں پاں سے کیا مقابلہ! اگر آپ کو بھی نیند زیادہ آنے کا مرض ہے تو اپنا گھر بدلنے اور مین روڈ پر گھر لیجئے، چند ہی روز میں بسوں کا پاں پاں آپ کو تمام رات جاگنے کا عادی نہ بنا دے تو گھر کے ساتھ ساتھ ہمارا نام بھی بدل ڈالے گا۔“

اجی! یہ بیس بڑے کام کی چیز ہوتی ہیں، خصوصاً ان کے دروازے اور اوپر چڑھنے کی سیڑھیاں تو ایسی ہوتی ہیں، جن پر سے گزرتے ہوئے انسان کو مفت میں پلصراط پر سے گزرنے کا موقع مل جاتا ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ اگر بس ایئر کنڈیشنڈ ہے تو اندر پہنچتے ہی آپ کو قبر کا ماحول بھی ملے گا، غرض پورے کے پورے عالم برزخ کی سیر ہو جاتی ہے، وہ بھی بن موت کے،

صرف یہی نہیں، بلکہ اکثر اوقات تو ایک سیڈنٹ کی صورت میں مرنے اور سچ سچ اگلے جہاں پہنچنے کا موقع بھی مل جاتا ہے، وہ بھی مفت میں۔

ہم جانتے ہیں ابھی آپ کے حلق سے قبر کے ماحول والی بات نہیں اتری، یعنی سمجھ میں نہیں آتی۔ بھی! ایئر کنڈیشنڈ بس دراصل وہ بس کہلاتی ہے، جس میں ایئر کنڈیشن نہ ہو، مستزاد یہ کہ ”ایئر کنڈیشنڈ“ ہونے کی وجہ سے اس کا کرایہ بھی دوگنا ہوتا ہے، بند شیشے اور بند دروازے آپ کو پل بھر میں دنیا سے کاٹ کر آکسیجن کی کمی کا شکار کر دیتے ہیں، ہوا کی غیر موجودگی، تنگ ماحول اور دوگنا بلکہ چوگنا کرایہ..... ٹینشن ہی ٹینشن..... ہوئی ناں قبر کی سیر!! یوں تو آپ کو بس میں اپنے گھر کا سا ماحول ملتا ہے، یعنی جیسے گھر میں بجلی اور ہوا معدوم، بس میں بھی معدوم ملتی ہے اور جس طرح آپ کو اپنے گھر میں کوئی نہیں پوچھتا، بس میں بھی کوئی نہیں پوچھتا۔

اب بات کچھ موثر بایک کی ہو جائے، اصولاً تو اس کی بات پہلے ہونی چاہئے تھی، کیونکہ کچھ روز پہلے ہی ہم بایک کے ساتھ ایک عجیب واقعے سے گزرے ہیں۔ ہوا کچھ یوں کہ ہمیں کہیں جانا تھا، ہم بایک پر سوار ہوئے اور وہ چل پڑی، ذرا آگے گئے تو یاد آیا، ہم سواری پر چڑھنے کی دعا پڑھنا تو بھول ہی چکے ہیں، لہذا ہم نے سوچ لیا کہ بس ابھی ذرا دیر میں پڑھتے ہیں، سو جب منزل قریب آئی، ہم بایک سے اترنے لگے تو جھٹ ہم نے سواری پر چڑھنے کی دعا پڑھ لی، جب واپسی کا وقت ہوا، تب ہمیں یاد آیا کہ بایک سے اترتے ہوئے ہم سواری سے اترنے کی دعا فراموش کر بیٹھے تھے، لہذا واپسی کے لئے ہم جونہی سواری (بایک) پر سوار ہوئے، ہم نے سواری سے اترنے کی دعا یاد سے پڑھ لی، ہاں، مگر گھر کے قریب پہنچ کر یہ یاد آیا کہ بایک پر بیٹھے ہوئے ہم ایک دفعہ پھر سواری پر

چڑھنے کی دعا پڑھنا بھول گئے تھے، سو ہم جونہی سواری سے اترنے لگے، ہم نے قنات سواری پر چڑھنے کی دعا پڑھ لی، البتہ اس وقت ایک دفعہ پھر ہم سواری سے اترنے کی دعا پڑھنا فراموش کر بیٹھے تھے جو..... دوبارہ بایک پر بیٹھے ہوئے لازمی پڑھ لیں گے۔

اب کچھ ذکر کار کا بھی ہو جائے..... اجی لوگ نجانے یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ سوکن، سوکن کی دشمن ہوتی ہے! ذرا ہمارے بھیا صاحب کے گھر جا کر دیکھیں، آپ کو بالکل ڈفرنٹ ٹیٹ ملے گا، اس میں شک نہیں کہ ہماری بھائی صاحبہ کو اپنی سوکن سے حد درجے پیار ہے..... بات کچھ یوں ہے کہ ہمارے ایک عدد بھیا کے پاس ایک عدد کار ہے، جو اگرچہ ان کی اپنی نہیں، کمپنی کی طرف سے ملی ہوئی ہے، مگر اس کا خیال اس قدر رکھتے ہیں کہ اتنا تو اپنی بیوی کا بھی نہیں رکھتے ہوں گے، لہذا ہم اکثر اپنی بھائی محترمہ کو چھیڑتے ہوئے پوچھتے ہیں۔ ”تمہاری سوکن کا کیا حال ہے؟“ ستم در ستم یہ کہ یہ محترمہ خود بھی اپنے ساتھ اس ناروا سلوک پر جز بزن نہیں ہوتیں، الٹا بھیا صاحب سے کہیں زیادہ اپنی سوکن (کار) کا خیال رکھتی ہیں۔

کار خریدتے ہوئے آپ اس بات کا خیال رکھئے گا کہ کار زیر میٹر ہونی چاہئے..... اوہ!! منہ کیوں بن گیا؟ آپ یہی سوچ رہے ہیں ناں کہ ایسی کار تو بے حد مانگی ہوتی ہے؟ ارے نہیں..... ہم آپ کو زیر میٹر کار بالکل سستے داموں خریدنے کا نسخہ بتائے دیتے ہیں..... ہاں جی! حیران نہ ہوں..... اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ کار خریدنے لگیں تو پھٹ پھٹ، کھرکھر، گھاں گھاں اور کھج کھج کی آوازیں مارنے والی ڈبہ کار خریدیں، جو دور قاعد کی یاد تازہ کر دے گی، آپ کو بے اختیار اپنے پردادا مرحوم کا زمانہ یاد نہ آجائے تو کہئے گا۔ یعنی یہ کار اسی دور کی ایجاد ہوگی جو اب ستم زمانہ کے ہاتھوں ڈبہ کار میں

بدل چکی ہوگی، ایسی کار آپ کو بالکل سستے داموں دستیاب ہو جائے گی اور مزے کی بات یہ کہ گردش زمانہ کے ہاتھوں اس کے دوسرے کئی پرزوں کی طرح میٹر شریف بھی غائب ہو چکا ہوگا، جب میٹر ہی نہ رہا تو رفتار کا اندازہ کیسا اور وقت کا حساب کتاب کیا ہوا!!! ہوئی ناں زیر میٹر کار!!!

اب کچھ ذکر گدھا گاڑی کا بھی ہو جائے۔ عرف عام میں ان صاحبہ کو ”کھوتا گاڑی“ کے نام سے پکارا جاتا ہے..... افسوس کہ ہم اب تک اس پر بیٹھنے کی سعادت حاصل نہیں کر پائے، لہذا اس کے بارے میں زیادہ معلومات دینے سے قاصر ہیں۔ بس اتنا بتا سکتے ہیں کہ اس کے انجن میں سے ڈھچچوں ڈھچچوں کی آواز نکلتی ہے۔

اور آخر میں ایک کھوتا مار کہ شعر مگر..... اپنے آپ سے معذرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔
تالنگے کے بس کے کار کے جھولے تو لے لئے
پر جھولے دیتے کھوتے تو پھر ہی کمال تھا
☆.....☆.....☆

پھر ہی کمال تھا
ہم ساتھ ساتھ ہوتے تو پھر ہی کمال تھا
کچھ پا کے کچھ جو کھوتے تو پھر ہی کمال تھا
دن کو تو ہنس ہنس کے سبتے رہے ہیں غم
پر رت جگے بھی سوتے تو پھر ہی کمال تھا
زندہ دل کو زندگی دینے میں کیا مزہ
گر ہنس پڑتے، روتے تو پھر ہی کمال تھا
دامن جو صاف کر لیا تو کیا کمال
اشکوں سے دل جو دھوتے تو پھر ہی کمال تھا
بنوائی ہیں شاہوں نے مساجد تو کیا ہوا
خود پتھروں کو ڈھوتے تو پھر ہی کمال تھا
توبہ تو بر زبان کی انجم نے رات دن
آنکھیں بھی کچھ بھگوتے تو پھر ہی کمال تھا

پتھر دل کی بستی میں

امامہ زینب



”اوما! تم مجھے اتنے بڑے امتحان میں کیوں ڈال رہی ہو؟..... دین میں اتنی گنجائش تو ہے نا..... میرے ساتھ کوئی نہیں ہے اوما!..... میں اتنے لوگوں کی مخالفت نہیں سہہ سکتی..... میرے میں اتنا حوصلہ نہیں ہے..... اور تم؟..... تم ان حالات میں بھی مجھے ثابت قدمی کے مشورے دیتی ہو..... صبر کرنے کا کہتی ہو؟..... اگر سننا چاہتی ہو تو سنو!..... میں نہ اتنا حوصلہ رکھتی ہوں، نہ ہمت..... اس لئے.....“ اس کی آواز بھرانے لگی۔

”اس لئے..... میں یہ سب چھوڑ رہی ہوں..... اللہ کا حکم تو ذکر دوبارہ وہی گناہوں والی زندگی اپنانے لگی ہوں..... اور تم سے کئے تمام عہد بھی!..... شاید ہمیشہ کے لئے.....“ اتنا کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رونے لگی۔ اس کے آنسو امیمہ کے دل پر گرنے لگے، لیکن وہ اب بھی اسی طرح بیٹھی رہی تو منابل ایک جھٹکے سے اٹھی اور وہاں سے جانے کے ارادے سے قدم بڑھانے لگی۔

”ماہی!“ امیمہ کے پکارنے پر وہ رکی ضرور، مگر مڑی نہیں۔

”ماہی تم..... تم اتنی سی آزمائش پر گھبرا گئیں؟..... وہ بھی اس قدر کہ جنت کی طرف جانے والا راستہ چھوڑ کر جہنم کے انگاروں کو اپنا مقدر بنانا چاہتی ہو؟..... تم ماہی! تم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی ہو جس نے دین کی

خاطر طائف میں پتھر کھائے..... نعوذ باللہ دیوانہ، جادوگر اور کاہن کہلانا کمال صبر سے برداشت کیا..... جس کے نگوے مبارک ام جلیل کے بچھائے گئے کانٹوں سے متعدد بار زخمی ہوئے..... جس کے اوپر ایک عورت روز کوڑا پھینکتی..... جس کے شانہ مبارک پر صحن حرم میں سجدے کی حالت میں اوچھڑی رکھ دی گئی..... جس کو پورے خاندان سمیت ایک گھائی میں محصور کر کے تین سال تک معاشی بایکاٹ کیا گیا..... جس کے دندان مبارک احد کے میدان میں شہید ہوئے..... اس نے یہ تکالیف کیوں برداشت کی تھیں ماہی..... کیوں؟..... تاکہ اللہ کا دین پھیلے..... تاکہ آئندہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں..... اور اللہ کا پیغام پوری دنیا میں پھیلا دیں..... ہم اور ہم پر آنے والا آزمائشوں کی بساط ہی کیا ہے ماہی؟.....“ منابل کے آنسو تھم گئے تھے۔ امیمہ جذباتی انداز میں کہتی گئی۔

”اور وہ تو ساری ساری رات روتے ہوئے ہماری بخشش طلب کریں اور ہم؟..... ہم اللہ کے حکم کو صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ ہم کمزور ہیں..... اتنا حوصلہ نہیں رکھتے تو..... تو پھر ماہی ہمیں ان کے امتی ہونے کا کیا حق ہے؟..... اگر تم نے آج ہمت نہ کی تو پھر..... پھر تمہارے خاندان میں دین کا نور کیسے پھیلے گا؟ کیونکہ دین جب بھی زندہ ہوا، قربانیوں سے ہوا ماہی!..... آزمائشوں پر ضبط سے زندہ ہوا..... بیٹی ریت پر کمر جھلسلانے سے دین پھیلا..... نیزوں کے نشتر سہنے سے..... گھریار، مال اسباب اور اولاد سب کچھ لٹانے سے پھیلا..... یہ دین ہم تک بے حد قربانیوں کے بعد آیا ہے..... اس کی حفاظت و اشاعت ہماری ذمہ داری ہے ماہی!..... اور اگر پھر بھی..... پھر بھی ہم اس فریضے کو اس لئے چھوڑ دیں کہ ہم میں سکت نہیں تو..... تو پھر.....“ امیمہ سے مزید بولا نہ گیا، اس کا گلارندہ گیا تھا، منابل یکدم پلٹی اور دوڑ کر اس کے لپٹ گئی۔

”نہیں اوما!..... ہم یہ فرض نہیں چھوڑیں گے..... ان شاء اللہ کبھی نہیں!“

☆.....☆.....☆

اب کہ پچھڑے تو شاید خوابوں میں ملیں جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں منابل نے انتہائی تشویش سے اسے دیکھا اور پھر اس کے گال تپتپانے لگی، وہ آنکھیں بند کئے لیٹی بڑبڑا رہی تھی۔

”ہم یہ فرض نہیں چھوڑیں گے..... ان شاء اللہ کبھی نہیں!“

☆.....☆.....☆

”آئی آئی!!“ اس نے بری طرح اسے جھجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو آئی؟..... نیند میں کس سے باتیں کر رہی تھیں..... یہ لیس پانی پیئیں.....“ اس نے جلدی سے جگ سے پانی انڈیل کر اسے دیا۔

”اوما! کہاں ہے؟“ اس نے دیوانہ وار چاروں طرف دیکھا۔

”امیمہ آئی؟..... وہ یہاں کہاں آگئیں؟“ منابل کو اس کی وقتی حالت پر شبہ ہوا۔

”انہیں بھول جائیں آئی!..... آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے شاید.....“ اس نے دکھ سے کہا۔

”نہیں!“ وہ مسکرا دی۔

”یہ حقیقت ہے..... ایسی حقیقت، جسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔“ وہ منابل کو حیران، پریشان چھوڑ کر تیزی سے بستر سے اٹھ گئی، رب سے نماز پڑھ کر استقامت طلب کرنے کی نیت سے۔

☆.....☆.....☆

”ارے! بھاگو! بھاگو!“ زوہانے گھبرا کر کہا اور صاعقہ اور ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر خود بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔

”اوں ہوں..... کیا ہو گیا؟“ وہ دونوں جھلا اٹھیں۔

اس نے مصنوعی گھبراہٹ زدہ انداز میں منابل کی جانب

اشارہ کیا۔

”یار، وہ طالبان کی ایجنٹ آرہی ہے، کہیں کوئی بم بلاسٹ ہی نہ کر دے۔“ اس کے جملے کے ختم ہوتے ہی کلاس روم زوردار قہقہوں سے گونج اٹھا۔ صاعقہ بغور منابل کا چہرہ پڑھنے لگی جہاں خفت کی جگہ جیسی مسکان موجود تھی، وہ پر اعتماد قدم چلتی ان کے قریب آئی اور حسب عادت ہر ایک کو سلام کر کے آگے بڑھ گئی، اب جویریہ اور عشب اس کا گھیراؤ کئے کھڑی تھیں۔

”یار، ویسے تو نارمل ہی لگتی ہو..... لیکن یہ سب کچھ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔“ اس نے ہاتھ لہرا کر اس کے گاؤں اسکارف اور دستانوں کی طرف اشارہ کیا۔

”واقعی، نجانے تم یہ سب کیری کیسے کر لیتی ہو؟“ صاعقہ کے چہرے پر حیرت تھی، ایک طرف سے ایک اور سوال ہوا۔

”تم نقاب کیوں کرتی ہو..... باہر تو اور بھی لڑکیاں کرتی ہیں..... لیکن یہ اسکول میں ہر وقت کئے رکھنے کی منطق سمجھ نہیں آتی۔“ شافہ یہ کہتے ہوئے اس کے قریب آکھڑی ہوئی۔

”اس لئے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور ہم پر فرض ہے۔“ اس کا جواب سادہ و مختصر سا تھا۔

”ہم سے بھی پردہ کرنا فرض ہے؟“ عشب نے پوری آنکھیں پھاڑ کر پوچھا تو وہ ہولے سے ہنس دی۔

”تم سے نہیں!..... یہاں کے میل اسٹاف اور میل ٹیچرز وغیرہ سے..... یہ سب.....“ وہ انہیں سمجھانے لگی۔

نیا اسکول بھی مشکل تجربہ تھا، یہاں پڑھنے والیاں اکثر برگر فیمیلز سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کے بیچ وہ مکمل حجاب میں چھپی ہوئی کچھ الگ ہی لگتی تھی، لہذا اسے مذاق اور طنز کا نشانہ اکثر بنایا جاتا۔

”ارے بھئی!“ بخشاؤ شاید ابھی آئی تھی، ان سب کو منابل کے گرد جمع اس کی بات سنتا دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

”اس کے پاس کیوں بیٹھے ہو تم سب لوگ؟“

کتنی بار کہا ہے بیک ورڈ لوگوں کے منہ مت لگا کرو۔ لیکن وہ اب ان تمنوں کو مسکرا کر وصول کرتی تھی۔ غیروں سے کیا شکوہ کرتی، وہ تو گھر میں بھی دن رات اسی قسم کے القابات سے نوازی جاتی تھی، دوسروں کی باتیں تو سہنا یقیناً آسان تھا، مگر اپنوں کے دیئے گئے زخم کبھی کبھی ناقابل برداشت ہو جاتے تھے۔

جو جھیل گئے ہنس کر کڑی دھوپ کے تیز تاروں کی خنک چھاؤں وہ لوگ جلے ہیں

☆.....☆.....☆

ہر چند تھے راہ میں کانٹے بچھے ہوئے جس کو تری طلب تھی گزرتا چلا گیا اس نے درس ختم کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

”یا اللہ، آج میں ان سب مستورات کی طرف سے نمائندہ بن کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں..... تیری یہ سب بندیاں آج تجھے منانے آئی ہیں..... ہم سب آج تمام گناہوں سے توبہ کرتی ہیں..... اور یہ عہد کرتی ہیں کہ اب تیری مان کر چلیں گے..... تیرے حکم پر عمل کریں گے..... زمانے کے طعنے برداشت کریں گے، لیکن تیرا حکم نہیں ٹوٹنے پائے گا..... یا اللہ ان تمام بہنوں کے ان عزائم کو پاپہ تکمیل تک پہنچانا تیرا کام ہے..... اے رب کریم، تو انہیں ہمت و توفیق عطا فرما اور ان کے دینی جذبات کو مزید ترقی عطا فرما!“ اس نے خوب لمبی دعا مانگی اور جب منہ پر ہاتھ پھیر کر پٹی تو اکثر خواتین کی آنکھوں میں آنسو اور گناہوں سے بچنے کا عزم تھا۔

اب وہ تمام جانے سے پہلے اس سے مصافحہ کرنے کے لئے اس کے ارد گرد کھڑی تھیں اور وہ عجز و انکساری کی تصویر بنی ان سب کو رخصت کر رہی تھی، آخر میں مسائل پوچھنے والی کچھ خواتین بیٹھی رہ گئیں، اس طائرانہ نگاہ ان سب پر ڈالی اور ایک خاتون کو دیکھ کر الجھن میں مبتلا ہو گئی، یہ پچھلے کچھ ہفتوں سے بڑی باقاعدگی سے محفل درس میں شرکت کر رہی تھیں، لیکن عجب بات یہ تھی کہ وہ

آخر تک بیٹھی اسے دیکھتی رہیں اور جب تمام لوگ چلے جاتے تو وہ بھی اس سے سلام کر کے خاموشی سے اٹھ کر چلتی بنیں۔

”منابل باجی! میں آپ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی اور میں نے ارادہ تو کر لیا ہے پردہ کرنے کا مگر.....“ صالحہ یہ کہتے کہتے رکی تو وہ ان خاتون کی طرف سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”لیکن مسئلہ یہ ہے باجی کہ لوگ کیا کہیں گے؟“ وہ پریشان لہجہ میں بولی۔

”ہماری آدمی سے زیادہ مشکلات اسی وجہ سے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے..... آپ مجھے بتائیں صالحہ!..... اب جبکہ کوئی پردہ نہیں کرتا تو کیا زمانہ اسے بخش دیتا ہے..... نہیں نا..... تو پھر کیوں نا زمانے کو منانے کہ صرف اللہ کو منایا جائے؟..... حضرت والا کا شعر ہے:

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے
مد نظر تو مرضی جاناں نہ چاہئے

اور پھر آپ تو ماشاء اللہ دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں..... گھر میں سب ساتھ دینے والے ہیں، تو پھر کیسی ہچکچاہٹ؟..... اصل مسئلہ ان ہی کا ہوتا ہے..... کیا آپ کو معلوم ہے کہ حنا نے بھی شرعی پردہ کرنا شروع کر دیا، حالانکہ سارا خاندان اس کی مخالفت کرتا ہے، لہذا آپ جیسے لوگوں کو تو اس کام میں پہل کرنی چاہئے جو پردہ آرام سے کر سکتے ہیں۔“ وہ اسے قائل کرتی رہی اور وہ خاتون پیار بھرے انداز میں اسے دیکھتی رہیں۔

☆.....☆.....☆

مدیحہ یا سمین نامی اس خوبصورت اور ملنسار سی خاتون کو اپنے جڑواں بیٹوں میں سے ایک کے لئے کسی صالح اور خوب سیرت لڑکی کی تلاش تھی، دینداری کی شرط تو اکثر پوری ہو جاتی، لیکن شرعی پردے کی خوبی خالی خالی ہی تھی، ادھر ان کے صاحبزادے کی شادی کے لئے پہلی شرط ہی شرعی پردہ کرنے کی تھی، کئی مہینوں کی تلاش کے

بعد انہیں یہ گونہ نایاب بالآخر منابل کی صورت میں مل ہی گیا، وہ اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی تھیں۔ آج انہوں نے اپنا مدعا منابل کی والدہ کے سامنے رکھا تو وہ حیران رہ گئیں، انہیں منابل کی قسمت پر یکدم رشک آیا، آخر کو انہوں نے چار بیٹیاں بیایا تھیں اور اس سلسلے میں جو بھاگ دوڑا نہیں کرنی پڑتی ہے، اس سے بخوبی واقف تھیں اور اس کی طرف سے پریشان بھی کہ وہ تو یوں بھی پردے پر سختی سے کاربند تھی، لہذا اس زمانے میں ایسی لڑکی کو کون بیٹا ہے گا، آج اس کا بہت ہی اچھا رشتہ اسی خوبی کی بدولت آیا تھا، لڑکا سافت ویز انجینئر اور اچھی پوسٹ پر تھا، اس کا ایک ہی بھائی تھا، جس کی شادی کو بھی صرف دو ماہ ہوئے تھے، اچھی خاصی پڑھی لکھی اور متمول فیملی لگتی تھی، سب سے بڑھ کر وہ باشرع اور صالح تھے، امی کے ذہن میں پانچ سال پہلے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے!

”اس زمانے میں ایسی دقیا نوی لڑکی کو کون پسند کرے گا؟“

☆.....☆.....☆

اور آج انہیں یہ کہنے اور سوچنے پر عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی، کچھ ہی روز میں انہوں نے منابل سے اس متعلق بات کی اور پھر اس نے استخارہ کر کے ”ہاں“ کر دی تو انہوں نے بات طے کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا، کیونکہ اس وقت وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔

”احمد!..... احمد جانو، دروازہ کھولو ذرا.....“ اس نے اپنے تین سالہ بھانجے کو آواز دی، لیکن وہ کھیلنے میں مصروف تھا، لہذا منہ بسور کر انکار کر دیا، مجبوراً اسے یونہی آٹا سنے ہاتھوں کے ساتھ دروازہ کھولنے جانا پڑا۔

”کون؟“ اس نے سپاٹ لہجہ میں پوچھا تھا۔

”منابل بیٹا دروازہ کھولیں۔“ مدیحہ آنٹی کی آواز پر اس کے ہوش اڑ گئے، اس نے گھبرا کر اپنا جائزہ لیا، آج تو وہ منہ دھوئے بغیر جلدی میں کچن آگئی تھی، سو کر جو دیر سے

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

مشکل بہت ہے

ہادیہ رحمن سحر

”آپ جیسے لوگوں کو دیکھ کر ایک خواہش ہمیشہ میرے دل میں سر اٹھاتی ہے۔“ میڈم الماس کی بات سن کر میں چونکی۔

”کیا مطلب؟؟“

”مطلب یہ کہ جب میں آپ جیسے سمارٹ لوگوں کو دیکھتی ہوں تو آہ بھر کر رہ جاتی ہوں، سچ کہوں تو بے جانہ ہوگا کہ میں اپنے موٹاپے سے بے حد تنگ ہوں، اس موٹاپے نے تو میرا سارا حسن ماند کر رکھا ہے، اس موٹاپے کی وجہ سے نہ تو میں اونچی ہیل والی جوتی پہن سکتی ہوں اور نہ ہی ساڑھی، مجھے کپڑوں کا انتخاب کرتے وقت بھی اسی چیز کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔“ انہوں نے بریانی کی پلیٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”میں ایک بات کہوں تو آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ میں بھی پہلے بہت موٹی تھی۔“ میں نے کہا۔

”کیا کہا! آپ اور موٹی؟؟“ وہ حیرت سے آنکھیں گھماتے ہوئے روسٹ کئے ہوئے مرغی کی ٹانگ کھاتے ہوئے بولی۔

”جی ہاں! میں بھی آپ کی طرح اپنے موٹاپے سے بہت تنگ تھی، میں نے اپنی سہیلیوں کے کہنے پر صبح

میں جب ”الماس کلاؤتھ سینٹر“ میں داخل ہوئی تو سرد ہوا کا جھونکا میرے جسم سے ٹکرایا، میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اے سی اپنی فل رفتار سے چل رہا تھا، میرے قدم کاؤنٹر کی طرف اٹھنے لگے، میڈم الماس کے متعلق پوچھنے پر کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی نے بتایا کہ وہ اس وقت اپنے آفس میں ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد مجھے اندر بلاوایا گیا، جب میں شیشے کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو کرسی پر بیٹھی میڈم الماس نے مجھے خوش آمدید کہا۔

”اودہ سوری! اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا تو میں اس وقت ہرگز نہ آتی۔“ میں نے میز پر انواع قسم کے کھانے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں..... آج آپ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے، دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے۔“ میڈم الماس نے مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے زبردستی کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کھانا کھانے کے لئے نظریں دوڑائیں تو طرح طرح کے کھانے دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی، تو رومہ پلیٹ میں ڈالتے ہوئے میں نے میڈم الماس کی طرف دیکھا جو بریانی سے بھری پلیٹ کے ساتھ انصاف کر رہی تھی۔

نصیحتیں..... میں ایک پل بھی نہیں بھول پائی۔“ وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آیا کہ وہ تو یقیناً مدیحہ آنٹی کے ہمراہ آئی ہے۔

”یہ مدیحہ آنٹی تمہاری کیا لگتی ہیں۔“ امیمہ نے اس کے کندھے سے سراٹھایا اور پھر مسکرا دی۔

”وہی جو تمہاری لگیں گی۔“ وہ بے تکلفی سے اٹھ کر سامنے پلیٹ میں پڑی نمکونہ کھانے لگی۔

”میری کیا لگیں گی۔“ وہ نا بھگی کے عالم میں بولی۔

”جو میری لگتی ہیں۔“ اس نے ٹسک اٹھا کر کہا تھا اور منابل ہنس پڑی تھی۔

”تم بھی تو مجھے نہیں بھولیں اوما!“ وہ سر ہلا کر باہر جانے لگی۔

”ارے ایک منٹ میرے ساتھ جانا..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ منابل نے اسے روکا۔

”تو تم ڈر کو لگ جاؤ۔“ وہ آج پوری طرح اس کی نقل اتارتے پر تلی ہوئی تھی۔

”اور فکر مت کرو..... اب ہم ساتھ ہی رہیں گے۔“ اس نے شرارت سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ ہونق بنی پوچھ رہی تھی۔

”مطلب یہ جناب بھابھی صاحبہ!..... کہ آپ ہماری ہونے والی دیورانی ہیں..... اور ہم جلد آپ کو اپنے گھر لے جانے والے ہیں۔“ وہ چبکی۔

”سچ؟؟..... اوما اب ہم ساتھ رہیں گے۔“ منابل خوشی سے بولی۔

”ہاں، بالکل!..... بلکہ اگر میں آج جا کر موسیٰ بھائی کو کھلو اؤں کہ آپ کی ہونے والی بیوی یہاں آنے پر اس قدر خوش ہو رہی ہے تو شاید.....“ منابل شہنائی گئی۔

”میں اس بات پر خوش نہیں ہو رہی.....“ اس نے کہنا چاہا مگر امیمہ جا چکی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی، اطمینان اور حیا کے دھنک رنگ بکھر گئے۔

☆.....☆.....☆

انھی تھی، اوپر سے بال بھی بکھرے ہوئے تھے، لیکن اسے اسی طرح دروازہ کھولنا پڑا، کیونکہ باقی سب قیلولہ کر رہے تھے، مدیحہ آنٹی کے ساتھ ایک اور مکمل برقعہ پوش خاتون بھی تھیں، اس نے گھبراہٹ میں دونوں کو سلام کر کے ڈرائنگ روم تک پہنچایا اور امی کو بلانے چلی گئی، اب اپنے چلیے پر شرمندگی کے علاوہ امی کی جھاڑ کا بھی ڈر لگ رہا تھا، ابھی کل انہوں نے بتایا بھی تھا ان کے آنے کا، لیکن اس کے ذہن سے بالکل نکل گیا۔ مارے بوکھلاہٹ کے اب اس سے آنا گوندھنا محال ہو رہا تھا، رہ رہ کر اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا، پھر اس نے جیسے تیسے آٹا گوندھ کر ہاتھ دھوئے اور شربت بنا کر تیزی سے دیگر لوازمات پورے کرنے میں پھرتی دکھانے کی کوشش کرنے لگی، اچانک ایک مانوس آواز نے اس کو سوکت کر دیا، درود کی ایک ٹھیس انھی تھی، کہیں دل میں، کسی نے کچن کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اسے پکارا تھا۔

”مانی!“ اور پورے پانچ سال بعد یہ آواز اور لہجہ اسے تڑپا کر رہ گیا۔

”اوما!..... اوما!“ اس کا دل دھڑک دھڑک پکارا جواب دینے لگا، پھر دل کی یہ صدا لبوں پر چل کر رہ گئی۔

”اوما!“ یہ کہتے ہوئے وہ پلٹی تھی۔ امیمہ کچھ فاصلے پر کھڑی تھی، اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ۔

☆.....☆.....☆

تجھے کیا خبر تیری یاد نے میرے ساتھ کیا ستم کیا؟ کبھی خلوتوں میں ہنس دیا کبھی محفلوں میں رلا دیا امیمہ اس کندھے پر اسی کے انداز میں سر ٹکائے بیٹھی تھی اور منابل؟ وہ تو مارے خوشی کے سب کچھ ہی بھول گئی تھی، اب وہ دونوں تھیں اور ان کے گلے شکوے۔

”تم مجھے یاد کرتی تھی مانی؟“ امیمہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

”یار تو بھولنے والی چیز کو کیا جانتا ہے..... اور تم تو ہر قدم پر میرے ساتھ تھیں..... تمہاری یادیں، تمہاری



گھر کی کہانی

مسلسل کانوں میں گونج رہی تھی، اب کیا ہوگا، حمیرا سوچ میں پڑ گئی، پھر واقعی خالد تو دودن بھی گزر گئے، گھر نہ لوٹا تو حمیرا خاموش تھی، جب ایک ماہ گزر گیا، حمیرا کا باپ ملنے آیا اور خالد کو گھر میں موجود نہ پایا تو پوچھا، حمیرا نے خاموشی سے جواب دیا، وہ کام کے سلسلے میں لاہور گئے ہیں۔ اس طرح حمیرا کبھی اپنے ماں باپ کے گھر بھی نہ جا سکی، چچا چچی کہتے بھی کہ ہم تمہیں لے جائیں ماں باپ کے گھر، پھر اپنے بھائیوں کے ساتھ آجانا، مگر وہ خاموشی سے وقت گزار رہی، آخر دو ماہ کے بعد خالد گھر واپس آیا، مگر حمیرا کے کمرے کے بجائے اپنے والدین کے ساتھ باتوں میں وقت گزار کر باہر چلا گیا، اب دن کو آتا گھر، رات کو باہر سو جاتا، خالد کے باپ نے سمجھایا بھی کہ رشتہ آسمان پر بنتا ہے، مگر وہ کہتا، آپ بچوں کے ارادے تو معلوم کر کے رشتہ کیا کرو، اگر زبردستی کی جائے گی تو گھر بھی اسی طرح چلیں گے، آخر خالد کی ماں بہنوں کے اصرار پر خالد اپنے کمرے میں جانے لگا، مگر چار پانچ دن کے بعد پھر وہ کراچی چلا گیا اور حمیرا کو امید ہونے لگی کہ اب ضرور خالد بدل جائے گا، جب بچہ ہوگا، اس طرح آٹھ ماہ گزر گئے حمیرا اپنی ماں کے گھر چچا کے ساتھ آئی اور پھر ایک بچی کو جنم دیا، حمیرا کی بیٹی بالکل خالد کی تصویر تھی، مگر خالد پھر بھی دو سال تک گھر نہ آیا اور پھر ایک دن حمیرا کو طلاق کے کاغذات مل گئے، اس طرح چار سال سے زائد عرصہ گزار کر حمیرا پھر ماں باپ کے پاس آ گئی اور کس طرح اس نے اپنی بچی کی ضروریات کا خیال

آج دس سال بعد جب میں نے حمیرا کو دیکھا، جوانی چار بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ بڑی خوشگوار لگ رہی تھی، مسکرا کر سب سے ملنے والی اور بچوں کو سنبھال کر صاف ستھرے لباس پہنا رکھا تھا، میرے سامنے آج پھر حمیرا کا ماضی آ گیا، جب حمیرا کے باپ اور چچا نے مل کر حمیرا کا نکاح خالد سے طے کر دیا اور خالد نے اپنے باپ اور چچا سے کہا تھا، میرا ارادہ حمیرا سے نکاح کا نہیں ہے، مگر خالد کے باپ اور حمیرا کے باپ نے شادی کی تیاری شروع کر دی اور یہ کہا کہ خالد خود ہی بعد میں راضی ہو جائے گا، حمیرا نے باپ اور چچا کے کئے گئے فیصلے کے سامنے خاموشی اختیار کی تھی اور جب نکاح ہو گیا، حمیرا اپنے گھر سے چچا کے گھر میں آئی تو ماحول بڑا نا ساز تھا، ملتان سے لاہور آ کر جب حمیرا کو کمرہ میں بٹھا کر سب اپنے کمروں میں چلے گئے تو کافی دیر تک حمیرا خالد کا انتظار کرتی رہی، مگر کمرے میں خالد نے نہ آنا تھا سو وہ نہ آیا، سفر کی تھکاوٹ اور سردی کی تیزی کے باوجود حمیرا خاموشی سے خالد کے انتظار میں وقت گزارنے لگی، نہ جانے کس طرح یہ رات گزر گئی، حمیرا کی آنکھ جب کھلی تو صبح کی نماز کا وقت ابھی باقی تھا، وہ باہر جب قدم رکھ رہی تھی، خالد کی آواز اس کے کان میں گونجنے لگی، میں اس لڑکی سے کبھی شادی نہ کرتا، کیوں آپ نے زبردستی کی میرے اوپر، اب خود سنبھالو، میں جا رہا ہوں، خالد اپنی ماں سے یہ کہہ کر باہر چلا گیا، حمیرا نے قدم اٹھایا، تاکہ وضو کر کے نماز ادا کرے، مگر خالد کی آواز

”بالکل، بالکل، یہی خلاصہ نکلتا ہے میری بات کا“ پھر آپ تیار ہیں سمارٹ ہونے کے لئے؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے ان کے مونے اور بھاری بھر کم وجود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سمارٹ! سمارٹ ہونے کے لئے تو میں تیار ہوں، مگر یہ کم کھانا کھانا، یہ بہت مشکل ہے میرے لئے!!“ یہ کہہ کر وہ کولڈ ڈرنک سے بھرا ہوا گلاس اپنے حلق میں انڈیلنے لگیں جبکہ میں حیرت و پریشانی سے انہیں دیکھتی ہی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

مومن کی موت پر فرشتے کی نرمی

حضرت مسلمہ بن عقیقہ اسدی کہتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ ایک آدمی کی عیادت کے لئے گئے۔ وہ نزع کی حالت میں تھا تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا: اے فرشتو! ان کے ساتھ نرمی کرو۔ اس بیمار آدمی نے کہا، وہ فرشتہ کہہ رہا ہے، میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔

☆.....☆.....☆

دشمن پر غالب ہونے کا نبوی نسخہ

حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ دشمن سے مقابلہ ہوا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: **يَا مَالِكُ يَوْمَ الدِّينِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** ترجمہ: ”اے مالک! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“ میں نے دیکھا کہ دشمن کے آدمی گرتے چلے جا رہے ہیں اور فرشتے انہیں آگے سے پیچھے سے مار رہے ہیں۔

☆.....☆.....☆

صبح سیر کے لئے جانا شروع کر دیا۔ ساتھ میں گھر کی صفائی بھی اپنے ذمہ لے لی۔“ میں نے کہا۔

”تو کیا آپ اس سے سمارٹ ہو گئی تھی؟“ وہ ایک دوسری ٹانگ پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولیں۔

”جی ہاں! اس سے میرے مونہ پر پر کافی اثر پڑا تھا، لیکن ڈانٹنے کرنے کی وجہ سے میں بے حد بیمار ہو گئی، میں کئی کئی روز کھانا نہ کھاتی، جس سے میرے اندر کمزوری پیدا ہو گئی اور صبح صبح سیر کے لئے جانا اور گھر کی صفائی کرنا بے حد مشکل ہو گیا، پھر اچانک ایک کتاب میرے ہاتھ لگی، کتاب کیا تھی ایک خزانہ تھی۔ جس میں پیارے نبی کی پیاری پیاری سنتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا تھا، جب کھانے سے متعلق میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں پڑھیں تو میرے اندر یہ شوق اٹھا کہ میں ان پر عمل کر کے دیکھوں، بس پھر کیا تھا، میں جب بھی کھانا کھانے بیٹھتی تو تمام سنتوں کو مد نظر رکھتی، یعنی کھانا کس طرح بیٹھ کر کھانا چاہئے، کھانا کیسا ہونا چاہئے، کتنا کھانا چاہئے!! میں کھانے سے اس وقت ہاتھ روک لیتی، جب مزید کھانے کی گنجائش ہوتی، جب سے میں نے کھانے سے متعلق سنتوں کو اپنانا شروع کیا تھا، میرے جسم میں حیرت ناک تبدیلی واقع ہونے لگی تھی اور اب..... میں آپ کے سامنے ہوں۔“ میں نے فخر سے اپنی کہانی سنا کر ان کی طرف دیکھا جو چار لیگ پیس کھانے کے بعد کھیر کے ڈونگے سے انصاف کر رہی تھی۔

”آپ کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کھانا ہمیشہ بھوک رکھ کر کھانا چاہئے اور اس وقت کھانے سے ہاتھ روک لینا چاہئے، جب تھوڑی بھوک ابھی باقی ہو اور یہ کہ پیٹ بھر کے کھانا بیماریوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے، یہی بات ہے نا!“ انہوں نے کھیر کا بڑا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تو ان کی ذہانت پر داد دینے بغیر نہ رہ سکی۔

رکھا تھا، جس طرح کی باتیں سن کر وہ رب سے التجا کر سکتی تھی، آخر حیرا کا دس سال بعد دوسرا نکاح کیا گیا، ایک شادی شدہ مرد سے جو آٹھ بچوں کا باپ تھا، حیرا کے اب چار بچے اس سے تھے، وہ ابھی بھی خوش تھی۔

(امان اللہ فاروقی)

☆.....☆.....☆

”دیکھو سرور!“ میں کہہ رہی ہوں کہ اگر تم نے میرے بغیر باہر جانے کی کوشش کی اور مجھے ساتھ لے کر نہ گئے تو میں پاسپورٹ اور کاغذات جلا دوں گی، میں تمہیں باہر ہرگز نہیں جانے دوں گی اور اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔

”لیکن سیرا، میں باہر جا کر ہی تمہیں بلانے کا کوئی انتظام کر سکوں گا تب تک تم یہاں ماں کے ساتھ.....؟“

”شٹ اپ سرور!“ سیرا نے جھنجھلا کر سرور کی بات کاٹی۔ ”میں تمہاری بیوی ہوں، نوکرانی نہیں کہ یہاں اکیلے رہ کر گھر میں جھاڑو برتن کرتی رہوں گی اور تم باہر ذمہ داریوں سے آزاد رہ کر مزے اڑاؤ گے، یاد رکھنا سرور، تمہیں مجھے لے کر ہی جانا ہوگا۔“

”سیرا، خدا کے لئے مجھے ایک بار جانے تو دو!“

سیرا اور سرور کی روز روز کی کھٹ پٹ، بالآخر میاں بیوی کے درمیان باتھاپائی اور مار کٹائی تک جا پہنچی، نتیجتاً نوبت طلاق تک جا پہنچی، سیرا اپنے باپ کی دہلیز پر گردن اکڑائے واپس نہ جانے کی قسم کھائے دھرتا دے کر بیٹھ گئی اور سرور نے خیریت باہر جانے میں ہی سدھاری۔

☆.....☆.....☆

”دیکھو زینہ، تم نے ہمارے اور ہماری بیٹی کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا ہے، تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تمہارا بیٹا بیمار رہتا ہے، اب اس میں ہماری بیٹی کا کیا قصور ہے؟ ہم نے بنا چھان بین کئے تمہیں بیٹی دے دی، ہماری بیٹی کے لئے رشتوں کی کمی نہیں تھی، تم رکھو اپنے بیمار بیٹے کو اپنے پاس، میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جانے آئی ہوں، وہ مجھ پر

بوجھ نہیں، ویسے بھی اب میں اپنی بیٹی کو مزید دھوکے باز لوگوں میں رہنے دینا نہیں چاہتی۔“ بیٹی کی ماں طلاق کی زہریلی گولیاں میٹھی میٹھی کی طرح اپنی بیٹی کے حلق سے اترا کر بیٹی کو بلبل کی دہلیز پر واپس لے آئی۔

”ای جان، مجھے یہاں نہیں رہنا، آپ فوراً آئیں، انہوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے، بس میں ایک بل بھی یہاں نہیں رہوں گی، امی خدا کے واسطے، مجھے یہاں سے لے جائیں۔“

”ہاں، میری بیٹی، میری جان! میں ابھی آئی، تمہارے شوہر کی تو آج ایسی خبر لوں گی کہ دنیا دیکھے گی، اس کی ہمت کیسے ہوئی میری پھول سی بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی۔“

راشدہ بیگم نے یہ کہہ کر فون پٹھا اور نیکی پکڑ کر آٹا فانا اپنی چند ماہ کی بیٹھی بیٹی کے گھر چل دیں اور پھر وہاں جا کر کیا سین ہوا ہوگا؟ بیٹی نے اسی نیکی میں بیٹھ کر واپس ماں کے گھر آنے میں کتنی دیر لگائی ہوگی، پھر اگلے کئی ماہ شوہر نے روٹھی ہوئی بیوی کو منانے کے لئے کتنے پتھر لگائے ہوں گے؟ بیوی کو واپس لے جانے کے لئے کتنے مطالبات سنے ہوں گے اور پھر بالآخر روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے اور مطالبات سے تنگ آ کر کیا انتہائی قدم اٹھایا ہوگا؟ اس کا اندازہ ہم سب کو اچھی طرح ہوگا۔

”طلاق“ جتنی قبیح سمجھی جاتی ہے، اتنی ہی عام بھی ہوتی جاری ہے، حد تو یہ ہے کہ خود بیٹی والے ذرا ذرا سی بات پر طلاق کا لفظ یوں بولتے ہیں، گویا کوئی حلوائی ہے جو نوکیلا ہوتا جوڑے کو بلا سوچے سمجھے کھانے کی ترغیب دی جا رہی ہے، ایک اور تازہ ترین واقعہ پڑھ کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیجئے۔

دو سالہ شادی کے اختتام کا ایک قدم ایک سالہ بیٹی کی ماں پروین نے یوں اٹھایا کہ پہلے تو شوہر سے مسلسل گھر کا پورا خرچ ساس سے لے کر اپنے ہاتھ لینے کا مطالبہ کرتی رہی، چند مہینے محض اسی کشمکش میں گزر گئے کہ گھر کا پورا خرچ اور ماں کے اکلوتے بیٹے شوہر کی پوری تنخواہ ایک مشت ہاتھ میں لینے کا پرزور مطالبہ پروین نے میکے والوں کے زور پر

جاری رکھا، اس ضمن میں ساس بہو کے ہاتھ میں سب کچھ دینے سے انکار بھی کم نہ تھا اور یہ کہ پروین کے شوہر کو کبھی نظر آ رہا تھا کہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ لے کر گھر کی ذمہ داری اس طرح احسن طریقے سے نبھائیں سکتی، جیسے کہ اس کی ماں، جو ہر لمحے گھر کی اندرونی اور بیرونی تمام ذمہ داریوں میں خود کو عرصہ دراز سے سموئے ہوئے ہے، بہو کے آنے کے بعد بھی تمام ذمہ داریوں کو بہ نفس نفیس انجام دے رہی تھی، مثلاً مہینے کا سودا سلف لانا، دھوبی کو کپڑے دینا، استری کروانا، درزی سے کپڑے سلوانا، بیلوں وغیرہ کی ادائیگی، گھر کے دیگر اخراجات، مہمانوں کی خاطر داری، بچوں کے تعلیمی اخراجات کا حساب کتاب رکھنا، ساتھ ہی بیٹے کی قلیل تنخواہ میں ایسی سفید پوشی کا بھر رکھنا، ظاہر ہے پروین صرف دو سالہ شادی کے تجربے کے بعد اتنی وسیع ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے نااہل تھی، اس کا مقصد ظاہر ہے کہ شادی کے ابتدائی برسوں میں ہی ان سرورد والی ذمہ داریوں سے نہرد آ رہا ہو جانا تو تھا نہیں بلکہ صاف ظاہر ہے کہ ساس کو اپنی گھر کی دال روٹی اور بقیہ اخراجات کے لئے نکلے نکلے کا محتاج کرنا اور یہ سبق روزانہ پروین فون پر یا گھر آنے جانے والی اپنے میک کی خواتین سے حاصل کرتی رہتی، بالآخر نتیجہ وہی ہوا کہ ایک گھر بڑی آسانی سے ٹکڑے ہو گیا، جس بہو کو بیاہ کر لانے کے لئے ایک بیٹے کی ماں نے نفسا نفسی کے اس دور میں لاکھوں روپے اپنی عزت کی چادر کے پلو میں جمع کر کے لٹائے تھے، مہنگی ترین بری آرٹس وزیائش اور زیورات کا سامان، جس شادی کے لئے کیا تھا، وہ ایک کم عقل لڑکی کے بے جا مطالبات کی بھیجٹ چڑھ گئی، پروین کی ماں کے سمجھانے کے بعد پروین اپنی ایک سالہ بیٹی کو بھی ساس کے در پر ڈال گئی کہ یہ میری ذمہ داری نہیں، تمہارے بیٹے کی اولاد ہے، اسے بھی سنبھالو۔

ایسے ان گنت ہزاروں واقعات ردوبدل کے ساتھ روزانہ ہمارے ارد گرد رونما ہوتے ہیں، مگر ایک چیز ہے جس پر حیرت بھی ہوتی ہے اور فسوس بھی کہ اکثر گھروں میں ایسے

واقعات کی فضا اکثر لڑکی والوں اور خود لڑکی کی طرف سے قائم ہوتی ہے، اس وقت اس لڑکی کو سمجھانے والا اور اسے اس کے غلط رویوں پر تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، ماں، جلتی پر تیل کا کام کرنے والے قدم قدم پر خصوصاً لڑکی کے میکے میں ضرور مل جاتا ہے اور جب شادی اختتام کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس لڑکی اور اس کے ماں باپ سے ہمدردی کرنے والوں اور انہیں مظلوم گردانتے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے، ایسی صورت حال میں مظلوم کون ہے؟ اور اگر یہ ماں بھی لیا جائے کہ ایسی صورت میں بھی لامحالہ طلاق یافتہ لڑکی ہی اور اس کے والدین ہی مظلوم ہیں، تب بھی اس کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ ہم نے ایسی باتوں پر بھی بیویوں کو شوہروں سے طلاق کا مطالبہ کرتے دیکھا ہے، جن کوئی سر پیر نہیں ہوتا، مثلاً ہر تھوڑے دنوں بعد ہی میکے جا کر بیٹھنا اور شوہر کے بلانے پر تلخ کلامی سے پیش آنا، یا پھر گھر بیلو ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے الگ گھر کا مطالبہ شادی کے فوراً بعد داغ دینا اور پورا نہ ہونے پر ماں باپ کے گھر واپس جا کر بیٹھ جانا اور پھر بیٹھنے ہی رہنا، یا کسی ایسی بیماری کو وجہ طلاق بنا دینا، جو کہ قابل علاج ہے، اکثر بلا سوچے سمجھے مشتعل رویوں کا مظاہرہ زیادہ تر لڑکی والوں کی طرف سے کر کے نوبت طلاق تک پہنچادی جاتی ہے، حالیہ چند ہی برسوں میں دیکھتے ہی دیکھتے بنائے گھر ٹوٹ جانے اور طلاق واقع ہو جانے کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے، یہ تو صرف طلاق کا ایک پہلو ہے کہ وہ ہوگئی، مانگی گئی، یا دینی گئی، نتیجتاً آنے والی نسل لاوارث کمزور اور لامتناہی مسائل کا شکار ہوگئی، مگر اس کے علاوہ بھی، ہم جیسے مشرقی معاشرے کے افراد کے لئے طلاق کچھ اور بھی بھیا تک خطرناک اور زہریلے اثرات اپنے اندر چھپائے رکھتی ہے، جو فوراً نہیں، مگر کچھ وقت اور کچھ مہینے، کچھ سال بعد آہستہ آہستہ سامنے آ کر معاشرے کی اخلاقی اقدار کی بنیادوں میں اپنے زہریلے پنچے گاڑنے اور انہیں کمزور کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

(جویریہ عبدالغفار، بھاولپور)

آپ کے مسائل کا حل



قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆..... ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم و حیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆..... سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆..... تحریری صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆..... لفافے پر ”آپ کے مسائل کا حل“ لکھنا نہ بھولیں۔

سوال:..... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں! ہمارے خاندان میں الحمد للہ چھ سے سات حفاظ کرام ہیں، ہمارے والد صاحب نے ماہ رمضان کے موقع پر ان تمام حفاظ کو جمع کیا تا کہ تراویح کی سنت گھر پر ادا کی جاسکے، اس طرح خاندان بھر کی خواتین (چچی، پھوپھی، خالائیں وغیرہ) بھی تراویح میں شامل ہو جاتی ہیں اور چند مرد حضرات بھی، لیکن چونکہ سب خاندان کے افراد ہی ہوتے ہیں، اس لئے مرد و عورت کے درمیان جو پردہ حائل ہوتا ہے، وہ باریک چھلنی دار ہوتا ہے، جس سے ادھر ادھر سب نظر آتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح کے پردے سے نماز درست ہے؟ مرد تو چونکہ پیچھے نہیں دیکھتے، لیکن خواتین دوران نماز نظر اٹھائیں تو مرد حضرات پر نظر پڑتی ہے، کیا اس طرح خواتین کی نماز پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ نیز اس طرح کے پردے کا کیا حکم ہے؟ اسی نماز کے دوران کچھ خواتین بالکل مردوں کی طرح نماز پڑھتی ہیں اور دلیل یہ رکھتی

ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں“ اور دوسری دلیل کہ ”ہم نے سعودیہ میں دوران حج و عمرہ کئی خواتین کو مردوں کی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“ تو کیا ان کا یہ طریقہ اور ان کی دلیل درست ہے؟

(عائشہ فرید)

جواب:..... عورتوں کو نماز باجماعت میں شرکت کے لئے مسجد آنا منع ہے، وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں، اسی طرح عورتوں کو مسجد میں مردوں کے جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے۔ مذکورہ مسئلے میں یہ تمام خواتین و حضرات آپس میں ایک دوسرے کے محرم نہیں اس لئے پردہ فرض ہے اور پردہ مذکورہ کافی نہیں، کیوں کہ یہ حقیقتاً پردہ نہیں، بلکہ پردہ وہ ہوتا ہے جس میں مرد و عورتوں کو نہ دیکھ سکیں اور عورتیں مردوں کو نہ دیکھ سکیں، یہاں تو مردہ برائے نام ہے۔ لہذا یہ پردہ، پردہ نہیں کہلائے گا۔ عورتوں کی نماز ہو جائے گی، لیکن بے پردگی کی وجہ سے گنہگار ہوں گی، صرف محاذافۃ یعنی دائیں، بائیں اور پیچھے والے مردوں کی نماز فاسد ہوگی، اگر عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے تو چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں: ”عورت اپنے گھر میں رہے۔“ اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”عورت کا اپنے گھر کے کسی کو نہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، اپنے گھر کے کھن میں نماز پڑھنے سے اور اپنے گھر کے کھن میں نماز پڑھنا افضل ہے، مسجد میں نماز پڑھنے سے اور عورتوں کے لئے ان کے گھر ہی اچھے ہیں اس لئے وہ باہر فقہ سے مامون نہیں۔“

مرد اور عورت کی نماز میں فرق:..... عورت کا نماز کے مسائل میں ستر (پردہ) کا زیادہ اہتمام کرنا اور سمٹ کر نماز ادا کرنا صرف مسلک دیوبند یا حنفیوں کا مذہب نہیں بلکہ ائمہ اربعہ اور تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کس طرح نماز

پڑھا کرتی تھیں تو فرمایا کہ پہلے چوڑی مار کر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر نماز پڑھا کریں۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب عورت نماز میں ایک ران دوسری پر ملا کر بیٹھتی ہے اور سجدہ کرتے وقت اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا لیتی ہے (یعنی اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ) اپنے پردے کا بھی خوب اہتمام کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ کر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ”اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔“

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نماز کا طریقہ سکھایا، تو فرمایا کہ اے حجر! جب تم نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت کو بتادینا کہ وہ ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے لئے سنت یہی ہے کہ وہ ہاتھ سینے پر باندھیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدمہ و مطہرہ ازواج یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکباز بیٹیوں یا عشرہ مبشرہ میں سے کسی صحابی کی بیوی، بیٹی، رشتہ دار عورت سے ہرگز ثابت نہیں کہ وہ احادیث مذکورہ کے خلاف مردوں کی طرح نماز پڑھتی ہوں بلکہ پورے 23 سالہ دور نبوت میں کسی ایک بھی صحیح سند سے کسی ایک بھی صحابیہ سے مردوں کی طرح نماز پڑھنا ثابت ہوں۔

اس کے بعد دور خلافت راشدہ میں اور پورے دور صحابہؓ میں کسی خلیفہ راشد نے اس طرح کا فتویٰ نہیں دیا کہ عورتیں مردوں کی طرح نماز پڑھیں۔ خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ منورہ میں کوفہ میں اور حضرت عبداللہ بن عباس مکہ مکرمہ میں عورتوں کو یہی نماز سکھاتے رہے کہ وہ خوب سمٹ کر اکٹھی ہو کر نماز پڑھیں۔

پورے دور صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین کا زمانہ آتا ہے، اس زمانہ میں بھی مکہ مکرمہ میں حضرت مجاہد، بصرہ میں اور کوفہ میں ابراہیم نخعی بر ملا یہ فتویٰ دیتے رہے کہ عورت کا نماز میں بیٹھنا اور سجدہ کرنا مرد کی طرح نہیں ہے، دور تابعین و تبع تابعین میں ایک آواز بھی اس کے خلاف نہیں اٹھی اور حدیث پاک کی کسی بھی کتاب میں کسی بھی تابعی یا تبع تابعی کا فتویٰ بھی ایسا نہیں گزرا جس نے عورت کو مجبور کیا ہو کہ مردوں کی طرح نماز پڑھے، یہی وہ زمانہ ہے جس میں چاروں ائمہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریقوں کو فقہ اسلامی کی شکل میں مدون و مرتب کیا۔

چاروں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت نماز میں سمٹ کر سجدہ کرے، چنانچہ غیر مقلدین کے امام مولانا عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی اپنے فتاویٰ میں حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آ رہا ہے۔“

اس کے بعد وہ مذاہب اربعہ کی معتبر کتب سے یہی بات نقل کرتے ہیں کہ عورت سمٹ کر بیٹھے اور سجدہ کرے اور آخر میں وہ لکھتے ہیں:

”غرض عورتوں کا انضمام (اکٹھی ہو کر) و انخفاض (سمٹ کر اور چمٹ کر) نماز میں احادیث و تعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے، اس کا منکر (انکار کرنے والا) کتب احادیث اور تعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ عورتوں کی نماز کا یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر آج تک امت میں متفق علیہ اور عملاً متواتر ہے، اس عملی تواتر کے خلاف منکرین نہ کوئی آیت قرآنی پیش کرتے ہیں، نہ حدیث نبوی اور نہ ہی کسی خلیفہ کا فتویٰ، صرف یہ کہتے ہیں کہ ”ام درواء“ نماز میں مردوں کی طرح

بیٹھتی تھیں، تو علماء نے اس روایت ام درواء کے چند جوابات دیے ہیں:

اول:..... اس روایت کی سند میں کلام ہے۔
دوم:..... علماء اسماء رجال میں یہ اختلاف ہے کہ یہ ام درواء صحابیہ تھیں یا تابعیہ۔

سوم:..... پھر ان کے پاس بھی اس کے ثبوت میں نہ کوئی آیت قرآنی تھی، نہ کوئی حدیث نبوی، نہ کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ، صرف یہ کہ ”انہما فقیہہ“ یہ ان کی قیاسی رائے تھی، جس پر عمل کرنے کی انہوں نے کبھی کسی دوسری عورت کو دعوت نہیں دی۔

چہارم:..... اگر یہ سند صحیح بھی ہوتی تو عملی تواتر کے خلاف اس رائے کی پوزیشن ایسی ہے، جیسے قرآن کے خلاف کوئی شاذ قرأت، کوئی بھی مسلمان کسی شاذ قرأت کو لے کر متواتر قرآن پاک کی تلاوت نہیں چھوڑتا، نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو ایسی دعوت دیتا ہے۔

اس لئے مذکورہ خواتین کو چاہئے کہ وہ مردوں کی طرح نماز نہ پڑھیں بلکہ عورتوں کی طرح نماز پڑھیں، جس میں خوب ستر کا اہتمام ہوتا ہے، یہ غیر مقلدین کا طرز عمل ہے کہ ”مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔“

ان کی یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ بلاشبہ ہمیں قرآن و سنت پر عمل کرنے کا پابند بنایا گیا ہے لیکن جب قرآن و سنت کے سمجھنے میں اختلاف ہو تو فقہاء کے فہم پر اعتماد کرنے کا حکم ہے، آیت کریمہ ”لیتفقھوا فی الدین“ اور حدیث مبارکہ ”ورب حامل فقہ“ میں اسی طرح اشارہ ہے۔

اور اس مسئلے میں حدیث کی روشنی میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ”عورت سمٹ کر بیٹھے اور سمٹ کر سجدہ کرے۔“ امام سفیان بن عیینہ محدث حرم فرمایا کرتے تھے: ”التسلیم للفقہاء سلامة فی الدین“ یعنی

دین کی سلامتی کے لئے فقہاء کی راہنمائی ضروری ہے۔

☆.....☆.....☆
سوال:..... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں! اگر ایک شخص نے دانتوں پر سونے یا چاندی کا خول چڑھا دیا ہو تو کیا اس طرح غسل ادا ہو جائے گا؟ حالانکہ غسل میں کلی کرنا فرض ہے تو کیا یہ خول دانتوں تک پانی پہنچنے سے مانع ہوگا؟

☆.....☆.....☆
جواب:..... واضح رہے کہ دانتوں پر چاندی یا سونے کے خول بلا ضرورت چڑھانا مکروہ ہے، لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے چڑھائے جائیں تو مکروہ نہیں اور دونوں صورتوں میں یہ خول غسل سے مانع نہیں ہوگا، بلکہ غسل ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆
سوال:..... کیا اگر چھ ماہ کی بچی کپڑے پر پیشاب کر دے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اور اگر چھ یا سات ماہ کا شیر خوار لڑکا پاک کپڑے پر پیشاب کر دے تو کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کر دے تو اس کپڑے پر پاک پانی کا چھینٹا دینے سے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

☆.....☆.....☆
جواب:..... صورت مسولہ میں حنفیہ کے نزدیک شیر خوار بچے اور بچی، دونوں کا پیشاب ناپاک ہے، البتہ لڑکے کے پیشاب کو زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری نہیں بلکہ پانی بہا دینا اور نچوڑ دینا کافی ہے۔

☆.....☆.....☆
سوال:..... نابالغ بچوں کے نیک اعمال (نماز، روزہ، تلاوت قرآن پاک وغیرہ) کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کا ثواب ان کو ملے گا؟

☆.....☆.....☆
جواب:..... واضح رہے کہ نابالغ بچوں کے نماز، روزے کا ثواب ان کے والدین کو ملتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک اگر چہ عبادت کو مبارک سمجھ کر ادا کرنے لگیں تو خود ان کو بھی ثواب ملے گا۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆
سوال:..... اگر کوئی شخص ایک گاڑی دس ہزار روپے میں بک کراتا ہے اور وہ گاڑی اس کو چھ مہینے پہلے بک کرانی ہے، جب اس کی گاڑی چھ مہینے میں نکلے تو اس کو اس وقت اس میں کچھ نفع ہو، اب وہ گاڑی نکالے بغیر صرف ”رسید“ فروخت کر سکتا ہے یا پورے مہینے بھر گاڑی کو فروخت کرے؟ اس طرح دکان، گھر اور پلاٹ کا کیا حکم ہے؟

☆.....☆.....☆
جواب:..... واضح رہے کہ جو چیز خریدی جائے، جب تک اس کو وصول کر کے اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے، اس کا آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ دکان، مکان اور پلاٹ کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک ان پر قبضہ نہ ہو جائے، ان کی فروخت جائز نہیں۔

☆.....☆.....☆
سوال:..... زید کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، جب تک مالک مکان کرایہ وصول کرتا رہا، زید کرایہ ادا کرتا رہا، مگر اب کچھ عرصہ سے وہ غائب ہے، مارکیٹ میں اس کی دکان ہے، وہاں جا کر معلوم کیا تو وہ بھی بند پڑی ہے، نہ معلوم مالک مکان زندہ ہے یا فوت ہو گیا؟ اب سوال یہ ہے کہ اس کا کرایہ کس کو ادا کیا جائے جبکہ اس کے کسی قریبی رشتہ داروں کا بھی ہمیں علم نہیں؟

☆.....☆.....☆
جواب:..... صورت مسولہ میں مالک مکان کو تلاش کرنا ضروری ہے، ہر ممکن حد تک تلاش و جستجو کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہ لگے تو مزید انتظار کیا جائے۔ اگر اس کی آمد سے بالکل مایوسی ہو جائے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو یہ رقم اس کی طرف سے مساکین پر صدقہ کی جائے، اگر کسی وقت وہ آگیا اور یہ صدقہ نے اس نے منظور کر لیا تو ٹھیک، ورنہ وہ پوری رقم اسے دوبارہ ادا کی جائے، اس صورت میں صدقہ کا ثواب کرایہ دار کو ملے گا۔

☆.....☆.....☆

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر

☆..... قاریات سے گزارش ہے کہ ”خوابوں کی تعبیر کے لئے خط بھیجے وقت چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

☆..... تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆..... ایک صفحہ پر ایک خواب تحریر کریں۔ ☆..... تحریر صاف اور واضح ہو۔

☆..... لفافہ پر ”خوابوں کی تعبیر“ ضرور لکھیں۔ اپنے خواب ماہنامہ حیا کے ای میل ایڈریس

Hya.diegest@gmail.com پر بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارے میں مناسب نہ ہوگی ان کو تحریری

جواب بھیج دیا جائے گا۔ جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں

خواب:..... میں نے خواب دیکھا کہ مغرب کی

طرف دو چاند طلوع ہیں اور یہ چاند ایسے ہیں جیسے پورے

چاند ہوتے ہیں، براہ مہربانی تعبیر بتادیں؟

تعبیر:..... مبارک خواب ہے، اگر خواب دیکھنے

والا شادی شدہ ہے تو امید ہے کہ اللہ پاک اس کو جزواں

بیٹوں سے نوازیں گے۔ فقط واللہ اعلم

خواب:..... میں نے ایک استخارہ کیا اور خواب میں

اس کے متعلق دیکھا کہ جیسے اس کے پیشانی پر دانے

☆.....☆.....☆

خواب:..... مدت کے تقریباً ڈھائی تین بجے کا وقت

تھا، خواب دیکھتی ہوں کہ میں بیڈ پر لیٹی ہوئی ہوں اور اٹھ کر
شیشے کے پاس جا کر شیشہ دیکھتی ہوں تو میرا چہرہ پھیل کر لبا
ہوا ہوتا ہے، آنکھوں کے اوپر دوپٹہ ہوتا ہے، جب میں دوپٹہ
ہٹا کر دیکھتی ہوں تو میری آنکھیں عجیب خوفناک پھیلی ہوئی
ہوتی ہیں تو ڈر کے مارے دوپٹہ آنکھوں پر دوبارہ گرا لیتی ہوں
اور سوچتی ہوں کہ میرا چہرہ پھیل گیا تو اس کا مطلب ہے میں
مر گئی، یہ سوچ کر میں گھبرا جاتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ اگر میں
مر گئی ہوں تو مجھے موت کی سخت محسوس کیوں نہیں ہوتی؟ کیا
میں جنتی ہوں؟ آخرت کے لئے میں نے کیا تیاری کی؟ پھر
مجھے اپنی نمازیں یاد آتی ہیں جو میں پابندی سے پڑھتی ہوں،
مگر خشوع و خضوع سے نہیں اور بھی خیالات آتے ہیں جو
مجھے صحیح سے یاد نہیں، پھر میں دوسرے کمرے میں امی کو
بتانے جاتی ہوں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرا جسم بہت نرم
ہو چکا ہوتا ہے، امی کو دیکھتے ہی میں ٹوٹ پھوٹ کر گر جاتی
ہوں اور خوف کے مارے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

خواب:..... آپ جوابی لفافہ کے ہمراہ اپنا مکمل پتہ
دوبارہ ارسال فرمائیں۔

☆.....☆.....☆

خواب:..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! سب
سے پہلے میں آپ کی بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے
خوابوں کی تعبیر والا سلسلہ شروع کیا ہے، بہت اچھا سلسلہ
ہے، یہ خواب میری دوست کی بہن نے دیکھا ہے،
(خواب شائع نہیں کیا جا رہا ہے) پلیز یہ خواب حیا میں
مت شائع کرنا، بلکہ یہ خواب کی تعبیر ہمیں گھر میں
چاہئے۔ برائے مہربانی اس خواب کی تعبیر جتنی جلدی
ہو سکے بھیج دیں، زندگی بھر آپ کے لئے دعا گو ہوں گی۔
تعبیر:..... آپ لوگوں کی پسند ہماری حوصلہ افزائی
ہے، سلسلے کو پسند کرنے کا تہ دل سے شکریہ، قارئین کی قیمتی
آراء ہماری راہنمائی کا ذریعہ بنتی ہیں، اپنے خواب کو دوست
کے الفاظ میں مکمل لکھ کر بھیج دیں، اگر فقط اتنا ہی خواب ہے
تو ہمیں آگاہ کرویں، تعبیر دے دی جائے گی، آنکھ کھلنے کا

وقت ضرور تحریر کریں۔

☆.....☆.....☆

خواب:..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں نے تین
دن تین الگ الگ خواب سلسل دیکھے ہیں، ان کی تعبیر جاننا
چاہتی ہوں، میں اپنے مدرسے کے اندر دروازے کے پاس
کھڑی ہوں، ساتھ ہی باتھ روم ہے، دوسری جانب میں اس
کے سامنے جاتی ہوں تو مجھے ایک سانپ نظر آتا ہے، میں آکر
لڑکیوں سے کہتی ہوں کہ وہاں سانپ ہے اتنے میں ایک لڑکی
جا کر اسے ڈنڈے سے کھینچ کر باہر لے آتی ہے اور میں اپنی
کزن کو جو فارغ التحصیل ہے اس سے کہتی ہوں کہ میں اینٹ
لے کر آتی ہوں، تم اسے مارنا، پھر میں دوا بیٹھیں اٹھا کر لاتی ہوں
کہ اگر ایک سے نہ مرا تو دوسری سے ماریں گی، وہ سانپ کو
اینٹ مارتی ہے، لیکن وہ مرنے نہیں ہے اتنے میں دوسری اینٹ
میں مارتی ہوں، اس سے بھی سانپ نہیں مرنے لگتا، تو ہم گھبرا جاتی
ہیں، پھر میں جا کر مدرسے کے ہال سے ایک بڑی لکڑی اٹھا کر
لاتی ہوں تو جب واپس آتی ہوں تو میری بہن نے اس وقت
تک اسے چھوئی نالی میں پھینک دیا تو میں نے اس سے کہا،
اس طرح یہ نہیں مرے گا، اسے باہر نکالو، وہ اسے چھڑی کی مدد
سے باہر نکالتی ہے تو میں اسے اس لکڑی سے مارنے لگتی ہوں تو
اس سے کچھ چھینٹے اڑ کر ایک لڑکی پر پڑتے ہیں اور سانپ مر
جاتا ہے، یہ خواب تہجد کے وقت کا ہے۔

تعبیر:..... بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے
مدرسے کی انتظامیہ میں کوئی ایک ایسا ہے جو مدرسے کا وفادار
نہیں ہے، یا آپ کو کسی کے غیر مخلص ہونے پر یقین سا ہے،
بہر حال اصل بات یہ ہے کہ آپ صرف اپنی تعلیم یا جو بھی
مدرسہ ہذا میں آپ کی ذمہ داری ہے، فقط اس پر توجہ دیں،
جس طرح نظام چل رہا ہے، چلنے دیں، اگر کوئی بالکل کھل
کر واضح آپ کے سامنے ہو تو تدارک کی کوشش کریں۔
اصلاح کے چکر میں پڑھ کر نادانستہ کسی کی بدنامی کا سبب نہ
بن جائے۔

☆.....☆.....☆



محمود عباسی

ڈاکٹر:..... ”تم اب میرے پاس آئے ہو، اس سے پہلے یہ نہیں کتنے ڈاکٹروں کو دکھایا ہوگا۔“
مریض:..... ”جی نہیں، میں تو ایک کیمسٹ کے پاس گیا تھا۔“
ڈاکٹر:..... ”کھلی جہالت ہے، کیمسٹ ڈاکٹر تو نہیں ہوتا کہ علاج کر سکے، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ خیر بتاؤ اس نے تمہیں کیا حتمی مشورہ دیا؟“
مریض:..... ”جی اس احمق نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔“

☆.....☆.....☆
تین غیر حاضر دماغ پروفیسر ریلوے اسٹیشن پر کھڑے باتیں کر رہے تھے، وہ باتیں کرنے میں اتنے محو تھے کہ گاڑی آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ چند منٹ بعد سیٹی بجی تو وہ چونکے اور گھبرا کر ایک ڈبے کی طرف دوڑے۔ دو تو کسی نہ کسی طرح چڑھ گئے، لیکن تیسرے صاحب نہ چڑھ سکے۔
ایک قلی نے کہا:..... ”کوئی بات نہیں صاحب جی! دوسری گاڑی سے چلے جانا۔“
پروفیسر بولے:..... ”وہ تو میں چلا ہی جاؤں گا، مگر

پہلا دوست (آنکھیں ملتے ہوئے): ”مستقل دو دنوں سے کام کرتے کرتے میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔ ہر چیز دو دو نظر آ رہی ہے۔“
دوسرا دوست (جلدی سے جیب سے ہزار کا نوٹ نکالتے ہوئے): ”یہ لو دو ہزار روپے، جو میں نے تم سے پچھلے ہفتے ادھار لئے تھے۔“

(انتخاب:..... شارفہ طاہر، کراچی)
☆.....☆.....☆
ایک دیہاتی شخص گائے لے کر جا رہا تھا۔ اچانک گائے کی دم اور سے میں بل پڑ گئے۔ اس بے وقوف نے گائے کی دم کاٹ دی۔ کسی نے پوچھا کہ رسد کیوں نہیں کاٹا؟ اس نے جواب دیا۔ رستہ تو نیا تھا، اس لئے دم کاٹ دی۔

(محمد طیب بن غلام نبی، سرانے نورنگ)
☆.....☆.....☆
بیوی: شوہر سے حیرت سے پوچھتی ہے کہ تمہارے گہرے دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہے اور تم جنازے پر نہیں گئے۔
شوہر: کس منہ سے جاؤں بیگم وہ مجھے اپنی تیسری بیگم کے جنازے پر بلارہا ہے اور میں اسے ایک بار بھی نہیں بلا سکا۔

☆.....☆.....☆
ایک بہت موٹا آدمی موٹاپے کے علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر نے پوچھا: ”آپ ناشتے میں کیا کھاتے ہیں؟“
موٹا آدمی بولا: ”ایک درجن انڈے، آدھا کلو مکھن، 15 پرائٹھے اور ایک جگ لسی۔“
ڈاکٹر نے کہا: ”کل سے دو پرائٹھے، دو انڈے اور بس ایک گلاس لسی کا بیا کریں۔“
موٹا آدمی بولا: ”ڈاکٹر صاحب، یہ دوائی ناشتے سے پہلے لینی ہے یا بعد میں۔“

(انتخاب:..... میمونہ بنت عبدالحق، میرپور خاص)
☆.....☆.....☆

میاں بیوی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے، بیوی نے آسمان پر ستارے دیکھتے ہوئے شوہر سے پوچھا: ”وہ کون سی چیز ہے، جسے تم روز دیکھتے ہو، لیکن تو نہیں دیکھ سکتے۔“
شوہر نے فوراً جواب دیا: ”تمہارا منہ۔“

☆.....☆.....☆
ایک آدمی دریا میں نہاتے ہوئے ڈوبنے لگا تو اس نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے بچالے، میں دو دیکھیں پکوا کر غریبوں میں تقسیم کروں گا، اتنے میں اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا، اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور ایسے امید ہو گئی کہ اب وہ ڈوبنے سے بچ گیا ہے، تو آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ کون سی دیکھیں، کون سی دیکھیں۔ اس کا ہاتھ چھوٹا اور وہ پھر ڈوبنے لگا۔ تو جلدی جلدی کہنے لگا: اللہ میں تو پوچھ رہا تھا کہ دیکھیں نمکین یا میٹھی۔

(انتخاب:..... رافعہ عبدالغنی، کمالیہ)
☆.....☆.....☆
استاد بچوں سے:..... ”اچھا یہ بتاؤ دن میں تارے کیوں نہیں نکلتے؟“ ایک بچے نے معصومیت سے جواب دیا: ”سراوہ سورج کداتے میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہتے۔“

☆.....☆.....☆
ایک دیہاتی کو لومڑی نے کاٹ لیا تو یہ دم کرنے والے کے پاس آیا۔ دم والے نے پوچھا: ”کس جانور نے کاٹا ہے۔“

دیہاتی کو یہ بتاتے ہوئے شرم آئی کہ اگر میں نے لومڑی کا نام بتا دیا تو.....؟ فوراً کہہ دیا کہ کتے نے کاٹا ہے۔ دم والے نے دم پڑھنا شروع کیا تو اس نے کہا کہ اس میں تھوڑا سا لومڑی والا دم بھی ملا لینا۔

☆.....☆.....☆
ایک امریکی: (عراقی بچے سے) ”کیا تم القاعدہ میں ہو۔“ بچہ: نہیں! میں نے قاعدہ ختم کر لیا ہے، اب ناظرہ پڑھتا ہوں۔“

(انتخاب:..... آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)
☆.....☆.....☆

روشنی چراغ



خولہ بنت سلیمان

ماں کا لفظ آتے ہی بے لوث محبت، شفقت اور شہدک کا احساس ہوتا ہے۔ ماں محبت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔ ماں کی آغوش کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں ریشم کی طرح نرم مگر وقت پڑنے پر پہاڑوں کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ ماں صرف ماں ہوتی ہے۔ محبتیں بانٹتی اور لٹاتی ہوئی، اپنا تن من و دھن بچاؤ اور قربان کرتی ہوئی۔ چاندنی پھیلائی ہوئی اور ہر دکھ درد اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئی۔ پر نہ جانے کیوں جب یہی ماں ساس بنتی ہے تو لفظ کے معنی اور حیثیت بدل جاتے ہیں۔ ماں کا لفظ اپنے اندر جو شیرینی اور حلاوت لئے ہوئے ہے ساس میں تبدیل ہوتے ہی کڑواہٹ اور تلخی کا تاثر دینے لگتا ہے۔ ساس کا لفظ آتے ہی ایک ناخوشگوار، ایک تلخی اور ایک نفرت کا احساس ہوتا ہے۔ وہی گھر جو ماں کی محبتوں، شفقتوں اور قربانیوں سے گھر بنتا ہے، ماں کے ساس بننے ہی ناچاقیوں، رقابتوں اور الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ماں جب ڈانٹتی بھی ہے تو لہجے میں ڈانٹ مگر چہرے پر مسکراہٹ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ ساس بننے ہی چہرے کا زاویہ، بولنے کا لہجہ اور زبان کی مٹھاس بھی بدل جاتی ہے۔ ماں جب ماں تھی تو سراپا رحمت اور چھاؤں تھی۔ جب ساس بنی تو رحمت زحمت میں اور چھاؤں تپش میں بدل گئی۔

لیکن ایسی بے شمار ساسیں ہیں بھی اور گزری بھی ہیں جو حقیقت میں ماں کا نعم البدل ہیں اور تھیں۔ جن کا وجود سراپا خیر برکت اور رحمت ہے اور تھا۔ وہ تیز دھوپ میں گھنسا، اندھیری رات میں روشن چراغ اور مایوسیوں میں امید کی کرن ہیں اور تھیں۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے اور نیکیوں سے نیکیاں پھیلتی ہیں۔ خیر کے اس تذکرے میں آپ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائیے۔ یہ سلسلہ بہنوں کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور ایسی شفیق ساسوں کے متعلق ہمیں لکھ کر بھیجیں جن کے وجود سے ماں کی خوشبو اور مہک آتی ہے۔

امید ہے آپ کی نگارشات سے یہ سلسلہ سجا اور جاری رہے گا

میرے خدا نے مجھے لاکھوں میں چھانٹ کر دیئے
وہ چند لوگ جو کانٹوں میں ساتھ دیتے ہیں
شیکسپیر نے کہا تھا کہ ”دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہم سب
کردار ہیں۔“ دیکھا جائے تو اس دنیا میں ہر شخص اپنا کردار

بھی مسئلہ ہو، ان کا دیا ہوا مشورہ ان کی بتائی ہوئی ترکیب
ان کا بتایا ہوا حل بالکل صحیح ہوتا ہے، مجھے ہر وقت سمجھاؤ
رہتی ہیں، خولہ یوں کیا کرو، یوں مت کرو اور الحمد للہ۔
بات بالکل ٹھیک نکلتی ہے، میری مدد سن بن گئی ہیں، مگر وہ
پیار و محبت ہے، میری بیٹی کی خامیاں میرے علاوہ کس
سے بیان نہیں کرتیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ ماں ہے اچھے
طرح سمجھا دے گی اور اس کی خوبیوں کی بھی معترف ہر
بہو کی برائیوں کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتیں، جو کہنا ہے مجھ سے
کہتی ہیں، ان کی ایک ہی بیٹی ہے جو کہ میری بھالہ ہے
مگر بچا لاڈ پیار اس سے بھی نہیں کئے، اگر کوئی چیز اس کے
لئے لیتی ہیں تو بہو کے لئے بھی لیں گی، کھانا بے حد
مزیدار پکاتی ہیں، بریانی ہو، دال ہو، سبزی ہو یا مچھلی، اترو
طرح اچار، چٹنیاں بھی بے حد لذیذ بناتی ہیں، نئے نئے
اور کامیاب تجربے کر کے مثلاً میدہ نقصان کرتا ہے تو اس
کی جگہ آٹا شامل کر دیا، بیسن رمضان میں کھانا مشکل ہو
ہے تو اس کی جگہ سو جی کے پکڑے بنا دیئے، چاول کے
آٹے کی جگہ آٹا یا سو جی ڈال کر وہی چیز اور مزیدار بنا دی
بجائے تلنے کے چند چیزوں کو بیک کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

”کم خرچ بالا نشین“ والا مقولہ چچی پر پورا اترتا ہے جو
سوٹ ہم چار سے تین سوکا لاتے ہیں، وہ اس سے بڑھ کر
کپڑا سو روپے میں لے آتی ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی
اسی ”بدھ بازار“ گئے تھے، ہمیں تو نظر نہیں آیا، ہم اکثر چچو
سے چیز منگوا لیتے ہیں، الحمد للہ ان کی اگلوٹی بہو جو کہ میری
بیٹی ہے، وہ بھی بالکل چچی کے رنگ میں رنگ گئی ہے، اچھے
ہے نامیری طرح فضول خرچ اور پھوٹ نہیں ہے، اس کا نام
ہے فاطمہ بنت خلیل حمزہ، یہ شروع سے ہی ایسی ہے، اپنے
پیسوں کو جمع کر کے رکھتی تھی اور پھر کسی کی سالگرہ ہو، یا کوئی
پاس ہوا ہو، یا عید تہوار ہو تو کچھ نہ کچھ گفٹ ہدیہ کے طور پر
پردے دے گی، ہر عید کو سب پیسے ملا کر بن کباب اور پیٹیر
منگواتے تھے جو کہ ساڑھے چار روپے میں آ جاتی تھی (تین
روپے کی بوتل، ڈیڑھ روپے کا بن کباب جبکہ 8 آنے جمال

بھاتا ہے، اچھا یا برا اور وقت مقررہ پر سب کچھ چھوڑ کر چلا جاتا
ہے، میں نے ”روشن چراغ“ اور ”گھر کا اجالا“ میں اپنی زندگی
کے اہم لوگوں سے آپ کا تعارف کر لیا، یہ میری خوش نصیبی
تھیں کہ مجھے ہر شخص اچھا ملا، خیال کرنے والے، محبت
کرنے والے، آج میں اپنے قارئین کو ایک گھر میں لے
جاتی ہوں، جس کا ہر فرد میرے ہر دکھ سکھ کا شریک ہے۔
پیار بننے سے کبھی ختم نہ ہوگا امجد
دل کے دریا تو نہیں ہوتے اترنے والے
یہ ہیں اس گھر کی سربراہ میری ”چچی جان“ جو کہ بعد
میں میرے بھائی اور بیٹی کی ساس بنیں، مگر میرے لئے ان
کا وہی رشتہ (چچی کا) اہم رہا اور چچی بھی یہی کہتی ہیں کہ خولہ
میں تم کو اسی پہلے والے رشتے سے دیکھتی ہوں، ہمارے
دوھیال اور نھیال کا تعلق ہندوستان کے ایک اہم صوبے
کیرالہ اسٹیٹ سے ہے، جس کو عرف عام میں ”مالابار“ کہا
جاتا ہے، چچی میری سگی چچی نہیں ہیں، میرے والد ”سلیمان
صاحب“ کے دوست ”احمد کئی“ صاحب کی بیوی ہیں۔
جب وہ 1968ء میں پاکستان آئیں تو ایئر پورٹ سے
سیدھی ہمارے گھر اتریں، اب ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ
کیا کہہ کر انہیں بلائیں کہ ”ابا جی“ نے مسئلہ حل کر دیا، کہنے
لگے، تم لوگ ان دونوں کو چچا چچی کہا کرو، بس جی ہماری
ہوگی اپنی چچی سے خوب دوستی، حالانکہ ہم کو ملباری زبان
بولتی نہیں آتی تھیں، مگر اشاروں کی زبان سے شروع میں کام
لیا، پھر چچی نے اردو سیکھ لی، کیونکہ یہ آسان زبان ہے نا۔

چچی کو ہم دیکھتے تھے کہ وہ مچھلی بہت پکاتی ہیں اور
مچھلی میری پسندیدہ ڈش ہے، بس جناب میری تو ہو گئی
عید، جب چچا سودا لے کر آتے تھے تو میں بطور خاص
ٹوکری میں جھانک کر دیکھ لیتی تھی کہ مچھلی آئی ہے یا نہیں،
چچی بھی میرا خیال رکھتی تھیں اور آج بھی اگر مچھلی پکی ہو تو
وہ اپنی خولہ کو نہیں بھولتیں۔

گو کہ چچی تعلیم یافتہ نہیں ہیں مگر ماشاء اللہ تعلیم یافتہ
لوگوں سے زیادہ سمجھ دار، کفایت شعار اور برو باز ہیں، کوئی

کے لانے کا کمیشن) کبھی کبھی وہ نہیں بھی لیتا تھا، مگر کیا مجال جو فاطمہ صلیبہ وہ پانچ روپے آسانی سے نکال لیں، کوئی نہ کوئی کام اس کو یاد آجاتا تھا، نہیں بھئی مجھے تو قلاں کو تحفہ دینا ہے، ہم لوگ اس کو بخوش اور پیٹ نہیں کیا کیا کہتے تھے، مگر وہ صلیبہ اس سے مس نہیں ہوتی تھیں، کرکٹ دیکھنے کی بے حد شوقین تھی (جو کہ اب بھی ہے) میرا حکم تھا کہ پہلے گھر کے کام سمیٹو، پھر ٹی وی کے آگے بیٹھنا اور کیا مجال کہ کبھی کوئی چوں چرا کی ہو، میں فجر کے بعد سونے نہیں دیتی تھی کہ دوپہر کو قیلولہ کر لینا۔ (آج کل تو اس میں بڑا دلگاہ کر قیلولہ کر دیا ہے) اور میرے بچے میرے کہے ہوئے پر عمل کرتے تھے، میں نے ان کو زیادہ مارا نہیں ہے، ہاں پڑھائی کے معاملے میں اب بھی میں کوئی کمی نہیں کرتی مارنے میں اور الحمد للہ سب بچے میری آنکھ کا اشارہ سمجھتے تھے۔

بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی کے بعد گھر کی اکثر ذمہ داری فاطمہ کے کندھوں پر تھی، مگر کوئی چوں چرا کئے بغیر اپنا کام بھی کر لیتی تھی اور میری بھی گھر کے کاموں میں کافی مدد کر دیتی تھی، بازار جانے کا الحمد للہ میری بیٹیوں اور بہنوئوں کو بالکل شوق نہیں ہے، ابھی بھی فاطمہ کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی شاپنگ کوئی اور کر دے اور میری چھوٹی بہن شمینہ اور میری اکلوتی بھانج زہرہ جو کہ فاطمہ کی اکلوتی نند بھی ہے، دونوں مل کر اس کی اور اس کے بچوں کی آدمی سے زیادہ شاپنگ نہ مانتی ہیں۔

”زہرہ بنت احمد کئی“ کہنے کو اس کی اکلوتی نند ہے مگر ماشاء اللہ دونوں بالکل بہنوں کی طرح رہتی ہیں، پانچوں بچے احمد، اسماء، عائشہ، سلمان اور حسن اس کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور الحمد للہ پھر وہ مسئلہ حل بھی ہو جاتا ہے، پچھو سے کہہ کر اپنی فرمائش پوری کرواتے ہیں، پھر اگر داوی ہوں یا ابو، یا امی، پچھو اس طرح بچوں کی حمایت کرتی ہیں کہ ان کی بات بھی (بڑوں) رہ جاتی ہے اور بچوں کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، میرے اور میرے بچوں کے بہت سے حل طلب مسئلے زہرہ اور چچی کی اور فاطمہ اور

عبدالجید کی مشترکہ کوششوں سے حل ہوتے ہیں۔

جی ہاں، میرا داماد عبدالجید جو کہ مجھے ”بابی“ کہتا ہے، جب انڈیا سے چچی کے ساتھ آیا تھا تو ساڑھے تین سال کا ہوگا، بہت پیارا اور بھولا بھالا سا، اپنی بہن زہرہ سے پانچ سال بڑا ہے اور اس سے بے حد محبت کرتا ہے، میرا بھائی ”حامد سلیمان“ اکلوتا بھی ہے اور سب سے چھوٹا بھی، شاید اس لئے جتنا اس کو ہوشیار ہونا چاہئے اتنا ہے نہیں، اس کو انگلی پکڑ کے چلانا پڑتا ہے، حالانکہ دل کا بے حد اچھا ہے، ہم سب بہنوں، بھانجوں، بھانجیوں سے بہت محبت کرتا ہے مگر ہوشیاری اس میں بے حد کم ہے، کوئی اس کا کتنا بھی نقصان کر جائے، وہ کچھ نہ بولے گا، نہ گھر میں کسی کو اعتماد میں لے گا، پھر جو ہوتا ہے وہ بھگتنا پڑتا ہے، ایسے میں عبدالجید اپنی بہن کو اور والدہ کو سمیٹ لیتا ہے، میرے گھر کے ہر دکھ اور گھر کی ہر خوشی میں میرا ساتھ دیتا ہے، میرا بیٹا جمال اپنے بہنوئی کی بہت عزت کرتا ہے اور ہر بات جو جمال نہ مانے تو ہم عبدالجید کو آگے کر دیتے ہیں اور جمال کی بھی سمجھ میں وہ بات آ جاتی ہے۔

اب آتے ہیں بچوں کی طرف، یہ ہیں سب کے اکلوتے بھائی جان ”ابراہیم“ جو کہ میرا اکلوتا بھتیجا، چچی کا اکلوتا نواسا، عبدالجید کا اکلوتا بھانجا اور سلیمان صاحب کا اکلوتا پوتا ہے، سب کا لاڈلہ، اس کے باوجود خامیاں کم ہیں، خوبیاں زیادہ ہیں، دعا ہے کہ اس کی ”بیوی“ جس کی تلاش جاری ہے، انہی خویوں کی مالک ہو، جو اس خاندان کا شیوہ ہے۔ (آمین)

یہ ہیں ”احمد بن عبدالجید“ اور ”اسماء بنت عبدالجید“ بہت ہی پیارے محبت کرنے والے بچے ہیں، میں نے احمد کے بارے میں جب وہ بہت چھوٹا تھا، ایک خواب دیکھا تھا، جس کی تعبیر میرے چھوٹے بیٹے ”محمد فیصل“ کے حضرت نے یہ دی تھی کہ یہ ان شاء اللہ ”علم دینی“ میں بہت اونچا اڑے گا، فیصل کے حضرت فیصل کو وریش پچہ کہتے تھے، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید، ان شاء اللہ ایسا ہی ہوتا چاہئے۔

اسماء، جو کہ تین گھروں کی اکلوتی تھی، میری اکلوتی نواسی، زہرہ کی اکلوتی بھتیجی اور چچی کی اکلوتی پوتی، مگر آٹھ سال کے بعد ”عائشہ بنت عبدالجید“ کے دنیا میں آنے سے گو اس کی حیثیت اب بھی وہی ہے، مگر وہ اکلوتی نہیں رہی، مجھے امید ہے، اپنی ”نانو“ کی نواسی اسماء میری بہت ساری امیدوں پر پوری اترے گی اور ان شاء اللہ اچھے اور قدر دان لوگوں میں جائے گی، جس طرح وہ سب سے محبت کرتی ہے، بس سستی کے آگے مجبور ہے، چلنے وہ بھی صحیح ہو جائے گی، میٹرک کا امتحان دینے والی ہے، دعا کریں کہ ہمیشہ کی طرح اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے۔

اب رہ گئے ہیں ”عائشہ، سلمان“ اور ”حسن“ یہ تینوں بھی بہت پیارے اور پیار کرنے والے بچے ہیں، عائشہ اور سلمان الحمد للہ اقراء روضۃ اطفال سے حفظ کر رہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ حافظ، حافظ باعمل بنائیں۔ (آمین)

اور یہ ہیں حسن بن عبدالجید، اسماء جو کہ نام بگاڑنے میں ماسٹر ہے، داوی کو دادو، نانی کو نانو، سلمان کو سلو اور حسن کو اچھو کہہ کر پکارتی ہے، حسن اپنی ہر بات رو کر منوانے میں ماسٹر ہے، اس کی باتیں نہایت مزیدار ہوتی ہیں، جب بولتا نہیں تھا (بہت دیر میں بولنا شروع کیا) تو ایسے ایسے اشارے چیزوں کے رکھے ہوئے تھے کہ بات سمجھ میں بھی آ جاتی تھی اور ہنس ہنس کے برا حال بھی ہو جاتا تھا، کہیں شادی میں جاتے ہیں تو اپنے ابو کو پورا پورا بک کر لیتے ہیں، ابو نے بھی چاروں بچوں کے اتنے خزانے نہیں برداشت کئے جتنے حسن کے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ چچی کی سرپرستی میں ہم سب اسی طرح محبت اور عزت کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ سب بچے اپنی اپنی منزلوں کو اپنی داوی اور نانی کی دعاؤں سے پالیں، ظاہر ہے کہ گھر کا بڑا جب بڑا بنتا ہے تو اس کی قربانی سے ہی اتنا پیارا آشیانہ بنتا ہے۔

اے خدا تو مجھے اتنا معتبر کر دے میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکوں سن کر

کہ وہ بھی خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح ☆.....☆.....☆

مجھے روشن چراغ لکھنے کا شوق اس طرح ہوا کہ میں نے جب اپنے شوہر نامدار میں بے شمار خوبیاں دیکھی تو سوچا، آپ سے بھی شیر کروں، تاکہ شاید ان کی خوبی کسی کی زندگی میں آجائے اور وہ اپنا لے اور اس سے نیکی پھیل جائے، ہر انسان کے کچھ اپنے اور ساتھ کچھ مخالف بھی ہوتے ہیں لیکن وہ جب بھی کہنے لگتے، اپنے منہ سے بھلائی کی بات ہی کہتے ہیں، اگرچہ دوسروں سے اپنا شکوہ کوئی بھی سننا پسند نہیں کرتا لیکن یہ تو بڑے اچھے انداز میں کہتے ہیں، منفی سوچ نہ کرو بلکہ مثبت سوچو، کیونکہ بدگمانی بری ہے، خود اکیلے ہر طرف مخالفت ہو اور وہ بھی ایسی مخالفت کہ سب منہ سے اقرار کریں کہ ہم نے کبھی ان میں اپنے بارے میں غلط بیانی نہ سنی، نہ کبھی جھگڑا کرتے سنا، حتیٰ کہ اپنا حق بھی وہ کبھی زبردستی نہیں مانگتے، مل گیا تو شکریہ، نہ ملا تو صبر، وہ ادب کے لحاظ سے بڑے ہی خیال کرنے والے ہیں، کبھی بھی بلند آواز سے چیخ کر بات نہ کی، کسی بڑے کے سامنے، نہ چھوٹے کے سامنے، نہ وہ محفلوں میں کسی کے سامنے فضول وقت میں گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں، بلکہ تنہائی پسند اور خوشی سے گھر میں، خاص کر کمرے میں وقت گزارنے والے ہیں، کام کے وقت گھر سے جاتے اور پھر فوراً گھر اکثر کام سے واپسی پر ضرورت کی چیزیں لیتے آتے ہیں، کبھی بازار میں بغیر ضرورت نہ گئے، ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں، کبھی کسی سے سوال کرنا پسند نہیں کرتے، کسی عورت سے بات تک نہیں کرتے تھے، سوائے محرم عورتوں کے، جو گھر آ کر بات کرتی، جواب دیتے، مگر ان کے پاس کم ہی محفل بناتے، الگ چلے جاتے، کبھی زبان سے برا لفظ گالی یا کسی کی برائی نہ کی، مگر اصلاح کی نیت سے بات کرتے ہیں، چپکے سے اور ظاہر کر کے دین پر خرچ کرتے ہیں، جو بھی ضرورت سے بچ جائے، مگر پھر بھی لوگ ذرا ذرا سے ان کی مخالفت تلاش

کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

میرے بچپن کو سنوگی تو پچھتاؤ گی، وہ مسکرا کے بولے تھے، کیا کہا؟ آخر سب کو اپنے بچپن کی کوئی بات تو یاد ہی ہوتی ہے، کیا آپ سب بھول چکے ہیں، میں نے اپنے اُن سے پوچھا، جو ماشاء اللہ حیا رسالہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں، بس قلم ذرا کم اٹھاتے ہیں، مصروف جو ٹھہرے، یعنی مصروف زیادہ ہی ہیں، بس سمجھ لیں فون میں مصروف رہتے ہیں، اکثر میسج آتے ہیں، اپنے 9900 والوں کے خبریں، اچھی باتیں، حتیٰ کہ ملک شام، افغانستان تک کے حالات روزانہ معلوم ہو جاتے ہیں، پاکستان تو پھر اپنا ملک ہے، ہم نے تو شوہر جناب کو پوری دنیا کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرتے پایا، پھر سب سے بڑھ کر خبروں کو پھیلانے میں مصروف پایا، کہتے ہیں، نیکی کی بات پھیلا نا صدقہ جاریہ ہے تو نیکی کا کام کرنے میں مصروف تو آدمی ہوتا ہی ہے۔ اچھا اب بتائیے اپنا بچپن انتظار کروا کے تھا دیا، تو انہوں نے کہنا شروع کیا:

میری پیدائش کے ساتھ ہی ماں جی چلتی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے پاس یعنی میں دنیا میں آیا، ماں دنیا سے چلی گئی، اب کس نے مجھے سنبھالا تھا، پھوپھی جو ماموں کے نکاح میں بھی تھی، یعنی نانی کا گھر بھی پھوپھی بھی ساتھ ساتھ اور بھی کچھ یتیم بچے کو کبھی سنبھال کئے رکھتے، دودھ پلاتے فیڈر میں، میں نے ابھی چلنا سیکھا تھا، جہاں کہیں فیڈر کمرے میں ہوتا، جلدی سے خالی کر کے رکھتا تھا، جب کوئی کمرے میں آ کر دیکھتا، فیڈر خالی ہے، دودھ کس نے پیانچے کا تو میں سو جاتا، وہ سمجھتے بڑے بچے نے پیا ہوگا کسی نے، لیکن وہ دیکھتے بچہ کبھی مانگتا نہیں دودھ، بڑا شریف ہے، روتا بھی نہیں ہے اکثر دودھ رکھ کر وہ جاتے اور خود کام میں مصروف، پھر میں دودھ پی کر سو جاتا، کسی عورت کا تو نہ دودھ پیتا، اس لئے اکثر بوتل میں دودھ رکھا ہوتا تھا، اب جب کچھ بڑا ہو چکا، پھر روٹی جہاں دیکھتا،

جلدی سے کھا لیتا، جب سب روٹی کھاتے، مجھے تو بھوک نہ ہوتی تھی، پہلے جو کھا چکا ہوتا، پھر سب کہتے، بچہ کو کچھ کھلاؤں روٹی بھی نہیں کھاتا ماں کے غم میں، اب یہ بچپن ہے، کسی کو تنگ نہ کیا خاموش صبر والا بچہ تھا میں، سب مانتے ہیں، یہ تھا شوہر جناب کا بچپن۔

اب اور بھی کوئی واقعہ سنائیے، جناب ایک بات اور بھی یاد ہے، میری دادی میرا خیال رکھا کرتی، جب کبھی باہر جاتی کسی بستی میں تو مجھے کبھی ساتھ لے جاتی، کبھی میرے لئے کچھ لے کر آتی، وہ اکثر گاؤں سے شہر بیدل جاتی تھی، دو گھنٹہ سفر کرتی، ایک بار مجھے کہا، یہ چیز تجھے کھانے کی دی ہے، میری جاننے والی نے جو شہر کی ہے، امان اللہ کی بیوی اس نے دی ہے اور میرا نام بھی امان اللہ تھا تو میں دادی سے کہتا، کس نے دی؟ وہ کہتی، امان اللہ کی بیوی نے، میں دادی سے کہتا، میری بیوی کون ہے؟ کیا وہ شہر میں ہے؟ وہ کہتی تجھے کہا تو ہے امان اللہ کی بیوی نے دی ہے اور میں کہتا، میری بیوی نے، امان اللہ میرا ہی تو نام ہے پھر دل میں کہتا، ضرور میری بیوی ہوگی شہر میں، اب دیکھو نا، تم شہر کی ہو۔ اچھا تو آپ سمجھتے تھے امان اللہ صرف آپ ہیں اس دنیا میں باقی کوئی امان اللہ نام کا نہیں، اب آپ کی دادی تو وفات پا گئی، شہر کی بیوی اب آپ نے دیکھ لی ہے، ہم نے شرارت سے کہا، اب اور کیا بچپن سنو گی، بتا تو دیا ہے کہ خاموش صابر بچہ تھا اور آج تک بھی خاموش صبر والے ہیں، بیشک ہم نے مان لیا۔ یہ تھا بچپن میرے شوہر نامدار محترم امان اللہ فاروقی کا اور اب تک بھی خاموش ضرور ہوتے ہیں، تنہائی بھی پسند کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ یعنی صرف دو ساتھ رہ کر زندگی گزاریں، باقی محفل وغیرہ میں کم جاتے ہیں باہر ضرورت کے وقت مجبوری ہے، جاتے ہیں باقی ایک تمنا ہے ہمیں اولاد صالح نصیب ہو جائے جو ہمارا صدقہ جاریہ بنے اور دعا کریں ہم حج بیت اللہ پر ساتھ جائیں اکٹھے آمین

اہلبیہ امان اللہ فاروقی

سہانا بچپن

بچپن کسی کا بھی ہو، تاہم ہر غم سے بے نیاز، ہر فکر سے آزاد، ہر پریشانی سے دور صرف بچپن ہوتا ہے۔ اس دور میں کی گئیں شرارتیں، کھیلے گئے کھیل اور کی گئی حرکتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں، بچپن کے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی یاد بار بار آتی ہے اور ہر بار ایک نیا لطف دیتی ہے۔ اپنی ان یادوں میں ماہنامہ حیا کی قاریات و قارئین کو بھی شامل کر لیجئے۔ ہم یہ واقعہ شکریہ کے ساتھ آپ کے نام سے شائع کریں گے۔

زوجہ محمد اصغر نعمانی

بچپن..... سب سے بہترین..... سچ سے چھٹا چلا نا..... سب سے پیارا پیارا..... ان سے نرم و نازک..... کیا مزے کا کچھ ہے، بچپن کسی کا بھی ہو، عموماً کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے، جو اکثر یاد رہ جاتا ہے، بچپن میں نہ کسی غم کا احساس ہوتا ہے، نہ کوئی تکلیف زیادہ دیر محسوس ہوتی ہے، آج ہم آپ کو اپنے بچپن اور اپنی چھوٹی سی بیٹی سارہ کے بارے میں بتاتے ہیں، ایک مرتبہ ہم چھوٹے ہوتے تھے، (چھوٹے تو خیر ایک ہی مرتبہ ہوئے ہیں) قرآن مجید پڑھنے کے لئے ہمسایوں کے گھر جاتے تھے، وہاں پر ہمارے استاد جی آیا کرتے تھے ہمیں پڑھانے کے لئے، ہمارے استاد صاحب پڑھانے کے ساتھ ساتھ درزی کا کام بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ رمضان شریف میں استاد صاحب کی دکان میں چوری ہو گئی، چور کپڑے چرا کر لے گیا، ہم سب کزنز اور بچوں نے جو استاد صاحب کے پاس پڑھتے تھے، مل کر مشورہ کیا کہ ہم استاد صاحب کی پریشانی کو کس طرح دور کر سکتے ہیں، ہم

نے کہا، ایسا کرتے ہیں، پیسے جمع کر کے استاد جی کو دیتے ہیں، جن کے گھر ہم پڑھنے جاتے تھے، وہاں پر ان کا ایک چھوٹا بیٹا ہماری ہی عمر کا تھا، اس نے کہا، ایسا کرتے ہیں، میں بیمار ہو جاتا ہوں، کیوں کہ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں، تو سب مجھے پوچھنے آتے ہیں اور مجھے پیسے دیتے رہتے ہیں، وہ میں پیسے جمع کر کے استاد جی کو دے دوں گا، مشورے کے دوران میں نے اطلاع دی کہ میں اپنے ننھیال گئی تھی تو وہاں پر مجھے ماموں نے پیسے دیئے تھے، وہ میں نے اپنی امی کو دیئے تھے (جو غالباً 50 روپے تھے) میں امی سے مانگوں گی، تب میرے علم میں روپے پیسے کا حساب نہیں تھا، بس جی، پھر کیا تھا، میں نے تو گھر جا کے رٹ لگا دی، امی میرا لاکھ روپیہ دیں، جو مجھے ماموں نے دیئے تھے، میرا لاکھ روپیہ دیں، امی کہتی تھیں، بیٹا کون سا لاکھ روپیہ، تو میں نے کہا، جو میں سرگودھا سے ماموں کے پاس سے لے کر آئی تھی، بہر حال اس بات کو سوچ کر آج بھی ہنسی آتی ہے اکثر.....



نذرانہ عقیدت

پیکر جلال غیرت حسن وفا کا تھا
کس میں یہ حوصلہ کہ نگاہیں ملا سکے
رام اس کو کر سکے نہ جاہ و زر کے دیوتا
گزرے کوئی قریب سے مسحور کیوں نہ ہو
ابوبکر کی جدائی میں ہوئے وہ غمزدہ
اس میخانہ حرم میں کئی جانباز تلامذہ
خود داریت انا کے سمندر میں جی گیا
ادب حدیث و فقہ احسان معرفت
اختر صدیقی کہیں اسے یا بزرگ اولیا
(انتخاب:..... بنت مولانا محمد اختر صدیقی نور اللہ مرقدہ)

☆.....☆.....☆

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مضطر ہے بہت قلب میں ارمان مدینہ
کس دل میں نہیں ہے بھلا ارمان مدینہ
دل ہے، کہ دھڑکتا ہے حرم کے لئے ہر دم
وہ رحمت عالم ہیں، یقیں ہے مرے دل کو
بیت اللہ کی ہے شمع منور سر طیبہ
ماں باپ بھی اولاد بھی، قربان ہو تم پر
کب دیکھے بلواتے ہیں سلطان مدینہ
کس کو نہیں ہے خواہش عرفان مدینہ
جاں ہے کہ ہوئی جاتی ہے قربان مدینہ
میں بھی تو بنوں گا کبھی مہمان مدینہ
ہے شمع حرم ہی سے تو عرفان مدینہ
یہ جاں بھی فدا تم پہ ہو سلطان مدینہ

شرارتیں پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں لیکن ذہانت کے اعتبار سے انتہائی ذہین اور ہوشیار ہے۔ ماشاء اللہ سے یہ اس وقت 3 سال کی ہو گئی ہے۔ اس عمر میں بچے نا سمجھ اور کم عقل ہوتے ہیں لیکن ماشاء اللہ سے فاطمہ انتہائی ذہین اور عقل مند ہے، اس کی ماما جو کچھ اسے سمجھائے، نہایت ہی عقل مندی سے اس کام کو کرتی ہے، اسے درود شریف اور کلمہ طیبہ یاد ہے، روز سونے سے پہلے خود پڑھتی ہے اور کہتی ہے، ماما پاپا خدا حافظ اور اگر شرارت کا ذکر کروں تو ماشاء اللہ کس طرح ماما، دادی، دادا، پھوپھو، پاپا اور نخیال والوں کو اس طرح بھاگتی ہے کہ پوچھو نہیں۔ ایک دن تمام گھر والے بیٹھے تھے کہ اچانک اس نے کہا کہ مجھے اپنے پاپا کے ساتھ جانا ہے، گھر والوں نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا، کم عقل نے یہ سوچا کہ اس سے تمام لوگ ناراض ہیں، غصے سے کہیں جا کر بیٹھ گئی، گھر والوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، کچھ دیر بعد جب فاطمہ کر کے آواز دی گئی تو جناب کی آواز نہ آئے تو گھر میں ایک پریشانی کہ فاطمہ کہا چلی گئی، نیچے جا کر دیکھا، باہر لوگوں سے پوچھا کہ فاطمہ کہاں ہے؟ کچھ پتہ نہیں چلا، تمام گھر والے پریشانی کی حالت میں کہ فاطمہ گئی تو گئی کہاں؟ اسی دوران تمام گھر والے گھر میں آگئے اور رونا پینا لگ گیا، اس کی ماں کی حالت تو ایسی ہو گئی کہ کانٹوں سے خون نہ نکلے، اچانک فاطمہ اپنے کمرے سے نکل کر آئی اور کہا کہ ماما بھوک لگ رہی ہے، دودھ بنا کر دیجئے۔ اس بیچاری بچی کو یہ بھی نہیں پتہ کہ گھر والے اسے کافی دیر سے اس کی تلاش کر رہے ہیں۔ جیسے ہی اس کی ماں نے اسے دیکھا، اپنے گلے سے لگا کر اسے ڈانٹا کہ فاطمہ کہاں چلی گئی تھیں تو، اس نے بتایا کہ ماما میں سو گئی تھی کمرے میں، وہ بھی پلنگ کے نیچے۔ فاطمہ کی اس شرارت نے تمام گھر والوں کو پریشان تو کیا مگر اس کی کم عقلی پر سب ہنس بھی دیئے۔ اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے آمین

(مہوش فیصل، شادمان ٹاؤن، کراچی)

اب میں آپ کو اپنی لاڈلی بیٹی سارہ کے بارے میں بتاتی ہوں، جی ہاں، اس کی عمر 2 سال اور 3 ماہ کی ہونے والی ہے۔

ماشاء اللہ بہت ذہین اور چالاک بچی ہے، ابھی سال کی نہیں ہوئی تھی تو کلمہ پڑھنے لگ گئی تھی، سب گھر والوں کی لاڈلی ہے، خصوصاً اپنی پھوپھو کوثر کی، ماشاء اللہ سے زبان بہت صاف ستھری ہے، چھوٹی سی تھی، تو اگر کوئی چیز گر کر ٹوٹ جاتی تھی یا کپڑا پھٹ جاتا تھا تو میں سمجھاتی تھی، کوئی بات نہیں بیٹا، اللہ آپ کو اور دے دے گا، اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے، کسی کا بھی کپڑا پھٹا ہوا دیکھے تو کہتی ہے، اللہ اور دے دے گا، ایک دن اپنی پھوپھو کوثر کے گھر گئی ہوئی تھی تو کوثر نے شیشے کے کپ میں جوس دیا تو پی لینے کے بعد وہ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا تو فوراً کہنے لگی، پھوپھو، اللہ اور دے دے گا، تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور جو چیز بھی کھائے، مثلاً روٹی بسکٹ، ایک کوئی بھی پھل تو پوچھو بیٹا یہ نعمت کس نے دی ہے تو فوراً کہتی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔“

سارہ کو کھانے پینے کا بہت شوق ہے، یہ جب بھی روئے تو مجھے فوراً یہ خیال آتا ہے کہ اسے کھانے کو کیا دوں تو اب کیا دوں، کیونکہ اسے کھلونوں سے کھیلنے کا بالکل شوق نہیں، میرے ابو جی اکثر کہتے ہیں، بیٹا مدثر یہ تمہاری بیٹی بہت انوکھی ہے، دیکھنا یہ بڑی ہو کر کچھ نہ کچھ بنے گی، اپنے پاپا اور دادا، دادی کی بہت لاڈلی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے بچائے اور اسے مثالی عالمہ حافظہ قاریہ مجاہدہ بنائے۔ آمین..... اور اپنی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین

دعا ہے تجھ سے اے رب ذوالجلال
سارہ تو رہے سدا خوشحال

☆.....☆.....☆

میری بیٹی فاطمہ بہت ذہین اور چالاک ہے، اس کی

مری قیمت بروز حشر خود مولا لگائے گا
اثر کو گلستان دیر میں پھر پوچھتا بھی کون
غلاموں کی بذات خود کوئی قیمت نہیں ہوتی
اگر اس خار کو گلشن سے کچھ نسبت نہیں ہوتی
(انتخاب:.....شارفہ طاہرہ کراچی)

☆.....☆.....☆

نبی کے صحابہ کے رستے پر چل کے دلوں کا سکون ہم نے حاصل کیا ہے
لگا ہے نشہ جب سے جنت کا ہم اچاٹ اپنا جی اس جہاں سے ہوا ہے
وہ طائف کی وادی میں کھا کھا کہ پھر تمہارے لئے جو تڑپتا رہا تھا
اس سے کیسے عشق ہے جو پیروں سے روندنا ذرا خود بتاؤ یہ کیسی وفا ہے
یہ وہ موت ہے دوستو جس کی خاطر نبی نے بھی مانگی تھی رب سے دعائیں
کٹایا ہے اسلام میں جس نے سر کو خدا کی قسم وہ امر ہو گیا ہے
سنو احد کے پار سے یہ صدائیں اُس بن نصر کی تمہیں کہ رہی تھیں
جو اللہ کی راہ میں جاں لٹا دے وہی اصل میں عاشق مصطفیٰ ہے
طائف کے میدان میں کود پڑنا طلب میں شہادت کی دل کا مچلنا
خدا کے لئے سارے عالم سے کٹنا حقیقت میں فردوس کا راستہ ہے
نبی کے صحابہ کے رستے میں چل کے دلوں کا سکون ہم نے حاصل کیا ہے
لگا ہے نشہ جب سے جنت کا ہم کو اچاٹ اپنا جی اس جہاں سے ہوا ہے

☆.....☆.....☆

نظم

کرم عافیہ پر کرم یا الہی ستم گڑبڑا ہے رحم یا الہی
تو ہی عزتوں کا محافظ ہے مولیٰ تیری ذات محترم ہے یا الہی
مصیبت میں صدیق اکبر کی بیٹی تیرا رو رہا ہے حرم یا الہی
تیرے ہاتھ میں ہے اب یہ عزت ہماری تو رکھ لے ہمارا بھرم یا الہی
بڑی خونی جگہ ہے یہ در داد غم کی لہو رو رہا ہے قلم یا الہی
مصیبت میں ہے آج امت کی بیٹی قیامت ہوئی ہم قدم یا الہی
تجھے واسطہ کبیریائی کا تیرے رحم چاہتے تھے سے ہم یا الہی
کہاں مرگئی حکمرانوں کی غیرت نہیں آتی ان کو شرم یا الہی
نہیں چین آتا اب کسی کو نہیں دکھ قیامت سے کم یا الہی

(انتخاب:.....حفصہ اکرم، جامعہ اصفیٰ للبنات، کراچی)

☆.....☆.....☆

اس بار اگر جاؤں تو واپس نہ کبھی آؤں
اصحاب نبی سارے ستاروں کی طرح ہیں
ہو خاتمہ ایماں پہ مرا شہر نبی میں
کچھ اور نہیں طاہر سلطانی تمنا
دل میں ہے یہی آرزو اے جان مدینہ
اصحاب مبشر تو ہیں خاصان مدینہ
دائم ہی رہوں میں تہ دامن مدینہ
بن کر میں ہمیشہ رہوں دربان مدینہ

☆.....☆.....☆

حضور کاش! ملے مجھ کو گھر مدینے میں
حضور آپ کے روضے پہ حاضری دینے
حضور آپ کے شہر میں کیا کہنا
حضور آپ کے صدقے برستی رہتی ہیں
حضور آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں
حضور دل یہ اڑا جاتا ہے مدینے کو
حضور آپ کی عظمت ہے عظمت دائم
حضور آپ کے صدقے میں سب کو ملتا ہے
حضور آپ کا چہرہ ہو سامنے میرے
حضور آپ سے طاہر کی اک گزارش ہے
(شاعر:.....حمود نعت طاہر سلطانی)

☆.....☆.....☆

مسائل تصوف

صلی اللہ والوں کی جنہیں صحبت نہیں ہوتی
محبت کر کے بھی وہ فیض سے محروم رہتا ہے
معاصی میں پریشانی بھی ذلت بھی مشقت بھی
خدائے پاک پھر کیوں حکم دیتا ہم کو تقویٰ کا
بھلا وہ کیا اٹھائے گا علم دین محمدؐ کا
جسے قرب خداوندی کی لذت ہو گئی حاصل
اگر اللہ کی کامل محبت پا گیا ہوتا
کسی صورت نے کر لی ہے ترے دل میں جگہ شاید
اگر داڑھی کے رکھ لینے سے چہرہ بد نما لگتا
وہ کیا مصروف ہے راہ تصوف کی مسافت میں
میں ان سے حال دل کہنے کا کیا کچھ عزم رکھتا ہوں
صدور معصیت کی اہل دل طاقت تو رکھتے ہیں
طریقت کا لذیذ و سہل رستہ گر تو اپناتا
تو ایسے عالموں کے علم میں برکت نہیں ہوتی
وہ جس کے دل میں اپنے شیخ کی عظمت نہیں ہوتی
مگر تقویٰ سے رہنے میں کوئی محنت نہیں ہوتی
اگر ترک معاصی پر ہمیں قدرت نہیں ہوتی
کہ جس سے فجر میں اٹھنے کی بھی زحمت نہیں ہوتی
اسے ترک معاصی پر کبھی حسرت نہیں ہوتی
تو نافرمانیوں کی پھر کبھی جرأت نہیں ہوتی
جہی تسکین دل حاصل کسی صورت نہیں ہوتی
تو پھر داڑھی مرے سرکار کی سنت نہیں ہوتی
کہ جس کو ذکر کے معمول کی فرصت نہیں ہوتی
مگر جب سامنے جاتا ہوں تو ہمت نہیں ہوتی
مگر طاقت کو استعمال کی طاقت نہیں ہوتی
شریعت پر تجھے چلنے میں کچھ دقت نہیں ہوتی

☆.....☆.....☆

192

193

جبر 2013

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

192

جب تو پیدا ہوا کتنا مجبور تھا
ہاتھ پاؤں بھی جب تیرے اپنے نہ تھے
تجھ کو آتا تھا جو صرف رونا ہی تھا
تجھ کو چلنا سکھایا تھا ماں نے تیری
ماں کے سائے میں پروان چڑھنے لگا
دھیرے دھیرے تو کڑیل جواں ہو گیا
زور بازو سے تو بات کرنے لگا
ایک دن اک حسینہ تجھے بہا گئی
فرض اپنے سے تو دور ہونے لگا
پھر تو ماں باپ کو بھی رلانے لگا
بات بے بات تو ان سے لڑنے لگا
یاد کر تجھ سے ماں نے کہا ایک دن
سن کے یہ بات تو طیش میں آ گیا
جوش میں آ کے تو نے یہ ماں سے کہا
آج کہتا ہوں چچا میرا چھوڑ دو
جاؤ جا کے کہیں کام دھندہ کرو
بیٹھ کر آہیں بھرتے تھے وہ رات بھر
ایک دن باپ تیرا چلا روٹھ کر
پھر وہ بے بس اجل کو بلائی رہی
ایک دن موت کو بھی ترس آ گیا
اشک آنکھوں میں تھے وہ روانہ ہوئی
اک سکون اس کے چہرے پہ چھانے لگا
مدتیں ہو گئیں آج بوڑھا ہے تو
تیرے بچے بھی اب تجھ سے ڈرتے نہیں
درد میں تو پکارے او میری ماں.....
وقت ڈھلتا رہے وقت رکتا نہیں
بن کے عبرت کا تو اب نشان رہ گیا
تو جو احکام ربی بھلاتا رہا
کاٹ لے اب وہی تو نے بویا تھا جو
یاد کر کے گیا دور ہونے لگا

یہ جہاں تیری سوچوں سے بھی دور تھا
تیری آنکھوں میں دنیا کے سنے نہ تھے
دودھ پی کے تیرا کام رونا ہی تھا
تجھ کو دل میں بسایا تھا ماں نے تیری
وقت کے ساتھ قد تیرا بڑھنے لگا
تجھ پہ ایسا جہاں مہربان ہو گیا
خود ہی سجنے لگا خود سنورنے لگا
بن کے دلہن وہ پھر تیرے گھر آ گئی
بیچ نفرت کا خود ہی تو بونے لگا
تیر باتوں کے پھر تو چلانے لگا
قاعدہ اک نیا پھر تو پڑھنے لگا
اب ہمارا گزارہ نہیں تیرے بن
تیرا غصہ تیری عقل کو کھا گیا
میں تھا خاموش بس دیکھتا ہی رہا
جو ہے رشتہ میرا تم سے وہ توڑ دو
لوگ مرت ہیں تم بھی کہیں جا مرو
ان کی آہوں کا تجھ پہ ہوا نہ اثر
کیسے بکھری تھی پھر تیری ماں ٹوٹ کر
زندگی اس کو ہر پل ستاتی رہی
اس کا رونا بھی تقدیر کو بھا گیا
موت کا ایک بچی بہانہ ہوئی
پھر تو میت کو اس کی اٹھانے لگا
جو پڑا ٹوٹ کھٹیا پہ کوڑا ہے تو
نفرتیں ہیں محبت وہ کرتے نہیں
تیرے ہی دم سے روشن تھے دونوں جہاں
ٹوٹ جاتا ہے وہ جو کہ جھکتا نہیں
ڈھونڈ لے زور تیرا کہاں رہ گیا
اپنے ماں باپ کو تو سنا رہا
تجھ کو کیسے ملے تو نے کھویا تھا جو
کل جو تو نے کیا آج ہونے لگا

موت مانگے تجھے موت آتی نہیں
تو جو کھانے تو اولاد ڈانٹے تجھے
موت آئے گی تجھ کو مگر وقت پر
قدر ماں باپ کی گر کوئی جان لے
اور لیتا رہے وہ بڑوں کی دعا
یاد رکھنا تم عصمت کی اس بات کو
یاد رکھنا تم عصمت کی اس بات کو
(انتخاب..... اہلیہ سہیل، راولپنڈی)

☆.....☆.....☆

نعت شریف

مدینے کو جاؤں یہ جی چاہتا ہے
کہاں میں کہاں سبز گنبد کے جلوے
وہ شہر مدینہ، وہ اجلے سے منظر
ہے کیا دل کی حالت انہیں سب خبر ہے
ملائک نے جس جاجین جھکائیں
مقدر میں میرے سفر پھر سے لکھ دے
میں کیوں آج بے کل سی ہو رہی ہوں
ہے حسرت کہ پھر ان فضاؤں میں جی لوں
میں سرمہ بنالوں اسی گرد پا کو
میرے سامنے سبز گنبد کے جلوے
ہیں آرزو ہے یہی ہے تمنا

نبی خود بلائیں، یہ جی چاہتا ہے
مقدر جگانے کو جی چاہتا ہے
وہاں گھر بساؤں، یہ جی چاہتا ہے
انہی کو سناؤں یہ جی چاہتا ہے
وہیں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے
مرے دل میں ہے جستجوئے مدینہ
ہوا میں رچی خوشبوئے مدینہ
مرے دل میں ہے آرزوئے مدینہ
میں آنکھوں میں ڈالوں خاک کوئے مدینہ
میں غاصی کھڑی رو بروئے مدینہ
سفر میرا پھر سے ہو سوئے مدینہ
(انتخاب..... فریدہ افتخار، پشاور)

☆.....☆.....☆

مغرور نہ ہو اپنے مقدر پہ اے نادان
اللہ کی نظروں میں برابر ہیں سب انسان
دنیا کے عجب رنگ نظر آنے لگے ہیں
اک بیٹا ہے جو باپ سے ٹکرانے لگا ہے
اک بھائی ہے جو بھائی سے ٹکرانے لگا ہے
افسوس کہ انسان بھی بن جاتا ہے شیطان
اللہ کی نظروں میں برابر ہیں سب انسان

یہ ساز یہ محفل یہ ترانے رہیں گے
یہ حسن و محبت کے فسانے نہ رہیں گے
ظالم کو بھی ہر ظلم سے باز آنا پڑے گا
لوٹی ہوئی ہر چیز کو لوٹانا پڑے گا
قدرت کا یہ قانون بدلنا نہیں آسان
اللہ کی نظروں میں برابر ہیں سب انسان
مغرور نہ ہو اپنے مقدر پر اے نادان

☆.....☆.....☆

ماں کے لئے دعا

یا رب میری ماں کو لازوال رکھنا
میری خوشیاں بھی لے لے میری سانس بھی لے لے
میں رہوں نہ رہوں میری ماں کا خیال رکھنا
مگر میری ماں کے گرد سدا خوشیوں کا جال رکھنا
(انتخاب:.....رخسانہ صابر، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

تیری رحمت تو ہر ایک پر عام ہے

جب سے ہونٹوں پہ یا رب تیرا نام ہے
تو نے بخشا ہمیں نور اسلام ہے
جس کو تیری خدائی سے انکار ہے
روٹتا ہے زمانہ اگر روٹھ جائے
آسمانوں کی دنیا میں ہے محترم
اپنے منکر کو بھی رزق دیتا ہے
ہاں قدم کا اٹھانا میرا کام ہے
تیرے تیرا کو کافی آرام ہے
ہم پہ تیرا حقیقی یہ انعام ہے
بادشاہت میں رہ کر بھی ناکام ہے
راضی کرنا تجھے بس میرا کام ہے
تیری خاطر جو دنیا میں بدنام ہے
تیری رحمت تو ہر ایک پر عام ہے
پار بیڑا اگنا تیرا کام ہے
(انتخاب:.....رابیعہ نعیم، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

دل تڑپنے بلکنے پہ مجبور ہے
اس کا شہر مدینہ میں ہے چارہ گر
جان جس نے بھی دی ان کی محبت میں دی
بات اہل نظر کی یہ ہے کیا حسیں
دل بنانا نہ کیوں مدینہ کو گھر
ان کا دامن نہ چھوٹے میرے ہاتھ سے
دل میں ان کی محبت ہے یوں بس گئی
کیا کروں میں، مدینہ بڑی دور ہے
زخم جو میرے سینے میں مستور ہے
وہ تو واللہ مرحوم مغفور ہے
وہ بشر ہے مگر نور ہی نور ہے
میرے گھر سے مدینہ بہت دور ہے
جان سے جان چھوٹے تو منظور ہے
جس طرح جسم میں جان مستور ہے

ظرف جتنا ہے جس کا اسے بھر دیا
ان کے در سے نہ مایوس پلٹا کوئی
گوشہ گیری کے با وصف تو اے امین
مدحت شاہ وللا میں مشہور ہے
(انتخاب:.....ہنت عنایت اللہ ساجد، معلمہ جامعہ عائشہ للبنات، میرپور خاص)

☆.....☆.....☆

محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

توحید ہوگی میری
یہ خلقت ہوگی میری
جبرائیل ہوگا میرا
یہ عیسیٰ ہوگا میرا
عقیدت ہوں گے میرے
یہ تارے ہوں گے میرے
پھول ہوں گے میرے
چاند ہوگا میرا
قرآن ہوگا میرا
عبداللہ ہوگا میرا
حلیہ ہوگی میری
یہ آمنہ ہوگی میری
یہ زہرہ ہوگی میری
بلال ہوگا میرا
حسین ہوگا میرا
حسن ہوگا میرا
یہ اعظم ہوگا میرا

(انتخاب:.....میمونہ ہنت عبدالحق، میرپور خاص)

☆.....☆.....☆

حمد

اے مالک! دو جہاں
ہم پہ رحمت ہو سدا
اس پہ ہو تیری مہربانی
تیرا مرہم اس پہ لاگے
ہر سو رسوائی ہے
اے میرے پیارے خدا
آنکھ جو بہتا ہے پانی
سینے میں جو درد جاگے
جان پہ بن آئی ہے
ہم پہ رحمت ہو سدا

لب بھلے خاموش ہوں
سب کا تو حاجت روا
راستے خاموش ہیں
ہم پہ رحمت ہو سدا
جہاں تو ابتدا تو انتہا
خوشی تو ساحل پر لگا

سن رہا ہے تو صدا
مشکل میں تو مشکل کشا
گلستان ویران ہے
تیری رحمت سے ہے روشن
طوفان میں شمع جلا
ہم پہ رحمت ہو سدا

☆.....☆.....☆

حمد جل جلالہ

خدایا میں تجھے اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں
تیرا ہی نام آتا ہے میرے ہونٹوں پہ رہ رہ کر
تیری عظمت کے آگے خوف سے اونچے پہاڑوں کو
الہ العالمین کوئی نہیں تیرے سوا ہرگز
تجھی سے مانگتا ہوں میں مدد ہر ایک مشکل میں
تیرے ہی پاس مجھے لوٹ کر جانا ہے بالآخر

تہ دل سے تجھے سب سے بڑا تسلیم کرتا ہوں
تجھے ہی لائق حمد و ثنا تسلیم کرتا ہوں
میں رائی کی طرح سہا ہوا تسلیم کرتا ہوں
تجھے معبود برحق، بر ملا تسلیم کرتا ہوں
تجھی کو میں فقط مشکل کشا تسلیم کرتا ہوں
تجھی کو مالک روز جزا تسلیم کرتا ہوں
(انتخاب.....نازیہ اقبال، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

صبح امید (پندرہویں صدی ہجری)

جہاں، توحید کا، نغمہ سرا، ہونے کو ہے
مطلع مشرق، ہوا روشن، پیدی آگنی
مہر تاباں تھا، شب تاریک میں، سویا ہوا
ہر طرف مکرو دغا، دجل و فتن جاری رہا
ایشیائے وسط کے، پھر بھاگ اٹھے ہیں جبرق
قوم افغان، بدسر پیکار، بازیگر
انقلاب نو عجم کا، ہے نوید صبح نو،
جنت کشمیر ہے، شعلہ بد اماں، اندروں
انتہا اس دیں میں، جو رستم کی ہوگی
امت اسلام کی، شیرازہ بندی کے لئے
نور ایماں، ہر دل مومن میں ہوگا، ضوفشاں
صبح نو، ہر سو جہاں میں، روشنی پھیلانے گی
خط مغرب، جہاں ہر سو، شب دیکھو تھی
مہدی حق کے رہے، ہم منتظر صدیوں تملک

عظمت اسلام، پھر جلوہ نما، ہونے کو ہے
روزن خاور کھلا، ظلمت فنا ہونے کو ہے
مرحبا! اس کی کرن، سب کو عطا، ہونے کو ہے
از مکافات عمل، اس کی سزا ہونے کو ہے
خیرت تاتار، پھر معجز نما، ہونے کو ہے
غزنوی ساء، بت شکن، پھر خوش ادا، ہونے کو ہے
ملت اسلام کا، یہ رہنما ہونے کو ہے
آتش خود سوز سے، بھارت فنا ہونے کو ہے
ابن قاسم سا جواں، اب رونما ہونے کو ہے
آیت "لا تفرقوا" اب بنا ہونے کو ہے
خلق کا معیار پھر، صدق و صفا ہونے کو ہے
تیرگی کا قافلہ، سیما پنا ہونے کو ہے
مشرقی انوار سے، وہ پرضاء ہونے کو ہے
مجتبیٰ کی وہ بشارت، مرحبا! ہونے کو ہے

(شاعر: ڈاکٹر محمد عطاء اللہ خان)

خدا قلاش کو بھی شان و شوکت بخش دیتا ہے

خدا قلاش کو بھی شان و شوکت بخش دیتا ہے
وہ شہرت یافتہ کو پل میں کر دیتا ہے رسوا بھی
کبھی دانش وروں پر تنگ کر دیتا ہے وہ روزی
وہ لے کر تاج شانی کو کسی سرکش شہنشاہ سے
وہی بے چین رکھتا ہے امیر شہر کو شب بھر
کبھی لیتا ہے ساحل جو بھی اس راز مشیت کو

وہی ذرات بے مایہ کو عظمت بخش دیتا ہے
ذلیل و خوار کو چاہے تو عزت بخش دیتا ہے
کبھی جاہل کو بھی انعام دولت بخش دیتا ہے
کسی کمزور کو دے کر حکومت بخش دیتا ہے
یقین کی سیج پر مفلس کو راحت بخش دیتا ہے
وہ اس انسان کو نور حقیقت بخش دیتا ہے

(شاعر: شرف الدین ساحل)

☆.....☆.....☆

مدینہ کے شام و بحر

مدینہ کے شام و بحر اللہ اللہ
حقیقت ہوئی جلوہ گر اللہ اللہ
نظر کھوئی کھوئی قدم بہکے بہکے
حریم نبوت میں آنکھیں بچھا کر
شب مہتاب اور حسن تجلی
ندامت کے اشکوں کی قیمت نہ پوچھو
ندامت، تحیر، تسلی، تشفی
نظر اپنے عیبوں پہ پڑنے لگی ہے

ہے تسکین قلب و جگر اللہ اللہ
اگر ہے نہ کوئی مگر اللہ اللہ
یہ دل اور زیر و زبر اللہ اللہ
نظر ہو گئی معتبر اللہ اللہ
نہ اس رات کی ہو سحر اللہ اللہ
ہے دامن میں جیسے گہر اللہ اللہ
یہ معراج و فکر نظر اللہ اللہ
ہما ہو گیا خود مگر اللہ اللہ

☆.....☆.....☆

محبوب خدا

خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب خدا کہیے
جب اُن کا نام آئے مرحبا صل علی کہیے
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستا کہیے
اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے
یہی وہ خاک ہے جس کو خاک شفا کہیے
مری آنکھوں کو ماہر! چشمہ آب بقا کہیے

رسول مجتبیٰ کہیے، محمد مصطفیٰ کہیے
شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیاء کہیے
جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہو جائے
مرے سرکار کے نقش قدم جمع ہدایت ہیں
محمد کی نبوت دائرہ ہے نور وحدت کا
غبار راہ طیبہ سرمہ چشم بصیرت ہے
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے

(شاعر: ماہر القادری)

اداس نسلیں یقیناً یہ ہم سے پوچھیں گی کہ ہم نے ان کو عداوت کے داغ کیوں بننے

☆.....☆.....☆

اوراق پھر صحیفہ تہذیب کے اڑے عزمی! لئے نہ دولت اقدار، دیکھنا

☆.....☆.....☆

سایہ زن سر پر رہی ماں کی دعا کیسے کیسے حادثے ملتے رہے

☆.....☆.....☆

تیرگی نفرتوں کی کم کر دو وسعت قلب کے اجالوں سے

☆.....☆.....☆

جہاں جہاں سے ارادوں کی ٹوٹی ہے کند وہیں وہیں پہ خدا کا سراغ ملتا ہے

☆.....☆.....☆

مصلحت زاد تعلق مجھے درکار نہیں مصلحت ہے تو مری سمت سے سو بار "نہیں"

☆.....☆.....☆

لغت نہ ملامت نہ خوشامد کی ہے پرواہ کیا فکر زمانے کی جو خوش اپنا خدا ہے

☆.....☆.....☆

غریب شہر کے بچوں کا نام تھا ان پر امیر شہر نے کوڑے پہ جتنے پھل پھینکے

☆.....☆.....☆

اداس لوگوں کا روزہ بھی کھل گیا آخر کسی رئیس نے گلیوں میں اتنے پھل پھینکے

☆.....☆.....☆

آرزو کافی نہیں منزل کو پانے کے لئے جستجو بھی چاہئے طوفاں پہ چھانے کے لئے

☆.....☆.....☆

نئی صبح پر نظر ہے، مگر آہ! یہ بھی ڈر ہے یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے

☆.....☆.....☆

بھول جائیں نہ لوگ نام ان کے کیا بتائے کوئی پھلوں کے دام

☆.....☆.....☆

نفع خوروں کے آرہے ہیں مزے آم کے آم گھٹلیوں کے دام

☆.....☆.....☆

جس خواب میں ہو جائے دیدار مصطفیٰ حاصل اے رب کبھی ہم کو بھی وہ خیند سلا دے

☆.....☆.....☆

ہم کون ہیں کیا ہیں؟ باخدا یاد نہیں اپنے اسلاف کی کوئی بھی ادا یاد نہیں

☆.....☆.....☆

بادرپی خانہ

کریلے چنے کی دال

اشیاء:

کریلے ڈیڑھ پاؤ۔ چنے کی دال آدھا کلو (بیس منٹ بجھکی ہوئی)۔ پیاز درمیان پیاز عدد۔ کٹی ہوئی لال مرچ دو کھانے کے چمچے۔ ہلدی 1/2 چائے کا چمچ۔ ثابت گرم مصالحہ دو کھانے کے چمچے۔ لہسن چھ جوئے (کٹے ہوئے)۔ اوراک ایک انچ کا ٹکڑا (کٹا ہوا) کلونجی دو کھانے کے چمچے۔ املی کا پیسٹ چار کھانے کے چمچے۔ ہری مرچ (چھوٹی) 8 سے 10 عدد۔ نمک حسب ذائقہ۔ ہر ادھیا ایک گٹھی۔ کوکنگ آئل ڈیڑھ کپ۔

ترکیب:

سب سے پہلے کریلوں کو چھیل کر ہلکا سا نمک لگا کر پندرہ منٹ کے لئے چھلنی میں رکھ دیں۔ اس کے بعد اسے نچوڑ کر درمیان سے کٹ لگا کر الگ رکھ لیں۔ ایک پتیلی میں ایک کپ آئل ڈال کر گرم کریں اس میں کٹی ہوئی پیاز ڈال کر کچی پکی کر لیں اس میں لہسن کے

جوئے، اورک، ثابت گرم مصالحہ ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ اس کے بعد ہری مرچیں دھو کر ڈنڈی توڑ کر ثابت اس میں ڈال دیں، اب کٹی ہوئی لال مرچ، ہلدی، نمک اور تھوڑا سا پانی ڈال کر بھونیں، بجھکی ہوئی دال ڈال کر دو کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر گھالیں جب دال گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو املی کا پیسٹ بھی شامل کر دیں۔ اس پکی ہوئی دال میں سے تھوڑی دال نکال کر کریلوں میں بھریں اور اسے دھاگہ لپیٹ کر بند کر دیں پھر ایک الگ پین میں بچا ہوا آدھا کپ آئل ڈال کر ان کریلوں کو ہلکی آنچ میں قل لیں جب یہ ذرا سے نرم اور سنہرے ہو جائیں تو انہیں نکال کر دال میں ڈال دیں اس کا بچا ہوا آئل بھی دال میں ڈال دیں اب کلونجی اور ہر ادھیا ڈال کر ہلکا سا پانی کا چھینٹا دے کر پندرہ منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں۔ لیجئے کریلے چنے کی دال تیار ہے۔

☆☆☆

رول پسندے کباب

اشیاء:

پسندے ایک کلو (بڑے اور برابر سائز کے) لہسن / اورک پیسٹ (دو کھانے کے چمچے۔ چپٹا پیسٹ (چار کھانے کے چمچے)۔ نمک ایک کھانے کا چمچ۔ جاتھل / جاوتری پاؤڈر (ایک چائے کا چمچ)۔ بڑی الائچی دو عدد۔ لونگ آٹھ عدد۔ کالی مرچ 12 عدد۔ سفید زیرہ ایک کھانے کے چمچ۔ خش خاش ایک کھانے کا چمچ۔ پنے دو کھانے کے چمچے۔ پس لال مرچ ڈیڑھ کھانے کے چمچے۔ سرکہ چار کھانے کے چمچے۔

فلنگ کے لئے:

پیاز (دو عدد) ٹماٹر (دو عدد) ہرا دھنیا۔ ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)

ترکیب:

پسندوں کو پھیلا کر Hammer کر لیں۔ پھر تمام مصالحوں کو باریک پیس کر اچھی طرح لگا دیں۔ تین چار گھنٹے کے بعد فنگ ڈال کر دھاگے سے باندھ لیں۔ تیل گرم کر کے اس میں بچھا دیں اور ڈھانک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال لیں۔

☆☆☆

اسپانسی چنا دال

اشیاء:

چنے کی دال کپ۔ پانی ساڑھے سات کپ۔ تیز پتہ ایک عدد۔ دارچینی ایک انسک۔ مکھن تین کھانے کے چمچے۔ پیاز (چوپ کی ہوئی) آدھا کپ۔ گرم مصالحہ پاؤڈر دو چائے کا چمچ۔ اورک پیسٹ دو چائے کے چمچے۔ لہسن پیسٹ دو چائے کے چمچے۔ ٹماٹر (چھلکا اتار کر چوپ کر لیں) 4 کھانے کے چمچے۔ نمک حسب ذائقہ۔ ہر دھنیا (چوپ کر لیں) ایک چائے کے چمچے۔

ترکیب:

دال کو صاف کر کے دھو لیں اور تیس منٹ کے لئے

بھگو دیں۔ ہمراہ تیز پتہ اور دارچینی کے پانی کو ایک سوں چین میں بال لیں۔ چین میں بننے والے جھاگ کو نکال دیں اور دال گھٹے تک پکائیں۔ اس کے بعد تیز پتہ اور دارچینی کو نکال دیں۔ ایک چین میں مکھن گرم کریں اور پیاز کو گولڈن براؤن ہونے تک قرئی کر لیں۔ اس کے بعد گرم مصالحہ اورک لہسن پیسٹ ملا کر درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ تک پکائیں۔ اس میں ٹماٹر دال اور نمک ملا دیں۔ ڈھک کر مزید دو سے تین منٹ تک پکائیں۔ ہر دھنیا سے سجا کر گرم گرم سرو کریں۔

☆☆☆

قیمہ بھرے بیگن

اشیاء:

قیمہ ایک کلو۔ بیگن تین پاؤ۔ پیاز حسب ضرورت۔ پس ہوئی لال مرچیں حسب ضرورت۔ نمک حسب ضرورت۔ دہی ایک پاؤ۔ اجوائن تھوڑی سی۔ آئل آدھا کپ۔ گرم مصالحہ آدھا ٹیبل اسپون۔ لہسن پسا ہوا آدھا ٹیبل اسپون۔

ترکیب:

بیگن کو گول کاٹ کر تھوڑی دیر کے لئے پانی میں بھگو دیں تاکہ ان کا کھارا پن دور ہو جائے پھر ان پر نمک لگا کر تھوڑی دیر چھلنی میں رکھنے کے بعد ڈیپ فرائی کر لیں۔ کسی علیحدہ چین میں پیاز براؤن کر کے اس میں قیمہ، ال مرچیں، لہسن، نمک دہی ملا کر اتنا بھونیں کہ قیمہ گل جائے۔ اب اس میں گرم مصالحہ اور اجوائن بھی ڈال دیں۔ تیاری پر کونڈہ جلا کر روٹی کے ٹکڑے پر رکھنے کے بعد قیمے میں رکھ دیں۔ اس پر چند قطرے آئل کے ڈالیں۔ دھواں اٹھنے تو ڈھک دیں اور تھوڑی دیر بعد کونڈہ ہٹا دیں۔ اب اوون پر دف ٹرے میں بیگن کے ٹکڑے رکھیں اور ان پر قیمے کی دو تین جنہیں چڑھا اور کچھ دیر اوون میں رکھ کر گرم گرم پیش کریں۔

☆☆☆

کرسپی پھول گوہی

اشیاء:

پھول گوہی (چھوٹی) ایک کلو۔ نمک حسب ذائقہ۔ ہلدی پاؤڈر دو چائے کے چمچے۔ مین ایک کپ۔ اجوائن ایک چائے کا چمچ۔ لیموں کا جوس 2/3 چائے کے چمچے۔ گرم مصالحہ پاؤڈر دو چائے کا چمچ۔ لال مرچ پاؤڈر دو چائے کے چمچے۔ تیل ڈھائی کپ۔ ہرا دھنیا (چوپ کر لیں) چار چائے کے چمچے۔ ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی) چار چائے کے چمچے۔

ترکیب:

اتنا پانی بالیں کہ پھول گوہی اس میں ڈوب جائے۔ پانی میں نمک اور ہلدی پاؤڈر ڈال دیں۔ اس میں پھول گوہی ڈال کر 8-10 منٹ تک پکائیں تاکہ پھول گوہی آدھی گل جائے۔ پانی سے نکال کر ایک طرف رکھ دیں۔ ایک پیالے میں مین، اجوائن، لیموں کا جوس، دہی، اورک لہسن، گرم مصالحہ، لال مرچ اور نمک مکس کر لیں۔ کچھر گاڑھا اور نرم ہونا چاہئے۔ ایک کڑی میں تیل گرم کر لیں۔ پھول گوہی کو بیٹر میں ڈپ کر کے درمیانی آنچ پر گولڈن براؤن کر لیں۔ پھول گوہی کے چار ٹکڑے کر لیں۔ ہرے دھنیے اور ہری مرچوں کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

میٹ بالز پوبوانے

اشیاء:

ڈان بریڈ ایک بڑی۔ کچھڑے کا گوشت قیمہ آدھا پاؤنڈ۔ بیف قیمہ آدھا پاؤنڈ۔ پیاز باریک کٹی ہوئی آدھا کپ۔ لہسن باریک کٹا ہوا آدھا چائے کا چمچ۔ سبز پیاز باریک کٹی ہوئی 1/4 کپ۔ ڈان بریڈ کرامز 1/4 کپ۔ وارنٹر شائز ساس ایک کھانے کا چمچ۔ نمک ایک کھانے کا چمچ۔ کالی مرچ آدھا کھانے کا چمچ۔ لہسن (جوے) چھلے ہوئے 16 چھوٹے۔ آٹا 1/4 کپ۔ پیاز (پیلی اور باریک کٹی ہوئی) دو کپ۔ سرکہ ایک پیالی۔ پانی ایک کپ۔ ثابت مسروں کا تیل چھ کھانے کے چمچ۔ مائیونیز چھ کھانے کے چمچ۔ چیز (باریک سلائس کاٹ لیں) آدھا پاؤنڈ۔

توکیب:

ایک بڑے پیالے میں دونوں قسم کے قیمے ڈال دیں اور ساتھ ہی مکس کر لیں، لہسن سبز پیاز، پیلی پیاز، ساس اور نمک۔ ان اشیاء کو ہاتھوں سے اچھی طرح مکس کرنے کے بعد ان کے میٹ بالز (کوٹے) بنالیں (16 عدد) ہر کوٹے کے درمیان میں لہسن کا ایک جواگ کر اچھی طرح قیمے سے فکس کر دیں۔ ایک پلیٹ میں آٹا اور سیاہ مرچ مکس کر کے رکھ لیں اور کوٹے (میٹ بالز) اس اچھی طرح سے رول کر کے ایک دوسری پلیٹ میں رکھ لیں۔ ایک بڑی کڑی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کر لیں اور اس میں کوٹے ڈال کر براؤن کریں چمچ سے کوٹے پلٹی رہیں تاکہ ہر طرف سے براؤن ہو جائیں۔ اب ان کوٹوں کو ایک پیالے میں نکال کر رکھ دیں۔ اب اسی چین میں آٹا ڈالیں اور چمچ چلا کر اسے بھونیں جب تک کہ وہ گہرا براؤن ہو۔ اب اس آٹے میں کٹی ہوئی پیاز شامل کر دیں اور اسے سیزن کریں نمک کالی مرچ سے۔ اسی چین میں احتیاط سے سرکہ اور پانی ڈال کر مکس کریں اور دھیمی آنچ پر بالیں۔ اب اس میں کوٹے ڈال کر ایک گھنٹے کے لئے پکائیں۔ اب چین چولہے سے اتار لیں۔ ڈان بریڈ کو لمبائی میں کاٹیں۔ ایک حصے پر مائیونیز لگائیں اور دوسرے پر مسروں۔ بریڈ پر پہلے چیز لگائیں پھر اس پر کوٹے رکھیں اور کوٹوں پر گریوی (گاڑھا شوربہ) ڈالیں۔ اب بریڈ کا باقی حصہ اس آدھے حصے کے اوپر رکھ کر بریڈ کو 6 برابر حصوں میں تقسیم کر لیں اور گرم گرم کچپ کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

آئرش اسٹو

اشیاء:

گوشت آدھا کلو (صاف کئے ہوئے آدھا آنچ کیوبز کاٹ لیں) آلو تین عدد (بڑے سائز کے) جھیل کر موٹے سلائز کاٹ لیں۔ گا جردو عدد بڑے سائز کی۔ ہرا دھنیا آدھا کپ (باریک چوپ کیا ہوا) نمک حسب

گول گول نکلیاں بنالیں اور نیل میں ہلکی براؤن ہونے تک درمیانی آنچ پر تل لیں۔ جب سب نکلیاں تل چکیں تو ان کو کسی کھلے منہ کی دہلی میں پھیلا کر رکھ دیں اور تقریباً ایک گلاس یا حسب ضرورت پانی ان پر چھڑک دیں۔ درمیانی آنچ پر رکھیں اور مضبوطی سے ڈھکن بند کر دیں جب محسوس کریں کہ پتلی میں بھاپ بن گئی ہے تو آنچ کم کر دیں اور پندرہ سے بیس منٹ کے لئے دم پر رکھیں یا پانی کے خشک ہونے تک رکھیں۔ قیے کی نکلیاں تیار ہیں۔ اب اس پر چاٹ مصالحہ یا لیموں ڈال دیں۔ ہر مصالحہ ڈال کر سادہ بھی کھایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

مدراسی بریانی

اشیاء:

گوشت ایک کلو۔ دہی ایک پاؤ۔ ٹماٹر ایک پاؤ۔ پیاز ایک پاؤ۔ دھنیا پودینہ سرخ مرچ حسب ضرورت۔ ہلدی۔ گرم مصالحہ۔ نمک حسب ضرورت۔ اورک لہسن (پسا ہوا) دو چائے کے چمچ۔ چاول ایک کلو۔ زردے کا رنگ حسب ضرورت۔ دودھ یا پانی زردے کا رنگ (کھولنے کے لئے)۔ لیموں ایک عدد۔ گرم مصالحہ 1/4 چائے کا چمچ۔

ترکیب:

گوشت کو صاف کر کے ٹکڑے کر لیں پھر ایک پتلی میں آٹھ ڈال کر اس میں پیاز ڈال کر براؤن کر لیں۔ اب گوشت ڈال کر تمام مصالحہ ڈالیں پھر گلنے کے لئے پانی ڈال دیں۔ گلنے پر بھونیں پھر دہی ڈال کر مزید بھونیں اور پھر اس میں قورمہ کا مصالحہ ڈال کر اچھی طرح بھون کر قورمہ تیار کر لیں۔ چاول صاف کر کے بھجودیں پھر ان کو ابالنے وقت تھوڑا سا نمک اور سفید زیرہ بھی ڈال دیں۔ ایک پتلی میں پہلے پیالوں کی تہہ لگائیں پھر قورمے کی طرح اس دو تہہ لگائیں۔ دودھ یا پانی میں زردہ گھول کر چاروں طرف چھڑک دیں پھر بریانی کو دم پر رکھ دیں۔ 15 سے 20 منٹ میں مزید امدادی بریانی تیار ہوگی۔

ذائقہ: سیاہ مرچ پاؤ ڈر حسب ذائقہ۔ میدہ دو کھانے کے چمچے۔ دودھ حسب ضرورت۔ تیل ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب:

ایک اوون پر وف کیسروں ڈش کو تیل لگا کر چکنا کر لیں۔ کیسروں ڈش میں سب سے پہلے سلائس کئے ہوئے آلوؤں کی تہہ لگائیں۔ اس کے بعد اس میں گاجر اور ہر ادھنیا کی تہہ لگا کر حسب ذائقہ نمک اور سیاہ مرچ پاؤ ڈر چھڑکیں۔ سب سے آخر میں گوشت کے ٹکڑوں کی تہہ لگائیں اور اس کے اوپر اتنی مقدار میں ابلتا ہوا گرم پانی ڈالیں کہ صرف گوشت اس سے ڈھک جائے۔ کیسروں ڈش پہ ڈھکن ڈھک کر اسے اوون میں 120°C پر ڈیڑھ گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد کیسروں ڈش اوون سے باہر نکالیں اور گوشت کی تھوڑی سی گرم بخنی کو ایک پیالے میں نکالیں اور اس میں ڈال کر مکس کریں۔ میدے اور بخنی کے مکچر کو کیسروں ڈش میں ڈالیں اور اسے اوون میں رکھ کر دس منٹ تک دوبارہ بیک کریں۔ دس منٹ کے بعد کیسروں ڈش کو اوون سے باہر نکال لیں اور گوشت کی بخنی ہٹا کر دودھ شامل کر دیں اور گرم گرم روٹیوں کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

قیمے کی کچی نیکیاں

اشیاء:

قیمہ ایک کلو (باریک پسا ہوا بغیر ہڈی کے)۔ مین ایک کلو (توے پر ہلکا سا بھون لیں) یا پنے پے ہوئے ایک کپ۔ نمک حسب ذائقہ۔ مرچ حسب پسند۔ لہسن ایک چائے کا چمچ۔ اورک دو چائے کے چمچ۔ خشخاش (پسی ہوئی) دو کھانے کے چمچ۔ دہی سوا کپ۔ گرم مصالحہ (پسا ہوا) ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب:

تمام اشیاء کو قیے میں اچھی طرح مکس کر لیں اور کم از کم دو گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ اب اس کو شامی کباب کی



قارئین کے قلم سے

”ماہنامہ حیا“ کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ ”گلستا حیا“ آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

وقت کی اہمیت

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ ایک مدت تک میں صوفیائے کرام کے پاس رہا، ان کی صحبت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وقت تلوار کی مانند ہے، آپ اس کو عمل کے ذریعے کاٹتے، ورنہ وہ آپ کو حسرتوں میں مشغول کر کے کاٹ ڈالے گا۔

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے: ”دن رات کی گردش آپ کی عمر کم کر رہی ہے تو آپ عمل میں پھر کیوں سست ہیں۔“ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ یہ کام کل تک موخر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: میں ایک دن کا کام بمشکل کرتا ہوں، آج کا کام اگر کل پر چھوڑ دوں تو دو دن کا کیسے کروں گا۔ مثل مشہور ہے: ”وقت پر ایک ٹانگا سو ٹانگوں سے بچاتا ہے۔“ مشہور تابعی عامر بن عبدالقیس کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی بات کرنا چاہی تو فرمانے لگے: ”سورج کی گردش روک دو تو تم سے بات کرنے کے لئے وقت نکال لوں۔“ (یعنی جو وقت گزر جائے گا، اس کو واپس نہیں لایا جاسکتا، لہذا وقت کو بے مقصد کاموں اور باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہئے) حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان فضول مشاغل ترک کر دے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، صحت و فراغت.....

وقت بڑا اگر ان قدر سرمایہ زندگی ہے، اگر وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس پر مداومت حاصل کر لی تو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا۔

زندگی میں تنظیم الاوقات بڑی چیز ہے، دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں، ان کی زندگی کے حالات اٹھا کر دیکھو تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی میں نظام الاوقات کی بڑی اہمیت رہی ہے۔

وقت زندگی کا بڑا سرمایہ ہے، اس لئے اس کی بڑی قدر کرنی چاہئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ صبح و شام تک کی زندگی میں جس قدر مشاغل ہیں، ان کے نظام الاوقات کو مرتب کیا جائے، تاکہ ہر کام مناسب وقت پر آسانی سے ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح سے شام تک اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے، نیند بہت کم کرتے، ایک مرتبہ گھر والوں نے کہا۔ آپ نیند کیوں نہیں کرتے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں رات کو سوؤں تو میں آخرت کو ضائع کروں گا اور اگر دن میں سوؤں تو عوام ضائع ہو جائے گی۔

(انتخاب:..... بنت مولانا عنایت اللہ ساجد، معلمہ جامعہ عائشہ، میرپور خاص)

☆.....☆.....☆

اقوال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

☆..... ایمان اس کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکم شرع پر عمل کرے۔

☆..... تم نے لوگوں کو کیوں غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔

☆..... خشوع و خضوع کا تعلق دل سے ہے نہ کہ ظاہری حرکات سے۔

☆..... مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا چاہئے، تاکہ دعویٰ کرنے والا دیر کے سبب کہیں اپنے دعویٰ سے مجبوراً دستبردار نہ ہو جائے۔

☆..... بد خوئی دوستی سے احتراز لازم ہے، کیونکہ وہ اگر بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے برائی سرزد ہو جاتی ہے۔

☆..... خدا تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے، جو میرے عیوب پر مجھے مطلع فرماتا ہے۔

☆..... جب ایک عالم کو لغزش ہوتی ہے تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔

☆..... لوگوں کے ساتھ نیک خلق آدمی عقل ہے، حسن سوال نصف علم ہے اور حسن تدبیر نصف معیشت ہے۔

☆..... طالب دنیا کو علم پڑھانا راہزن کے ہاتھ میں تلوار فروخت کرتا ہے۔

☆..... کسی کے غلط پر اس وقت تک اعتبار نہ کرنا، جب تک اس کو غصہ میں نہ دیکھ لو۔

☆..... جو عیبوں پر آگاہ کرے، وہ دوست ہے، منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔

☆..... نیکی کے عوض نیکی حق کی ادائیگی ہے اور بدی کے عوض نیکی احسان ہے۔

☆..... کم بولنا حکمت ہے، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔

☆..... بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے بڑھاپا نغیمت جان۔

☆..... ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔

☆..... جب حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوتا ہے، چاہے وہ تھوڑا سا ہی ہو۔

☆..... عزت دنیا مال سے ہے اور عزت آخرت اعمال سے ہے۔

☆..... بدترین آوازیں دو ہیں، ایک لاگ اور دوسری نوحہ کی ہے۔

☆..... کسی کی دینداری پر اعتماد نہ کرنا تا وقتیکہ طمع کے وقت اسے آزمانہ لے۔

☆..... اگر میں ایسی حالت میں مرجاؤں کہ اپنی محنت اور سعی سے روزی کی تلاش کرتا ہوں تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں نمازی ہو کر مروں۔

☆..... میں ہر چیز کے ساتھ اللہ کو دیکھتا ہوں۔

☆..... دوزخ سے بچو اگر چہ آدھے چوہارے کی بدولت ہو، اگر یہ بھی نہ ہو تو میٹھی بات ہی سہی۔

(انتخاب:..... بنت حافظ محمود قریشی، لیاقت آباد، کراچی)

☆.....☆.....☆

لباس پہننے سے پہلے جھاڑنے میں حکمت

(کپڑا پہننے سے پہلے ضرور جھاڑ لیجئے) ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی موذی جانور ہو اور خدا نخواستہ کوئی ایذا پہنچائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے، پہلا موزہ پہننے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک کوا جھپٹا اور وہ موزہ اٹھا کر اڑ گیا اور کافی اوپر لے جا کر اسے چھوڑ دیا، موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جا پڑا، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا: ”ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔“

(انتخاب:..... رابعہ نعیم، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھ، یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”صغیرہ گناہوں کو بھی ہلکا نہ سمجھو، خدا کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے۔“ (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت سلیمان بن مغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا، جسے میں نے حقیر سمجھا، رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک جاننے والا آیا اور مجھ سے کہہ رہا ہے۔ اے سلیمان!

(۱) صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ہلکا نہ سمجھ، یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ (۲) گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کئے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو، اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں۔ (۳) بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھو اور ایسا نہ ہو، جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف

اپنے نفس کو روکے رکھو اور ایسا نہ ہو، جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف

اپنے نفس کو روکے رکھو اور ایسا نہ ہو، جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف

لپک۔ (۴) جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے خدا کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ (۵) اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر، ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔

(انتخاب:.....رمیعا رباب، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

عشق قرآن کی تاثیر کی برکات

قرآن کے ساتھ عشق کی حد تک انسان کی محبت ہو، جب محبت ہوتی ہے تو بندہ پھر اسی کے بارے میں سوچتا ہے، اسی کے ساتھ بیٹھنا گوارا کرتا ہے، اسی کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہے، ہمارے سلف صالحین جتنے بھی گزرے، سب عاشق قرآن تھے، جو عاشق قرآن ہوگا، وہ حافظ بھی بن جائے گا، عالم بھی بن جائے گا، قاری بھی بنے گا، عامل بھی بنے گا، داعی بھی بنے گا، ناشر بھی بنے گا، اسی لئے کہ اللہ کے قرآن کا عاشق جو بننا ہے، یہی حقیقی خوش نصیب ہے۔

اس دور میں خوش نصیب ہے وہ اکبر جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے
(انتخاب:.....اقصی جاوید اقبال، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

اسٹیشن۔ جس کے گرد زندگی گھومتی ہے

تہذیب جدید کی ایک نمائندہ مسلم خاتون سے انٹرویو کے بعض حصے قارئین کی نذر:
سوال:.....آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی ایڑیوں میں سخت درد رہتا ہے، اس کے باوجود آپ ہائی ہیل کی سینڈل پسینتی ہیں، کوئی خاص سبب؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال:.....آپ کو میں نے پارک میں ہر روز جاگنگ کرتے دیکھا ہے، اس کے بدلے اگر آپ گھر ہی میں امور خانہ داری میں مصروف رہیں تو یہ جاگنگ ختم ہو جائے گی، کوئی تبصرہ؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال:.....آپ کے بال قدرتی سیاہ اور چمکدار تھے، لیکن آپ نے انہیں یکا یک ڈائی کر کے براؤن کروالیا ہے، کوئی خاص وجہ؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال:.....آپ نے فرمایا تھا کہ آپ کے کئی غریب رشتے دار بھی اسی شہر میں رہتے ہیں، لیکن میں نے نہ تو انہیں آپ کے ہاں آتے ہوئے دیکھا، اور نہ بھی آپ کو ان کے ہاں جاتے ہوئے دیکھا؟ کوئی خاص وجہ؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال: اپنے شیر خوار بچے کو گود میں لے جانے کی بجائے آپ داکر میں لے کر جاتی ہیں، اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال:.....سالگرہ اور عقیقے کی تقریبات، آپ بہت دھوم دھام سے مناتی ہیں، اس کی کوئی وجہ؟

جواب:.....اسٹیشن

سوال:.....آپ کی ہر تقریب مخلوط تقریب ہوتی ہے، کیا آپ مردوں اور عورتوں کے بیچ میں ایک آڑ نہیں لگا سکتیں، کوئی سبب؟

جواب:.....اسٹیشن

(پیشکش:.....رضی الدین سید، کراچی)

☆.....☆.....☆

ہر مسلمان بہن کے لئے پیغام!

اے بہن! اللہ کی اطاعت اختیار کر، تاکہ کل کو تو اس کی رضا کا تمغہ حاصل کر سکے اور اس کے غصے سے محفوظ رہے۔

اے بہن!

شرعی پردہ اختیار کر اور اس پر قائم رہ، اللہ کی قسم، یہ پر تیرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے، یہ تاج ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تجھے پہنایا ہے، اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، یہ تیرے لئے اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اے بہن!

اللہ تعالیٰ کے علم اور ذہیل سے دھوکہ میں نہ پڑ، اپنی صحت پر مغرور نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اسے غصہ نہ دلاؤ، اللہ کی طاقت سب سے بڑی ہے، اس کی گرفت شدید ہے، اس کا انتقام بڑا سخت ہے، دوسری عورتوں کو دیکھ کر جرات نہ کرو، بے باک اور آزاد عورتیں آپ راہنما نہیں ہیں، آپ کی راہنما اہمات المؤمنین اور صحابیات ہیں، آپ پردہ میں غفلت نہ کریں، یہ پردہ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب کا ذریعہ ہے، باہر جاتے ہوئے پردہ بھی نہ بھولو، دوپٹے کندھوں پر نہیں، سر پر رکھنے کی چیز ہے، تنگ لباس نہ پہنو، جس سے جسم کے خط و خال نمایاں ہیں، ایسے برقعہ سے بھی پرہیز کرو، جو کشش کے باعث ہو، بلکہ سادہ ہو، مردوں جیسا لباس نہ پہنو، اپنے بال نہ کاٹو، ابرو نہ تراشو، مردوں سے اختلاط سے بچو، شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ جاؤ، ایسی عورتوں کی صحبت میں نہ بیٹھو، جو بے حیاء و بداخلاق ہوں، بازار جاؤ تو محرم کو ساتھ لے کر جاؤ، باہر جاؤ تو خوشبو لگا کر نہ جاؤ، بلکہ سادگی اور پوری طرح پردہ کر کے جاؤ، ایسے فیشن کے لباس سے دور رہو، جس سے جسم کے اعضاء نظر آتے ہیں۔

اے بہن!

یاد رکھو کہ تیرا حسن حیا میں ہے، پردہ میں ہے اور سادگی میں ہے۔

(انتخاب:.....رومان جمیل، شادون لنڈ)

☆.....☆.....☆

اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمیں بد نظری سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین
(انتخاب: آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

گناہ گار کی دنیا اور ابرار کی دنیا

گناہ گار کی زندگی نہایت بے سکون اور تلخ ہوتی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ”جو مجھ کو بھلا دیتا ہے، میں اس کو نہایت تلخ زندگی دیتا ہوں۔“

اور جو لوگ حق تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے وعدہ ہے پاکیزہ زندگی کا۔

ومن صالح اعمال والے کو حق تعالیٰ نہایت بالطف زندگی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جو صالحین کہلاتے ہیں، قلیل دنیا کے ساتھ سکون سے جیتے ہیں اور فاسقین نافرمان بندے کثیر دنیا کے باوجود بے سکون رہتے ہیں۔

اف کتنا تاریک ہے گناہ گار کا عالم انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

☆.....☆.....☆

حضرت سفیان ثوریؒ کا واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کبار محدثین میں گزرے ہیں۔ امام کے رتبے کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لباس بہت فاخرہ اور ٹھاٹھ دار پہنتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا: حضرت! بظاہر یہ زہد و قناعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، آپ تو ایسا لباس پہنتے ہیں، جیسے نوابوں کا، فرمایا: ”میں اس لئے پہنتا ہوں کہ اگر میں پھٹے پرانے کپڑے پہن لوں، یہ امیر زادے اور بادشاہ مجھے ناک پوچھنے کا رومال بنالیں، میں اس لئے فاخرہ لباس پہنتا ہوں تاکہ بتلا دوں کہ جو چیز تمہارے پاس ہے، وہ ہمارے پاس بھی ہے، ہم تم سے مستغنی ہیں، کسی درجے میں تمہارے محتاج نہیں ہیں، میں اس نیت سے پہنتا ہوں تو اس نیت سے فاخرہ لباس پہننا یہ خود اطاعت و عبادت ہے۔“ اس لئے اہل اللہ کی کوئی قدم بھی اطاعت و عبادت سے خالی نہیں ہوتا، اللہ والوں میں بہت سے ایسے بھی گزرے ہیں جو پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے، لیکن ایسے بھی ہیں جو فاخرہ لباس پہنتے تھے، لیکن ”بزرگی“ ایک قدرت مشترکہ تھی، یہاں بھی تھی، وہاں بھی تھی، یہاں اور نیت سے تھی، وہاں اور نیت سے تھی۔

(انتخاب: کرن صابر، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

کیا اہل دنیا کو خالق دنیا مل سکتا ہے!

شیخ ابراہیم بن ادھمؒ ایک علاقے کے بادشاہ تھے، رات کو دیکھا کہ ان کے محل کی چھت پر ایک آدمی ٹہل رہا ہے، یہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ہے اور چوری کی نیت سے یہاں آیا ہے، پکڑ کر اس سے پوچھا کہ تم اس وقت یہاں کہاں سے آ گئے؟ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ اصل میں میرا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے، اونٹ تلاش کر رہا

بد نظری کے تین بڑے نقصانات

بد نظری سے انسان کے اندر نفسانی خواہشات کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور انسان اس سیلاب کی رو میں بہہ جاتا ہے، اس سے تین بڑے نقصانات وجود میں آتے ہیں۔

☆..... بد نظری کی وجہ سے انسان کے دل میں خیالی محبوب کا تصور پیدا ہو جاتا ہے، حسین چہرے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیتے ہیں، وہ شخص چاہتا ہے کہ میں ان حسین شکلوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، مگر اس کے باوجود تنہائیوں میں ان کے تصور سے لطف اندوز ہوتا ہے، بعض مرتبہ تو گھنٹوں ان کے ساتھ خیال کی دنیا میں باتیں کرتا ہے، معاملہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
بد نظری کے ساتھ ہی شیطان انسان کے دل و دماغ پر سوار ہو جاتا ہے اور اس شخص سے شیطانی حرکتیں کروانے میں جلدی کرتا ہے، جس طرح ویران اور خالی جگہ پر تند و تیز آندھی اپنے اثرات چھوڑتی ہے، اسی طرح شیطان بھی اس شخص کے دل پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے، تاکہ اس دیکھی ہوئی صورت کو خوب آراستہ و مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرے اور اس کے سامنے ایک خوبصورت بت بنا دے، ایسے شخص کا دل رات دن اسی بت کی پوجا میں لگا رہتا ہے، وہ خام آرزوؤں اور تمناؤں میں الجھا رہتا ہے، اسی کا نام شہوت پرستی، خواہش پرستی، نفس پرستی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اور اس کا کہنا نہ مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔“

ان خیالی معبودوں سے جان چھڑائے بغیر نہ تو ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، نہ قرب الہی کی ہوا لگتی ہے۔ بقول شاعر:..... بتوں کو تو زخیل کے ہوں کہ پتھر کے

☆..... بد نظری کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ انسان کا دل و دماغ متفرق چیزوں میں بٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مصالح و منافع کو بھول جاتا ہے، گھر میں حسین و جمیل نیکو کار اور وفادار بیوی موجود ہوتی ہے، مگر اس شخص کا دل بیوی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا، بیوی اچھی نہیں لگتی، ذرا ذرا سی بات پر اس سے الجھتا ہے، گھر کی فضا میں بے سکونی پیدا ہو جاتی ہے جبکہ یہی شخص بے پردہ گھونسنے والی عورتوں کو اس طرح لپٹائی نظروں سے دیکھتا ہے جس طرح شکاری کتا اپنے شکار کو دیکھتا ہے، بسا اوقات تو اس شخص کا دل کام کاج میں بھی نہیں لگتا، اگر طالب علم ہے تو پڑھائی کے سوا ہر چیز اچھی لگتی ہے، اگر تاجر ہے تو کاروبار سے دل اکٹا جاتا ہے، کئی گھنٹے سوتا ہے، مگر پرسکون نیند سے محروم رہتا ہے، دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ سویا ہوا ہے جبکہ وہ خیالی محبوب کے تصور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔

☆..... بد نظری کا تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ دل حق و باطل اور سنت و بدعت میں تمیز کرنے سے عاری ہو جاتا ہے، قوت بصیرت چھن جاتی ہے، دین کے علوم و معارف سے محروم ہونے لگتی ہے، گناہ کا کام اس کو گناہ نظر نہیں آتا، پھر ایسی صورت حال میں دین کے متعلق شیطان اس کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے، اسے دینی نیک لوگوں سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں، حتیٰ کہ اسے دینی شکل و صورت والے لوگوں سے ہی نفرت ہو جاتی ہے، وہ باطل پر ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور بالآخر ایمان سے محروم ہو کر دنیا سے جہنم رسیدہ ہو جاتا ہے۔

ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ تمہارا دماغ صحیح ہے؟ اونٹ کہاں اور محل کی چھت کہاں۔ اگر تیرا اونٹ گم ہو گیا ہے تو پھر جنگل میں جا کر تلاش کر، یہاں محل کی چھت پر اونٹ تلاش کرنا بڑی حماقت ہے، تم احق انسان ہو، اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل کی چھت پر اونٹ نہیں مل سکتا تو پھر اس محل میں خدا بھی نہیں مل سکتا، اگر میں احق ہوں تو تم مجھ سے زیادہ احق ہو، اس لئے کہ اس محل میں رہ کر خدا کو تلاش کرنا اس سے بڑی حماقت ہے، بس اس کا یہ کہنا تھا کہ دل پر ایک چوٹ لگی اور سب بادشاہت وغیرہ چھوڑ کر غیر آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

☆.....☆.....☆

خدا کی پھٹکار

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس پر خدا کی پھٹکار ہے اور اس کے لئے رحمت سے محرومی ہے، سوائے خدا کی یاد کے اور ان چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور سوائے عالم اور محکم کے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی ماجہ)

(انتخاب:.....رخسانہ، فرزانه، ریحانہ، کمالیہ)

دنیا اور آخرت کی بھلائی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس کو تین چیزیں مل گئیں، اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی۔

☆.....اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہونا۔

☆.....مصیبتوں پر صبر کرنا۔

☆.....راحت کے وقت دعا کرنا۔

بظاہر یہ چیزیں بہت معمولی سی دکھائی دیتی ہیں، لیکن حقیقتاً ان میں سے ہر ایک دولت و راحت کا ختم ہونے والا خزانہ ہے۔

(انتخاب:.....سوریا چوہدری، ملتان)

☆.....☆.....☆

یہ بول بڑے انمول

☆.....جب کوئی کسی سے رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے لہجہ کی مٹھاس ختم کرتا ہے۔

☆.....اچھے لوگ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆.....وفا سیکھنی ہو تو پھول سے سیکھو، جو شاخ سے جدا ہو کر مر جھا جاتا ہے۔

☆.....موت کو یاد کرو، زندگی عطا کی جائے گی۔

☆.....سب سے مشکل کام اپنی اصلاح اور سب سے آسان کام دوسروں پر نقطہ چینی کرنا ہے۔

☆.....آئینہ ہمیشہ سچ دکھاتا ہے۔

☆.....اگر تم اپنے کسی دوست سے لڑائی کر کے جیت بھی جاؤ مگر ایک "اچھا دوست" ہار جاؤ گے۔

(انتخاب:.....حافظہ وسطی چوہدری، ملتان)

☆.....☆.....☆

حضورؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کی ہجرت اور انتقال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا نبوت سے دس برس پہلے جبکہ حضورؐ کی عمر شریف 30 برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا، ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکیں، ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے، اہل مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیے ارسال کئے تو حضرت زینت رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لئے مال بھیجا، جس میں وہ ہار بھی تھا، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دیا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہو گئی، آبدیدہ ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو آدمی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لینے کے لئے ساتھ کر دیئے، وہ مکہ سے باہر ٹھہر جائیں ابوالعاص اپنی اہلیہ کو ان کے پاس پہنچا دیں گے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے دیور کنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں، کفار کو جب اس کی خبر ہوئی تو آگ بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مزاحمت کے لئے پہنچ گئی، جن میں ہبار بن اسود جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، وہ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، اندونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے حباد ہی لکھا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مارا، جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چونکہ حاملہ تھیں، اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہو گیا، کنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا، ابوسفیان نے ان سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان چلی گئی، یہ تو گوارہ نہیں، اس وقت واپس چلو، پھر چپکے سے بھیج دینا، کنانہ نے اس کو قبول کر لیا اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھیں اور میری محبت میں ستائی گئی، دفن کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے، اترتے وقت بہت رنجیدہ تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب رضی اللہ عنہا کے ضعف کا خیال تھا، میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی ہٹا دی جائے تو اللہ نے قبول فرمایا۔

(انتخاب:.....حلیمہ سعدیہ، بنت نور محمد خان)

☆.....☆.....☆

اللہ والے حج کیسے کرتے ہیں؟

☆..... حضرت شبلیؒ کا ایک مرید تھا، وہ کچھ عرصہ غائب رہا، جب ملاقات ہوئی تو پوچھا، ”بھئی کہاں گئے تھے؟“ ”حضرت حج کرنے گیا تھا۔“ فرمایا! بھئی ادھر آؤ، کیسے حج کیا؟ کہنے لگے، حضرت میں نے احرام پہنا تھا، فرمایا، اچھا جب تم نے احرام پہنا تھا اور لباس اتارا تھا تو اس وقت گناہوں کا لباس اتارنے کی بھی نیت کی تھی؟ حضرت! میں نے یہ نیت تو نہیں کی، اچھا جب تم نے احرام پہنا تھا تو تقویٰ کا لباس پہننے کی بھی نیت کی تھی؟ حضرت میں نے تو یہ نیت نہیں کی تھی، اچھا جب تم نے تلبیہ پڑھا تھا تو لبیک کہتے ہوئے اپنے دل و جان سے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کیا تھا؟ حضرت میں نے یہ نیت تو نہیں کی تھی، فرمایا، اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم گئے تھے طواف کرنے کے لئے تو پھر تمہیں حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے محبوب کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی بھی لذت نصیب ہوئی تھی؟ حضرت ایسی تو کوئی کیفیت نہیں ملی۔ اچھا یہ بتاؤ جب ملترم سے لپٹے تھے تو محبوب سے معاف کرنے کی لذت بھی ملی تھی؟ حضرت ایسی تو کوئی کیفیت نہیں ملی، فرمایا، اچھا یہ بتاؤ جب غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگی تو کیا محبوب کے دامن کو پکڑ کر اپنی آرزو پیش کرنے کی کیفیت ملی تھی؟ حضرت ایسی تو کوئی نہیں ملی، اچھا جب تم نے رمل کیا تھا تو کیا اس وقت نفروالی اللہ والی کیفیت ہو گئی تھی؟ حضرت ایسی کیفیت کوئی نہیں حاصل ہوئی تھی، فرمایا، اچھا جب عرفات میں پہنچے تھے تو کیا تمہیں اللہ کی معرفت مل گئی تھی؟ حضرت نہیں، وہ تو نہیں ملی تھی، فرمایا، اچھا جب تم مزدلفہ میں آئے تھے تو بتاؤ کہ وہاں پر تمہیں حقوق العباد کے بارے میں یہ کیفیت آ گئی تھی کہ بھئی میں نے واقعی سب کے حقوق ادا کرنے ہیں اور اللہ سے مجھے ان کی کوتاہی پر معافی مانگنی ہے؟ حضرت یہ تو نہیں ہوا تھا، اچھا جب منیٰ آئے تھے اور شیطان کو کنکریاں ماری تھیں تو کیا دل سے شیطان کے ساتھ پکی دشمنی کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا؟ حضرت! ایسا تو نہیں کیا تھا۔ اچھا جب تم نے قربان کی تھی تو قربانی کرتے ہوئے اپنے اندر کے نفس کو بھی اللہ کے سامنے قربان کرنے کی نیت کی تھی؟ حضرت میں نے ایسی نیت کو کوئی نہیں کی، فرمایا، جب تم طواف زیارت کے لئے آئے تھے تو کیا تمہیں محبوب کی زیارت اس کی تجلیات کا دیدار نصیب ہوا تھا؟ اس نے کہا، حضرت ایسا تو کچھ نصیب نہیں ہوا تھا، فرمانے لگے کہ اگر تمہیں اس میں سے کچھ بھی نصیب ہوا تو یوں سمجھو کہ تم نے کوئی حج کیا ہی نہیں، اب جاؤ اور جیسے میں نے سمجھایا آئندہ ان کیفیتوں سے جا کر حج کر کے آنا۔ اللہ، ان اللہ والوں کی کیفیتیں بھی کیا عجیب ہوتی ہیں اور ہم عاجزوں کی کیا؟؟ ہم کام کو کرتے تو ہیں مگر ویسے نہیں جیسے کرنا چاہئے، اس لئے اس پر استغفار کریں، اللہ کی رحمت اور مدد بھی مانگتے رہئے، اللہ رحم فرمائے۔ (آمین)

(خدیجہ رشیدی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

کھانے کا معمول

☆..... جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو دنیا سے زہد و قناعت اختیار کی، عیش و عشرت پر لات ماری اور انواع و اقسام کے کھانے یکسر ترک کر دیئے، معمول یہ تھا کہ جب آپ کا کھانا تیار ہو جاتا تو کسی چیز میں ڈھک کر رکھ دیا جاتا، جب تشریف لاتے تو اسے خود ہی اٹھا کر تناول فرماتے۔ (بحوالہ: سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ) (حافظہ مصباح ناز، کراچی)

حیا کی محفل



تمام قارئین کی خدمت میں محبتوں بھر اسلام

امید ہے آپ سب خیر و عافیت سے زندگی کے ایام گزار رہے ہوں گے، ماہنامہ حیا کا نیا شمارہ حاضر ہے، آپ بھی سابقہ شمارہ پڑھ کر تازہ شمارے کے منتظر ہوں گے۔ جس وقت ماہنامہ حیا کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا، تو دل میں طرح طرح کے وسوسے اور دماغ میں طرح طرح کے اندیشے جنم لے رہے تھے کہ اس عریانی اور فحاشی کے دور میں جہاں ہر ڈائجسٹ اور میگزین نیم عریاں تصاویر اور غیر اخلاقی کہانیوں اور تحریروں سے بھرے ہوتے ہیں، اس تصاویر سے پاک اور اخلاقی اور پاکیزہ تحریروں سے مزین رسالے کو کون پڑھے گا؟..... لیکن جب رسالہ چھپا تو توقع سے بڑھ کر پذیرائی ملی، اکابر علماء نے سرپرستی فرمائی، دست شفقت ہمارے سروں پر رکھا، دعاؤں سے نوازا اور آپ قارئین نے حوصلہ افزائی کی، اس رسالے کو بڑھانے میں کوشش کی، دعاؤں کے انبار لگا دیئے، یوں آج یہ رسالہ دوسروں کے لئے مشعل راہ بن گیا اور ثابت ہو گیا کہ اس وقت بھی کئی سارے لوگ ان مخرب اخلاق اور حیا باخستہ ڈائجسٹوں سے نفرت کرتے ہیں، جس کی سب سے بڑی دلیل حیا کے قارئین کی بڑھتی ہوئی تعداد ہے۔

آخر میں ایک خوش خبری..... عن قریب ادارہ ماہنامہ ”حیا“ اپنے قارئین کے لئے چند نئے ”سلسلے“ اور ایک ”خاص نمبر“ لے کر حاضر ہوگا۔ انتظار فرمائیے۔

نئے سلسلوں سے متعلق اگر آپ کے ذہنوں میں کوئی پلاٹ ہو تو ہمیں ضرور بتائیں۔

مہر افروز مہر

✉ قرۃ العین خالد کمالیہ سے لکھتی ہیں: مکرمہ و محترمہ آپ! جان، مہر افروز مہر، السلام علیکم! میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے امید کرتی ہوں کہ آپ خوش و خرم اور ”حیا“ کی تیاری میں کوشاں ہوں گی، آپ! جان، سارا رسالہ ہی پڑھا، نہایت زبردست تھا، رسالہ اس بار جلدی مل گیا۔ ”مائیکل“ دیکھا، زبردست منظر کشی کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہا تھا، آگے اشتہارات دیکھنے کے بعد ”روح افزا“ پیا اور پھر پچنی ”فرمان الہی“ پر، اس کے بعد ”نور نبوت“ میں کہ ”شہید

کون ہوتا ہے؟ ابھی پڑھ رہی تھی، کھل کر ہی لیا تھا کہ غیر مانوس سی آواز سنائی دی، ارے یہ تو آواز نگرانِ اعلیٰ کی تھی، خیر سارا کچھ پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے کے بعد کہانیوں کی طرف رخ کیا۔ ”رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم“ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ: ”ازدواجی زندگی کی بہار“ پھر مفتی صاحب کی مجلس سے استفادہ حاصل کرنے کے بعد باقی کہانیاں پڑھیں، تمام ہی نہایت عمدہ تھیں، مگر ”سنو میں اک راز کہتی ہوں“ پڑھ کر افسوس ہوا، صاحب کو طلاق نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر خیر اگر علوان ٹھیک ہو جاتا تو..... اس کا اختتام ٹھیک لگا اور ”جو ہو ذوق یقین“ میں محمد امجد صاحب نے بھرپور طریقے سے ظلم کی عکاسی کی ہے لیکن اگر کوئی غیرت مند اٹھے تو تب ہے نا۔ ”اے جذبہ دل“ فرحانہ عزیز کی بہت پسند آئی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، آگے مریم غازی کی ”تیرے عشق کی انتہا چاہئے“ ہمیشہ کی طرح زبردست تھی، مولانا اسلم شیخ پوری صاحب کے بارے میں مضمون بہت دکھی تھا، تمام کہانیاں ہی اچھی تھیں، سب پر تبصرہ نہیں کر سکتی، ورنہ مہر آبی نے خط صاحب کا وجود دیکھ کر ”حیا کی محفل“ میں داخلے کی اجازت ہی نہیں دینی، کیونکہ ابھی اور تبصرہ بھی کرنا ہے، خطوط وغیرہ پر، لیکن ”گھر کہانی“ بنتِ اعظم صاحب کی، اس کے بارے میں کہوں گی کہ یہ آج کی نوجوان نسل کے لئے عبرت آموز سبق ہے، اگر کوئی سمجھے تو، ”گھر کا اجالا“ بھی اچھا لگا، مگر دیکھی، ”سہانا بچپن“ بھی اچھا تھا اور ”روشن چراغ“ بھی، ”میری پسند“ تمام ہی زبردست تھی اور ”تبسم“ بھی، ”باورچی خانے“ سے کچھ منتخب نہیں کر سکتی، کیونکہ کبھی میں نے کچھ پکایا ہی نہیں، اب شروع کی ہے کوکنگ، ”گلدستہ حیا“ میں بھی تمام انتخاب اچھے تھے، ”حیا کی محفل“ میں بنتِ مسعود صاحبہ نے راز سے پردہ اٹھائی دیا، صاحبہ مسعود صاحبہ یعنی بنتِ مسعود آپ کے لیے بریک کے بعد خوش آمدید، دیکھ لیں، پھر کمالیہ والوں کی کیا بات ہے، بس غرور نہیں کرتے کمالیہ والے، آپلی جان، ایک کہانی بھی تھی، اس کے بارے میں بتادیں، اگر ناقابلِ اشاعت ہے تو بتادیں تاکہ انتظار ختم کریں ہم، آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ آپ سب صحت و تندرستی کے ساتھ اسی طرح کام کرتے رہیں، آمین..... اور تمام قارئین سے درخواست ہے کہ مجھے اور میرے ساتھ کو اپنی عمومی و خصوصی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، کیونکہ غائب کی دعا غائب کے لئے جلدی قبول ہوتی ہے، آپ کی دعاؤں کی طالب گارر ہوں گا۔ آخر میں ”گلدستہ حیا“ کے لئے دعا: ”یا اللہ ہمارا حیا“ پھولوں کی طرح مہکتا رہے، پرندوں کی طرح چہکتا رہے، کھیتوں کی طرح لہلہاتا رہے، چاند کی طرح جگمگاتا رہے، سورج کی طرح روشنی پھیلاتا رہے اور لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھاتا رہے۔

قرآنِ امین صلب، حیا کی پسندیدگی کا بہت شکریہ، آپ کی ارسال کردہ کہانی ابھی پڑھنے کا موقع نہیں ملا، اور پڑھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی..... اور ہاں، آپ نے کوکنگ شروع کر دی ہے تو باورچی خانہ میں پہلا دن کیسا گزرا اور کوئی خاص کارنامہ تو انجام نہیں دیا؟؟؟ ضرور بتائیے گا۔

☆.....☆.....☆

حافظہ وسطی چوہدری ملتان سے لکھتی ہیں: پیاری آپلی جان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید کرتے ہیں کہ آپ اور ”حیا“ کی پوری ٹیم خیر و عافیت سے ہوں گی۔ شمارہ ہاتھوں میں آتے ہی سب سے پہلے ”حیا کی محفل“ کی طرف پوری رفتار سے دوڑے، بڑی بے قراری سے سب بہنوں کے جھرمٹ میں خود کو ڈھونڈنے کی کوشش کی، ارے یہ کیا..... سچی کیا واقعی..... یہ ”ہم“ ہی ہیں، ہم جہاں تک آنکھیں پوری طرح سے کھول سکتے تھے، کھول کر اپنے خط کو دیکھنے لگے، بے ساختہ ہمارے چہرے پر ایک خوب صورت سی مسکراہٹ دوڑ گئی، پھر اچانک کچھ یاد آتے ہی ”تبسم“ کی طرف دوڑ پڑے، وہاں بھی اپنا نام دیکھ کر ہماری بانچھیں کھل گئی، ارے واہ..... اتنی جلدی ہماری چیزیں شائع ہو جائیں

گی، ہمیں تو امید ہی نہیں تھی، پتہ نہیں کیوں اس بار ہمیں ”حیا“ کچھ زیادہ ہی پسند آیا، کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ”کیوں؟“ اس کے بعد ہم چھلانگ لگا کر ”تیرے عشق کی انتہا چاہئے“ پر پہنچ گئے، ہائے بے چاری کیوٹی امن، ہمیں اس پر بہت ترس آتا ہے، اس کے بعد ہم ”ممتا کے سائے“ میں کم ہو گئے، ابھی ہمارا باہر آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مجبوراً واپس آنا پڑا، کیونکہ ”جاری ہے“ ہمارے سانسے بلند و بالا دیوار کی طرح جو کھڑا تھا، اس لئے ہم ”سنو میں اک راز کہتی ہوں“ میں غوطہ زن ہو گئے، بخت عبد المجید صاحبہ ”دلِ ڈن“ کیا انداز ہے آپ کا اور ہماری پیاری آپلی ”تبسم محسن علوی“ صاحبہ کی کاوش ”جلترنگ“ میں جب پہنچے تو پوری طرح اس میں کھو گئے، واہ..... کیا چٹاؤ ہوتا ہے الفاظ کا کہ بندہ اس میں ایسے کھو جاتا ہے کہ واپس آنے کو دل ہی نہیں کرتا اور پھر جب ہم ”ایک زندگی ایک کہانی“ پر پہنچے تو ٹھٹھک کر رہ گئے، کیونکہ یہاں بھی ”ہم“ موجود تھے، ارے واہ..... ہمارے تو وارے نیارے ہو گئے، ابھی آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے ہمیں ”حیا“ میں اتنی ساری..... جگہ دی، غرض پورا شمارہ ہر لحاظ سے زبردست لگا، بلکہ کچھ زیادہ ہی زبردست لگا، پتہ نہیں کیوں..... حیا میں لکھنے پڑھنے والیوں کو میرا ڈھیروں سلام!

کچھ ارے وسطی صاحبہ، جب رسالے میں ایک سے زائد جگہ آپ کا نام جگمگائے گا تو رسالہ کیوں اچھا نہیں لگے گا آپ کو.....

☆.....☆.....☆

لکھتی فیصل فیڈرل بی ایریا ڈسٹریکٹ کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ مدبرہ راحت ارشد صاحبہ! میں گزشتہ ماہ سے آپ کے رسالے میں لکھ رہی تھی، پھر تھوڑا وقفہ آیا، مجھے بہت خوشی ہوئی تھی کہ آپ میری تحریر اپنے رسالے کی زینت بناتی ہیں، اس بار بھی ایک حقیقت پر مبنی مضمون بھیج رہی ہوں، امید ہے، ضرور از ضرور شائع کریں گی اور مجھے خوشی کا موقع عنایت کریں گی۔

لکھتی صلب، آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں، امید ہے آئندہ اتنی لمبی چٹھی نہیں کریں گی۔

☆.....☆.....☆

اقراء صدیقہ میانوالی سے لکھتی ہیں: محترمی و مہر آبی اور پیاری راحت آپلی..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد از سلام امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گی، اس مختصر سے خط کے ساتھ ”حیا کی محفل“ میں آنے کی اجازت چاہتی ہوں.....! آج تیسرا روزہ ہے اور امید کرتی ہوں کہ تمام لوگ رمضان کے روزوں سے پوری طرح مستفید ہو رہے ہوں گے اور جب تک میرا یہ خط پہنچے گا آپ تک..... تب تک تو شاید یاقینا عید گزر چکی ہوگی، اس لئے تمام قاریات بہنوں کو اور دیگر ”حیا“ کے اسناف کو میری طرف سے ایڈوانس ”عید الاضحیٰ مبارک“ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین..... آپلی جان! ایک آٹو گراف بک ارسال کر رہی ہوں، امید ہے آپ اور راحت آپلی ضرور کوئی بہترین سی نصیحت ارسال کریں گی، پلیز انکار مت کیجئے گا..... آج تیرہ تاریخ ہے، مگر ”حیا“ ابھی تک موصول نہیں ہوا، آپ کے کہنے پر بھائی کی بہت منت سماجت کی کہ وہ سرکولیشن منیجر سے رابطہ کرے، مگر وہ بھی مہاڈھیٹ ہے، نس سے مس نہیں ہو رہا، خیر ہم بھی امید کا دامن مضبوطی سے تھامے ہیں، کیوں کہ ہونہ ہو، 21 تاریخ کے بعد تو ”حیا“ ضرور آ جاتا ہے۔ آپلی جان، کئی خطوط اور دو تین کہانیاں بھی ارسال کی ہیں، مگر ابھی تک ان کا کچھ پتہ نہیں ہے، دعا ہے کہ اللہ ہم سب کی تمام مشکلات کو حل کریں۔ آمین

اقراء بیٹا، آپ کو بھی ایڈوانس ”عید الاضحیٰ“ مبارک، آپ کی آٹو گراف بک مل گئی ہے، ان شاء اللہ

میں تو اس پر آؤ گراف دے دوں گی، لیکن راحت بہن سے آؤ گراف لینا مشکل ہے، کیوں کہ وہ تو مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہیں..... اور ہاں!! جس طرح آپ کو اپنے خطوط اور تحریر کا نہیں پتہ، کہاں گئے؟ تو ہمیں بھی نہیں پتہ، انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا؟؟

☆.....☆.....☆

✉ بنت محمد الیاس نیازی واہد اثاؤن کو ہلوالہ گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! سب سے پہلے ”حیا“ کو سات سال پورے کرنے پر دلی مبارک باد، اللہ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ تابعد جاری رہیں، آمین..... امید پر یقین ہے کہ آپ اس مالک کی خصوصی رحمتوں کے باعث صحت، عافیت اور حالت ایمانی میں ہوں گے، اللہ مجھ سمیت تمام قارئین کو دین کی سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین..... حیا مل گیا مگر ملا 15 تاریخ کو، بڑا انتظار تھا کہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیں گے لیکن مل گئی امیدیں ساری خاک میں..... لیکن پھر یہی امیدیں بہار کے خوب صورت پھول دار پودوں کی طرح اپنی نئی کونپلیں ظاہر کرنے لگی۔ ”سورق“ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ ”فرمان الہی“ اور ”نور نبوت“ اپنی مثال آپ تھے۔ ”آواز حیا“ بھی آج اپنا نیا چہرہ دکھا رہا تھا، نگران اعلیٰ نے جس خوب صورت انداز میں لکھا، وہ لا جواب ہے، بھی آج میں صرف ”رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم“ کے بارے میں ہی بات کروں گی، ایک طرف تو دل اس ہے کہ ایسا خوب صورت اور لا جواب سلسلہ مکمل ہو گیا، لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ بڑی تن دہی سے، جو کاوش بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کی گئی، قبول ہو چکی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان، جس کے دل میں اللہ کا رسول بستا ہے، اس تحریر سے ضرور متاثر ہوا ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، اختتامیے میں آفاقی انکل نے جو آج کل کے طلبہ کے بارے میں بیان کیا، یہ تو پھر بھی کم لوگوں نے سرے سے اپنی زندگیوں، اعمال و افعال اور سوچوں تک سے اسلامی احکامات اور ارشادات نبوی کو جو کر دیا ہے، اس حالت زار میں اپنا حال یہ ہے کہ ان باتوں کو سن کر، دیکھ کر جی بھرا آتا ہے، پھر بھی حتی المقدور کوشش تو کرتے ہیں، وہ بچے، جنہیں کل ملت اسلامیہ کے اوج کا ستارہ بننا ہے، وہ غیر قوموں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں، بچپن میں ہی انہیں ان کی وحشی غلامی کی تیاری کروادی جاتی ہے اور ساری عمر پھر انہیں اگلے سیدھے کاموں میں گزر جاتی ہے، بہر حال کس کس زخم پر مرہم رکھا جائے، ہم اللہ سے ہدایت کی دعا ہی کر سکتے ہیں، یہاں تو بہت کام رفو کا نکلا، ہم نے اپنی امی حضور کو بتایا کہ اس دفعہ ”رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم“ مکمل ہو گئی ہے، تو فرمانے لگی کہ اب پھر یہ کوئی اور اس طرح کا سلسلہ شروع کریں گے کہ نہیں، میں نے دلا سہ دیا کہ ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی ضرور سلسلہ شروع ہوگا، آفاقی انکل بہت بہت زیادہ مبارکباد کہ آپ کے قلم سے نکلنے والے خوب صورت الفاظ نے پتہ نہیں کتنے پتھر دل موم بنادیئے ہوں گے، سیرت رسول کے تذکرے تو ازل سے ابد تک جاری رہ کر بھی کما حقہ اس کا وہ حق پورا نہ کر سکیں گے، جو سیرت رسول رکھتی ہے، لیکن ان خوش نصیبوں میں نام لکھوانا ہی دنیا میں جنت کے مزے دیتا ہے، اللہ آپ کی اس کاوش کو ان تمام تشنہ لبوں کے لئے جام سرور بنادے، جو جہالت کی عمیق اور اندھیر نگری میں گمناں ہو چکے ہیں، اللہ آپ کے قلم کو اس جہاد کی توفیق دے کہ جس سے وہ سرکش انسان بھی راہ راست پر آجائیں، جو آج انسانیت کی تذلیل کا باعث ہیں، اللہ آپ کے جذبوں، امنگوں کو مزید جولانیاں عطا فرمائے، حق لکھنے کی توفیق دے۔ ”حیا“ سے اپنا ناظرہ نہ توڑیے گا، ہمیں اپنی تحریروں سے تشنہ کام نہ رکھئے گا، ہمیں آپ کی تحریروں کا انتظار رہے گا، اب اگر آپ اسی طریق پر تاریخ اسلام کے حوالے سے خواتین اور بچوں کو تربیت بنیاد بنا کر کوئی تحریر پیش کریں تو سونے پر سہاگہ ہوگا۔ باقی تمام تحریریں بھی اچھی تھیں..... ہیں یہ کیا..... بہنوں کے منہ لٹک گئے، اتنا سا تبصرہ؟ کوئی بات نہیں، اس دفعہ اتنے پر ہی اکتفا کر لیجئے، کیا کہا؟..... نہیں؟ کیوں نہیں بھی، کیا میں چھوٹا خط نہیں لکھ

سکتی۔ لوجی، پھر آپ سب بہنوں کے پر زور اسرار پر تبصرہ حاضر ہے تمام تحریروں کی سردار ”رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم“ انگوٹھی میں جڑے ہیرے بلکہ گننے کی طرح دک رہی تھی۔ ”حضرت شامہ بن اٹال“، ”ازدواجی زندگی کی بہار“، ”خاندانی اختلافات“، ”فداک ابی دامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“، ”شادی کے احکام“، ”سفر سکون کی طرف“، ”انبیاء کے دیس میں“، ”سنتھیا سے آمنہ“، ”جذبہ ایثار“، ”آخر کرب تک“ سب تحریریں بہترین تھیں، واہ بھئی کمال کر دیا، بنت عبد المجید آپ کی تحریر نے پھر رونے پر مجبور کر دیا، علما، تو ایک طرف، وہ لوگ جو دین کی تھوڑی سمجھ بوجھ رکھ کر اس پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں، ان پر وہ بھپٹیاں کسی جاتی ہیں کہ الامان، یہ تو پھر علمائے کرام ہیں، بس اللہ بچائے شریروں کے شر سے۔ ”جوہر و ذوق یقین“، ”اے جذبہ دل“، ”تیرے عشق کی انتہاء“، ”ایک نئی صبح“، ”زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے“، ”ممتا کے سائے“، ”یقین کی روشنی“، ”مسافت بے نشان“، ”سب ایک سے بڑھ کر دو تین چار بلکہ پتہ نہیں کیا تھیں، ویسے میں یہ شریڈ بتا رہی ہوں، اس میں اب مولانا فضل کے افادات ڈالے، لیکن بھئی میں نے کسی چیز کا اسراف نہ کیا، لہذا اسراف کے انجام سے بے خوف ہے، ممتا کا میوہ بھی لا جواب ہے، رضی الدین سید کی تحریر بڑی دیر بعد رسالے کی زینت بنی ہے، کہاں تھا آپ انکل؟..... بہر حال تحریر ہمیشہ کی طرح بہترین تھی، ”اجالے دھند کے اس پار“، ”انوکھی بیوی“، ”گھر کہانی“، ”گھر کا اجالا“، ”سہانا بچپن“، ”روشن چراغ“، ”میری پسند“ اور ”تبسم“ کا چٹ پٹا مصالحو بھی شریڈ میں ڈالا، اب آگے چلتے ہیں، ہیں! ”باورچی خانہ“ نہ جی نہ گری، لوڈ شیڈنگ، ویسے یہ ڈش ہر کوئی نکال بندہ بھی بنا سکتا ہے، نام کیا ہے بھلا اس ڈش کا، گرمی لوڈ شیڈنگ، واہ جی واہ، آگے چلو، لوگ گھور رہے ہیں، نظر نہ لگوا لیتا، ”گلدستہ حیا“ سے ہم نے اپنے شریڈ کو سجایا، واہ جی، کیسا روپ آیا، ”حیا کی محفل“ بھی بھری پڑی تھی، ساری بہنیں آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں کہ شریڈ کون کھائے گا، تو میں تو کسی کو نہ دوں گی، اپنی عدا آپ کے تحت بنائیے اور کھائیے اور داد ہمیں دیجئے کہ ہم نے اتنا آسان طریقہ بتایا، تو یہ تھا ہمارا ننھا مننا، چنا مننا، ننھا مننا گل کو ننھا سا تبصرہ، کیسا لگا، نہ بھی بتائیں تو مجھے پتہ ہے کہ آپ اسی کا انتظار کر رہے ہیں، ہے یا نہیں ہی.....

✉ محترمہ بنت الیاس صاحبہ، حیا پر اس قدر عمدگی کے ساتھ تفصیلی تبصرہ وہ بھی مزے دار ڈش ”شریڈ“ کی صورت میں..... آپ کا تبصرہ تو خیر اپنی جگہ، لیکن شریڈ کا نام سن کر تو منہ میں پانی آ گیا۔

☆.....☆.....☆

✉ بنت اعظم کراچی سے لکھتی ہیں: مہر آنٹی، السلام علیکم! امید ہے ”حیا“ کی ٹیم خیریت سے ہوگی، آنٹی میں پہلے بھی دو کہانیاں بھیج چکی ہوں، یقیناً آپ کو مل گئی ہوں گی، اب یہ میں تیسری کہانی بھیج رہی ہوں، اگر معیار کے مطابق لگیں تو شائع کر کے شکریہ کا موقع دیجئے گا۔

✉ جی، ضرور!

☆.....☆.....☆

✉ رافعہ عبدالغنی کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے کہ باجی آپ سمیت تمام کارکنان ”حیا“ بخیر و عافیت ہوں گے۔ ”حیا“ ہاتھ میں ہے، سب سے پہلے پروفیسر خیال آفاقی صاحب کو ”رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر دلتشین سلسلے کے اختتام پر مبارکباد ہو، اللہ ان کے اس عمل کو اپنی بارگاہ الہی میں قبول فرمائے، اس سلسلے کو کسی کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین..... بنت مولانا عبد المجید کے قلم سے ”سنو میں اک راز کہتی ہوں“ بھی اپنے اختتام کو پہنچی، صاحب کو طلاق ہو گئی، ہم نے سوچا تھا کہ علوان کو صاحب کے ذریعے ہدایت ملے گی، تحریر کا اختتام اچھا نہیں ہوا، پڑھ کر افسوس ہوا کہ کاش نہ پڑھتے، یہ خوش فہمی تو

رہتی کہ عنقریب علوان بھی سحاب کے رنگ میں رنگ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پکا امتی بننے والا ہے، مریم غازی کی تحریر ”تیرے عشق کی انتہا چاہئے“ چمکتی دکتی کھلتی ہوئی ملی، مریم غازی، خدار اپنی تحریر کے صفحات بڑھالیں، ورنہ..... ورنہ ہم صبر کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ”اجالے دھند کے اس پار“ بنت مسعود کا اچھا انداز تھا، بنت مسعود ہر دفعہ ”حیا کی محفل“ میں بیس چاند لگانے کے لئے آجایا کریں، ہم آپ کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتے ہیں، باقی ”مگدستہ حیا“، ”میری پسند“ اور ”تبسم“ بھی چمکتے دکتے، لہلہاتے، کھکتے اور مسکراتے ہوئے ملے، باجی میں اسمائے حسنی کے معنی اور ان کے خواص بھی چنا چاہ رہی ہوں، تاکہ ہر ماہ ایک نام کے معنی اور خواص شائع ہوں اور قارئین اس سے مستفید ہو کر اپنی پریشانیوں سے نجات پائیں، اگر میری بات پسند آئے تو ضرور بتائیے گا اور لفظ اللہ کے معنی اور خواص بھیج رہی ہوں، شائع کر کے شکر یہ کا موقع دیں، پھر ان شاء اللہ ہر ماہ ایک نام کے معنی اور خواص قارئین کی نظر کئے جائیں گے، جب یہ خط ”حیا“ میں پہنچے گا، تمام قاری عید کی خوشیوں سے گوڑے گڈے ڈبوئے ہوں گے، تمام قارئین کو میری طرف سے دلی عید مبارک، اس پر مسرت موقع پر مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

کھ بٹی رافعہ، آپ اسمائے حسنی کے خواص ضرور بھیجیں، لیکن کوشش کریئے گا کہ وہ مستند کتابوں سے ماخوذ ہوں اور اگر ساتھ حوالے بھی تحریر کر دیں تو سونے پر سہاگ۔

☆.....☆.....☆

✉ محمد افسر شاہ ولد نور محمد شاہ کینال کالونی میانوالی سے لکھتے ہیں: محترمہ وکرمہ آپنی راحت واپی مہر صاحبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید واثق ہے کہ آپ اللہ کے فضل وکرم سے خیر و عافیت سے ہوں گی اور دن رات ہمارے پیارے رسالے کو خوب صورت سے خوب صورت تر بنانے میں مصروف ہوں گی، سب کو سلام، آپنی جان! مجھے ”حیا“ رسالہ بہت پسند ہے، اس کا ایک ایک لفظ معلومات سے بھرپور ہے، آپنی خط لکھنے کا اصل مقصد چند ہفتے پہلے بھیجے جانے والے خط کے بارے میں دریافت کرنا ہے، میں نے دو تین ہفتے پہلے ایک خط بھیجا تھا، اس میں 150 روپے بھیجے تھے کہ آپ فروری 2010ء اور دسمبر 2012ء کا شمارے ارسال کر دیں، لیکن وہ ابھی تک نہیں پہنچے، بہت اب سیٹ ہوں کہ یہ نہیں کیا پر اہم ہے کہ رسائل ابھی تک نہیں پہنچے، دو تین بار دیئے گئے رابطہ نمبر پر کئی بار کال کی، لیکن وہ کال ریسیو ہی نہیں کرتے، ابو سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ لفافہ میں رقم نہیں رکھتے، لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ڈاک والے رقم نکال لیتے ہیں، اس امید پر خط لکھا کہ شاید آپ کے پاس رقم پہنچ چکی ہو، پلیز مجھے بتائیں کہ کیا مسئلہ ہے کہ ابھی میرے رسائل نہیں پہنچے، تاکہ ٹینشن سے نکل سکوں۔

کھ محترم محمد افسر صاحب، سب سے پہلے تو یہ بات آپ کے علم میں لانا چاہتے ہیں اور وہ بات آپ کے والد نے بھی آپ کو بتائی کہ ڈاک کے ذریعے لفافے میں رقم ڈال کر بھیجنا قانوناً ممنوع ہے..... دوسری بات یہ کہ آپ کا نہ تو خط ہمیں ملا ہے اور نہ ہی رقم، سوائے اس خط کے..... لہذا ہم آپ تک رسالہ کیسے بھجواتے؟؟؟

✉ ہادیہ حبیب الرحمان باغ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں: پیاری مہربانی، السلام علیکم! اس امید سے خط لکھ رہی ہوں کہ آپ اور ”حیا“ کا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا، میرے پیپر ختم ہو گئے ہیں، اب میں فارغ ہو گئی ہوں۔ ”حیا“ ہمیں مہینے کے دوسرے جمعہ کو مل گیا تھا، ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھا، ہر کہانی دوسری کہانی سے بڑھ کر تھی، سب سے پہلے ”تیرے عشق کی انتہا چاہئے“ پڑھی، بہت اچھی کہانی ہے، امن کے لئے بے ساختہ آنسو

نکل جاتے ہیں اور ”میرے خواب ریزہ ریزہ“ بھی اچھی تھی۔ ”ایک زندگی ایک کہانی“ نے تو فردوس باجی کو بھی شاعرہ بنا دیا، بہت اچھی لگی۔ ”سنو میں اک راز کہتی ہوں“ بہت زیادہ اچھی تھی، بنت مولانا عبد المجید اور مریم غازی باجی کو مبارکباد ہو، ایسی زبردست کہانیاں لکھنے پر، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ”نقیب زن“ بھی موبائل کے متعلق بہت زبردست تحریر تھی۔ ”رسوں کا شکار“ تبسم محسن علوی کی زبردست تحریر تھی، بہت پسند آئی، ربیع الاول ٹھہرا رہے گا، فرحانہ عزیز کی بہت پسند آئی، واقعی سچی کہانی تھی کہ اپنے پیارے نبی کا نام نہیں آتا مگر میلاد بنانے میں ایسے پیش پیش ہوتے ہیں، جیسے سب سے بڑے عاشق رسول ایسی ہیں۔ ”ممتا کے سائے“ صبا یونس کی اچھی کہانی ہے اور ”تبسم“، ”سہانا بچپن“ سب ہی اچھا تھا، لیکن ہم تو ”باورچی خانہ“ میں کبھی بھی نہیں گئے، کیونکہ وہاں پر ایسی ایسی اشیاء استعمال ہوتی ہیں کہ جو باغ میں ملتی ہی نہیں ہیں، پھر ہم اپنا سامنہ لے کر رہ جاتے ہیں، آپ کچن میں تھوڑا ہاتھ کم رکھا کریں، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی اشیاء ہوں جو باغ میں بھی مل سکیں۔ ”حیا کی محفل“ میں گئے تو سب سے پہلے دادی جان کا خط پڑھا، بہت اچھا تھا، دادی جان کو میری طرف سے یہ پیغام ہے کہ اپنی بیٹی کو کہیں کہ کسی طرح ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی کوئی صورت نکالیں، کیونکہ وہ تو امریکہ ہی میں رہتی ہیں نا، مارچ کے ”حیا“ میں نا معلوم شخصیت ہم قرار پائے، آمنہ کا خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، امید ہے آئندہ بھی آمنہ ”حیا“ میں شرکت کریں گی، حصہ باجی کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں، بہت خوش قسمت ہیں ہمارے لئے بھی دعا کرنا، اللہ ہمیں بھی حج کی سعادت نصیب فرمائے، آمین..... ساجدہ سعید کا خط بھی زبردست تھا، ساجدہ بتول کا خط اس مرتبہ واقعی مزاحیہ نہیں تھا، ”حیا کی محفل“ میں بہت سی نئی قارئین آئی ہیں، انہیں خوش آمدید کہتے ہیں، اللہ کرے اسی طرح ”حیا“ میں قارئین و قاریات کا اضافہ ہوتا رہے، چھٹیوں میں، میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر لکھی گئی کتاب پڑھتی ہوں، انور غازی نے بے حد دلادیا، اللہ سے دعا ہے کہ کوئی صورت ایسی جائے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو رہائی نصیب ہو۔

کھ ہادیہ بیٹا، ایسا کریں باورچی خانہ کے لئے آپ ہمیں کوئی اچھی سی ترکیب بھجوادیں جو ان چیزوں کی بنی ہوئی ہو جو آپ کے ”باغ“ میں مل جاتی ہوں..... کیوں جی، کیا خیال ہے؟

☆.....☆.....☆

✉ شارفہ طاہرہ کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے اللہ رب العزت کے فضل و احسان سے ”حیا“ کو دن بدن بہتر بنانے میں سرگرداں تمام کارکنان اور ”حیا“ کے پیارے پیارے قارئین بخیر و عافیت ہوں گے، اللہ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین..... میں ”حیا“ رسالے کی جنوری 2013ء کے شمارے سے قاریہ ہوں، جنوری سے لے کر اب تک تمام شمارے بے شک بہترین تھے، مگر جون کا شمارہ سب سے منفرد لگا جبکہ جولائی کے شمارے میں مزید بہتری محسوس ہوئی، دعا ہے یونہی مزید جگمگاتا رہے۔ آمین..... کچھ دنوں پہلے فروری 2010ء کا شمارہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، جس میں بنت مولانا عبد المجید صاحبہ کے ناول ”دشت جنوں کی نقش پائی“ کی قسط بھی موجود تھی، اس کے علاوہ بنت محمد فاروق صاحبہ کے ناول ”وقت ایک جیسا نہیں رہتا“ کی قسط بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا، مجھے پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ دونوں کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں؟ اگر ہاں، تو ازراہ کرم ان کے ملنے کا پتہ بتا دیجئے، بہت مہربانی ہوگی۔ آخر میں میری ”حیا“ کی لکھاری بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ کوشش کر کے اپنی تحاریر میں ”غیر ضروری“ انگریزی الفاظ سے اجتناب برتیں، میں انگریزی زبان کی اہمیت سے خوب

واقف ہوں، مگر ایک اردو اور اسلامی رسالے میں بلاوجہ کی انگریزی کچھ عجیب لگتی ہے، اس طرح سے تحریر کی خوب صورتی بھی مانند پڑ جاتی ہے اور مزہ بھی کر کر اہو جاتا ہے، براہ کرم اس طرف توجہ فرمائیے۔

کچھ شارفہ جی، آپ نے جولائی کے شمارے میں بہتری کا احساس دلایا، اب ذرا یہ بھی بتادیتیں کہ کیا کی کوتاہی تھی جس میں بہتری کی ضرورت تھی تاکہ آئندہ ہم خیال رکھیں..... یہ دونوں ناول اب تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے، ان کو مرتب کرنے کا کام جاری ہے عن قریب شائع ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔

☆.....☆.....☆

✉ زوجہ مولانا محمد اصغر نعمانی ضلع لیہ سے لکھتی ہیں: محترمہ پیاری آپی جان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ آپ ہمیشہ صحت و تندرستی و ایمان کے ساتھ ہوں اور امید کرتی ہوں باقی "حیا" کا پورا اسٹاف ٹھیک ٹھاک ہوگا اور اپنے کام میں مگن ہوگا، اللہ پاک سدا نیک کام لیتا رہے، آمین..... سب سے پہلے ذکر اس چیز کا کروں گی کہ میں کافی مصروف ہونے کی وجہ سے کچھ لکھ نہ سکی تھی اور کافی عرصے کے بعد "حیا" میں جلوہ افروز ہو رہی ہوں، آپی جان، جون کا شمارہ کافی لیٹ ملا، مجھے میری کزن ضحویٰ نے ملتان سے فون کر کے مجھے بتایا کہ آپ کی کہانی شائع ہوئی ہے، آپ کو بہت مبارک ہو، میں نے کہا، میری کہانی، اچھا اچھا کیا نام ہے اس کا، کیونکہ میں نے دو نام لکھ کے بھیجے تھے، جو مناسب لگے، وہی لگا دیں، تو اس نے بتایا "سفر سکون کی طرف" سن کے بے حد خوشی ہوئی (خوشی سے پھول کر کپا ہو گئی، کاش ایسا ہو جائے) سب گھر والوں نے بہت مبارکباد دی، آپی جان، آپ کا بہت بہت جزاک اللہ کہ آپ نے مجھ جیسے کم علم کی اتنی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ میری کہانی شائع ہو گئی ہے، میری اکثر عادت ہے کہ میں عموماً کہانیوں کو ایک ہی دفعہ پڑھتی ہوں، دوبارہ کبھی نہیں پڑھتی، کیونکہ مجھے پتہ ہوتا ہے کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے، پر اپنی کہانی کو کئی دفعہ پڑھتی ہوں، آپی جان، اللہ پاک آپ سے راضی ہو جائے اور سدا کی خوشیاں آپ کے مقدر میں کر دے، آمین..... میرے سر تاج صاحب کی عادت شریفہ ہے جب بھی کوئی چیز شائع ہوتی ہے تو مجھے ضرور انعام سے نوازتے ہیں، اب کی بار میں بہت خوش تھی کہ وہ جیسے ہی گھر آئیں گے تو میں کہانی سنا کے ان سے اپنا انعام وصول کروں گی، جیسے ہی وہ چکوال سے واپس آئے تو میں نے انہیں اپنی کہانی دکھائی، انہوں نے پڑھ کر ڈھیر ساری دعائیں دیں، پھر اپنی قمیص میں سے 1000 کا نوٹ نکال کر مجھے دیا اور کہا، یہ آپ کا انعام ہے، میں نے کہا، یہ تو زیادہ ہے، انہوں نے کہا، یہ تو بہت کم ہے، آپ زیادہ کی مستحق ہو، بہر حال خوشی سے میرا انگ انگ جھوم اٹھا اور دل سے ایسے سر تاج کے لئے دعائیں بھی تو پھر میں نے انہیں کہا، محترم اب آپ زیادہ انعام دینے کا بندوبست کر لیں، کیونکہ اب عنقریب آپ کی زوجہ صاحبہ ایک اور لمبی کہانی اپنے پیارے پیارے راج دلارے رسالے "حیا" کے اندر لے کر آ رہی ہیں، انہوں نے کہا، ٹھیک ہے جناب، بیگم صاحبہ آپ کو شش جاری رکھیں، انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ہاں جی، اب آتے ہیں اپنے "حیا" اوہ، میرا مطلب ہے ہم سب کے پیارے "حیا" رسالے کی طرف، جون کا شمارہ کافی لیٹ ملا، اس کا "ٹائٹل" بہت ہی پاکیزہ منظر پیش کر رہا تھا، حسب سابق سب سے پہلے "حیا کی محفل" میں قدم رکھا، اوہ قدم نہیں نہیں، بلکہ ہاتھ کے ساتھ کھولا، ارے واہ، سب سے پہلے تو ہماری دوست نازش کنول ربال کو محفل میں پایا، نازش صاحبہ آپ کو عالیہ کے بہترین رزلٹ کی مبارک ہو۔ تقریباً سارا رسالہ پڑھ لیا ہے، قسط وار کہانیوں میں "سنو میں اک راز کبھی ہوں" بنت مولانا عبد المجید کی آخری قسط بہت دکھی سی لگی، چلو خیر سحاب کی استقامت پر بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عالم و عالما کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین..... بنت مولانا عبد المجید صاحبہ کو اتنی بہترین کہانی لکھنے پر بہت زیادہ مبارک ہو، اللہ آپ کے علم و عمل میں اضافہ

فرمائے اور آپ کو حق سچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین..... ایک زندگی ایک کہانی "ام حیات" منگورا کی پڑھ کر آسیہ کی حالت زار دیکھ کر بہت افسوس ہوا، چلو شکر ہے کہ وہ صحیح اعضاء کے ساتھ گھر پہنچی ہے، ورنہ تو اللہ معاف کرے، لوگ تو ہاتھ پاؤں تک کاٹ ڈالتے ہیں، بھیک منگوانے کے لئے اور ثانویہ کی اعلیٰ ظرفی نے اسے ایک عمدہ انسان بنانے کی کوشش کی ہے، بنت مسعود صاحبہ کی "اجالے دھند کے اس پاڑ" بہت اچھی لگی، جولائی کا "حیا" ذرا جلدی مل گیا ہے، محترمہ بنت مسعود صاحبہ آپ نے سوال کیا ہے کہ آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے تو سنئے، ہم نے آپ کی دوسری اور آخری قسط بھی پڑھ ڈالی تو محترمہ ہمیں تو خرم صاحب کا کردار اچھا لگا ہے اور نادیہ کی ساوگی بہت اچھی لگی ہے، مجھے تو کافی عرصے بعد ایسی مزیدار کہانی پڑھنے کو ملی ہے، بنت مسعود صاحبہ، اتنی بہترین کہانی لکھنے پر آپ کو میری طرف سے دعاؤں کی نوکری قبول ہو، باقی آپی جان، جون کا شمارہ بہترین رہا ہے، اب جولائی کے شمارے پر تبصرہ ہو جائے، "ٹائٹل" تو بہت شاندار تھا، کافی تھکی ہوئی تھی، جی تو چاہ رہا تھا، اسی بینڈ پر تھوڑا سا لیٹ کے آرام کر لو، ارے یہ کیا "مروجہ جہیز کی حیثیت" یہ نہیں اس میں کیا حقیقت پوشیدہ ہے، ابھی رسالہ تھوڑا سا پڑھا ہے اس دفعہ تو "حیا کی محفل" خوب جی ہوئی تھی، محفل کی سردار تو شیریں گل صاحبہ تھیں، اللہ پاک آپ کو مکمل صحت یابی عطا کرے۔ آمین اور محفل کی جان تو "بنت محمد الیاس نیازی" تھیں، کیا زبردست تبصرہ کیا ہوا تھا، ماشاء اللہ، آپی جان، ٹھیک کہا آپ نے، جب اتنا طویل خط آرام سے لکھ سکتی ہیں تو ہر ماہ کہانی کیوں نہیں، آپ نے اتنا طویل خط لکھ کے ہمیں تو تھکا ڈالا ہے، اس پر ہم جرمانہ عائد کرتے ہیں، کیوں جی، بھریں گی جرمانہ؟..... ہاں جی تو جرمانہ آپ پر یہ ہے کہ اب آپ ایک کی بجائے دو ناول جلدی سے لکھ کے "حیا" والوں کی طرف ارسال کریں، کیوں آپی جی، کیا خیال ہے، یہ جرمانہ بنت محمد الیاس صاحبہ پر ٹھیک رہے گا نا؟ باقی آپی جی، رسالہ پورا پڑھا نہیں، تبھی تبصرہ ادھار..... آپی، میں نے "سہانا بچپن" کے لئے اپنا بچپن اور اپنی بیٹی سارہ کے لئے کچھ لکھا ہے، وہ تحریر بھیج رہی ہوں، شائع کر کے شکریہ کا موقع دیجئے گا، آپی، میں ایک کہانی لکھ رہی ہوں، دعا کیجئے کہ وہ جلد مکمل ہو جائے، تاکہ میں آپ کی طرف بھیج سکوں، آخر میں سب لکھنے پڑھنے والوں کو میرا سلام اور دعاؤں کی درخواست ہے۔

کچھ زوجہ مولانا محمد اصغر صاحبہ، تو جلدی سے اپنے راج دلارے رسالے کے لئے ایک لمبی سی کہانی لکھ ڈالئے اور اپنے سر تاج جی سے بھر پور انعام اور قارئین حیا سے بھر پور دعاؤں کی حقدار بنئے..... "مروجہ جہیز کی شرعی حیثیت" پڑھ کر ہی حقیقت کا اندازہ ہوگا۔

☆.....☆.....☆

✉ میمونہ بنت عبدالحق میر پور خاص سے لکھتی ہیں: مہربان جی، السلام علیکم! امید ہے "حیا" کی پوری ٹیم خیر و عافیت کے ساتھ ہوگی اور "حیا" رسالہ تیار کرنے میں مصروف ہوگی، ویسے بابی، اب رسالہ بہت خوب سے خوب ہوتا جا رہا ہے، بس اس رسالے میں کمی ہے تو سنتوں کی کمی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ایک صفحہ جو ہے، وہ سنتوں کا ہو، مثلاً آج کھانے کی جتنی بھی سنتیں ہوں، وہ تحریر کر دی جائے، پھر دوسرے ماہ بیت الخلا کی سنتیں، اس طرح یہ ہوگا کہ جس کو بھی سنتوں کا علم نہیں ہوگا، وہ ہو جائے گا اور پھر عمل کرنے کا شوق اور زیادہ پیدا ہوگا، بس میری یہ تجویز تھی، آگے پھر آپ لوگوں کی مرضی، آپ لوگ زیادہ جانتے ہیں، اگر یہ سنتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے تو بہت ہی زیادہ شرف کی بات ہوگی، خیر بابی، میں نے ایک کہانی لکھی ہے، وہ آپ پڑھ کر شائع کریں، کیونکہ میں نے تو لکھ دی ہے، اگر آپ کے معیار کے مطابق ہو تو ٹھیک، زبردستی تو کر نہیں سکتے، جون کا شمارہ سامنے آیا، فہرست میں نام دیکھا تو ہماری کلاس کی ساتھی فیصہ بنت محمد فاروق کی کہانی میرے سامنے دیکھ کر منہ چڑا رہی تھیں، لیکن خیر خوشی

ہوئی، خوشی اس بات کی کہ قصیدہ کی کہانی شائع ہوئی اور دوسری طرف دکھ ہوا، دکھ اس بات کا کہ ”سنو میں ایک راز کہتی ہوں“ کی آخری قسط بنت مولانا عبد المجید صاحبہ کو ایسی بھی کیا جلدی تھی کہ اتنی جلدی آخری قسط کر دی، اب محترمہ سے درخواست ہے کہ جون کے رسالے کے ساتھ ہی جولائی سے ایک اور کہانی قسط وار لکھنا شروع کر دیں اور ”انوکھی بیوی“ پڑھ کر دل بہت ہی زیادہ خوش ہوا، کیا یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے یا ویسے ہی فرضی کہانی ہے، اگر خواتین اس انوکھی بیوی کی طرح ذہن رکھنے والی ہوں تو پھر تو کیا بات ہے، معاشرے سے بچاری خواتین کی تعداد ہی کم ہو جائے، اللہ اس رسالے کو تاقیامت جاری و ساری رکھے، خیر و عافیت کے ساتھ آمین۔

✍ میمونہ بیٹی، آپ کی رائے ماشاء اللہ عمدہ ہے، ان شاء اللہ سنتوں کی اشاعت کی ترتیب بناتے ہیں، ویسے کیوں نہ آپ خود یہ سلسلہ شروع کر دیں اور ہر ماہ مختلف سنتیں ارسال کریں۔

☆.....☆.....☆

✉ سز عاصمہ عامر لاہور سے لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم! امید ہے کہ آپ اور ”حیا“ کی ساری ٹیم اللہ کی رحمت سے ٹھیک ہوں گی۔ حیا ملا، اس میں اپنا خط پڑھا، آپ کی حوصلہ افزائی پر ایک مضمون قادیانیوں کے فتنے پر بھیج رہی ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فتنے سے محفوظ رکھے، ابھی حیا پڑھا نہیں اس لئے تبصرہ نہیں کر سکتی، آپ اور تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

✍ ان شاء اللہ، آپ سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

☆.....☆.....☆

✉ ہادیہ رحمان بحر جھنگ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! ”حیا“ رسالہ اپنے نام کی طرح بہت پیارا ہے، ”حیا“ تو عورت کا زیور ہے، اس کے بغیر وہ ادھوری معلوم ہوتی ہے، افسوس! آج کل کی عورتوں نے ”حیا“ کے زیور کو اتار پھینکا ہے اور اس کی جگہ بے حیائی کا طوق گلے میں ڈال لیا ہے۔ ”حیا“ رسالہ تقریباً دو سال سے زیر مطالعہ ہے، میرے علاوہ میری امی جان اور بہن شمرہ بھی اسے شوق سے پڑھتی ہیں، چھوٹی بہن شہزاد جو کہ پانچویں جماعت میں ہے، وہ بھی اس کی دیوانی ہے، بھائی جو کہ انجینئر بننے کی غرض سے لاہور میں مقیم ہے، جب کبھی آتا ہے تو دوسرے رسائل کے ساتھ اس کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ مئی میں جب وہ آیا اور رسالہ پڑھا تو کہنے لگا کہ ”سہانا بچپن“ باقی نے لکھا ہے؟ میرے بولنے سے پہلے ہی شمرہ بول اٹھی کہ نہیں، دراصل ہادیہ حبیب الرحمان کسی اور کا نام ہے، ویسے کیسی مماثلت ہے میرے اور ہادیہ حبیب الرحمان کے نام میں، ایسی مماثلت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، ماشاء اللہ ان کی تحریریں اور خطوط بھی مزیدار اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ اس خط سے پہلے میں نے ایک خط لکھا تھا لیکن وہ شائع نہیں ہوا، اس سے پہلے بھیجا ہوا خط تین عدد تحریریں تو شمارے کی زینت بن چکی ہیں، اس پر آپ کی شکر گزار ہوں، دو عدد کہانیاں پھر حاضر خدمت ہیں۔ مہر افروز آنٹی! آپ پھر کب اپنی اچھی سی کہانیوں کے ساتھ شمارے کے حسن کو چار چاند لگائیں گی، آپ کی کہانیوں کا انتظار رہے گا، شیرین آنٹی کو اللہ تعالیٰ جلد صحت یاب کرے، آمین..... ان کی بیماری کا سن کر دکھ ہوا، ویسے ان پر رشک آتا ہے کہ اس عمر میں بھی مطالعے سے دوستی مضبوط ہے، میں کہانیوں پر تبصرہ تو نہیں کروں گی، کیونکہ ابھی آدھا رسالہ پڑھا ہے، کافی لیٹ آتا ہے! آخر میں ایک سوال..... وہ یہ کہ کیا خط بھی کہانی کی طرح ایک لائن اور صفحہ چھوڑ کر لکھنا ضروری ہے، جواب کا انتظار رہے گا، اچھا جی، اب اجازت دیجئے۔

✍ چلے ہادیہ رحمان، یہ تو اچھی بات ہے، کام کسی اور کا اور نام آپ کا بھی مشہور ہو جائے۔